

دیوبندی کتاب

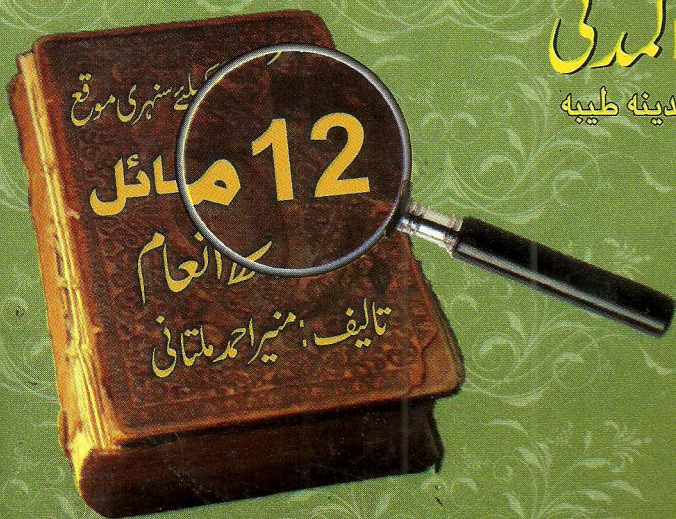
”بارہ مسائل بیس لاکھ انعام“

کا

حقیقت پسندانہ جائزہ

رضاء اللہ عبد الکریم المدنی

فاضل اسلامی یونیورسٹی، مدینہ طیبہ



مکتبہ الفہم
مکتبہ الفہم
مکتبہ الفہم



دیوبندی کتاب
”بارہ مسائل بیس لاکھ انعام“
کا

حقیقت پسندانہ جائزہ

رضاء اللہ عبد الکریم المدنی
فاضل اسلامی یونیورسٹی ، مدینہ طیبہ

مکتبہ الفہیم
منوابع تحقیق و ترویج

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhoobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : faheem.books@gmail.com
WWW.faheembooks.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

﴿زیر نظر اڈیشن مؤلف حفظ اللہ کی خصوصی اجازت سے مکتبہ الفہیم نے طبع کیا﴾

نام کتاب	:	حقیقت پسندانہ جائزہ
تالیف	:	رضاء اللہ عبدالکریم المدنی
طابع و ناشر	:	مکتبہ الفہیم منونا تھ بھنجن یو پی
سال شاعت اول	:	۲۰۰۹ء
سال شاعت دوم	:	جنوری ۲۰۱۲ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار ایک سو
صفحات	:	464
قیمت	:	250/-

باہتمام

﴿شفیق الرحمن، عزیز الرحمن﴾

مکتبہ الفہیم
منونا تھ بھنجن یو پی

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road

Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101

Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224

Email : faheem.books@gmail.com

WWW.faheembooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ (طبع دوم)

ہندوستان میں کچھ عرصہ سے بعض دینی حلقوں میں نفرت، کراہت، افتراء پردازی اور مغالطہ دہی کا بازار گرم ہے، اس میں کچھ حصہ تو پڑوسی ملک کی ذمہ دارانہ بد نظمی، کراہت اور آپسی عدم رواداری کا پیدا کردہ ہے وہاں اسلامی تنظیموں میں جس طرح کی آپسی بے زاری، نفرت اور ناپسندیدگی کی فضا بنی ہوئی ہے جس کے سبب آئے دن نفرتوں، کراہتوں کا اظہار، اتلافِ جان و مال کی صورت میں ظاہر ہوتا رہتا ہے اور وہ خبریں میڈیا کی مدد سے ہمارے ملک میں بھی سنی، پڑھی اور محسوس کی جاتی ہیں وہاں کی گرمی کی آنچ ہم بھی محسوس کہنے بغیر نہیں رہ پاتے۔

پڑوسی ملک میں مختلف مکتب فکر کے علماء تقریباً خود کفیل ہیں اور اکثر کو اچھے مالی وسائل میسر ہیں ایسے میں اگر حکومت کا رویہ ذمہ دارانہ نہ ہو اور اکثر حکمران، وزراء اور کارپردازان حکومت دین سے الگ ہوں اور اس سے وابستگی ان کی پیری مریدی کی قبیل سے ہو تو انتشار و افتراق کے یہ بڑا اچھا مارا مہسر آ جاتا ہے اور یہ نام نہاد علماء اسلامی معاشرہ کو، جنگلی معاشرے میں تبدیل کر دیتے ہیں جس کے مناظر پڑوسی ملک میں بخوبی دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

پڑوسی ملک سے وہاں کے ماحول میں لکھی ہوئی ادعائی اور مغالطہ آمیز کتاب ”بارہ مسائل ہیں لاکھ انعام“ کو ہمارے ملک کے بعض احباب نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور

اس کو اس انداز سے مارکیٹ میں پیش کیا کہ یہ کوئی آسمانی صحیفہ ہے لا جواب، بے مثال اور لاثانی جس کا جواب فریق مخالف کو تار و ز قیامت دینے کی ہمت ناہوگی۔

ان تعلیموں کو احباب دیوبند نے اتنی بار اور اس قدر تسلسل سے دہرایا کہ ہمارے بہت سارے بھائی سمجھے، ہو سکتا ہے کہ واقعی کوئی ایسی دلیل ان احباب کے ہاتھ لگ گئی ہے جو قدیم علماء احناف کو شاید نا پہنچی تھی لیکن اہل علم جانتے تھے کہ دلائل کے نام سے کوئی اضافہ ممکن ہی نہیں ہاں بعض مغالطے ضرور آج کے احباب دیوبند نے تراشے ہیں اور یہ مغالطے آج بڑے پیمانے پر ملک میں درآمد کیے جا رہے ہیں۔ ضرورت تھی کہ ہم اس مغالطہ آمیز کتاب کی قلعی کھولیں، الحمد للہ وہ کام بہت ساری مشغولیوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچا۔ **فللہ الحمد والمنة۔**

کتاب بہت قلیل عرصہ میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور کافی عرصہ سے مارکیٹ سے غائب تھی جناب شفیق الرحمن و عزیز الرحمن مالکان مکتبہ الفہیم مونا تھ بھنجن یو پی نے متعدد بار توجہ دلائی پروگرام چوں کہ چھاپنے کا تھا مگر مشغولیات آڑے آرہی تھیں بنا بریں ان حضرات کو یہ سوچ کر کہ کتاب ان کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں باسانی پہنچ جائے گی ”مکتبہ الفہیم مونا تھ بھنجن“ کو چھاپنے کی اجازت دے دی۔

امید قوی ہے کہ مکتبہ الفہیم مونا تھ بھنجن یو پی اس کتاب کو اپنے بہتر سے بہتر معیار کے مطابق چھاپ کر ملک میں اس کو پہنچائے گا اور اس کتاب کو تلاش کرنے والوں تک یہ کتاب جلد از جلد پہنچ جائے گی۔

مکتبہ الفہیم مونا تھ بھنجن یو پی نے اس عرصہ میں جس قدر بہتر، اچھی مفید اور معیاری کتابیں مارکیٹ میں اتاری ہیں اس سے نا صرف اہل علم کو خوشی ہے بلکہ عوام کو نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آگئی ہے اور ان کی دلی مراد برآئی ہے، دین حق اور منہج سلف کی اشاعت میں اس کا تعاون غیر معمولی ہے۔ امید ہے وہ اپنے معیار کو باقی رکھتے ہوئے

اس خدمت کو جاری رکھے گا۔

کتاب کو جس قدر قبول عام حاصل ہوا وہ محض اللہ کا فضل و کرم اور احسان ہے۔
احباب و اخوان سے ان کی حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے درخواست ہے کہ وہ
مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور صحت و سلامتی کی دعا کے ساتھ دین حق کی خدمت اور
بارگاہِ الہی میں اس کی قبولیت کی دعا سے نوازتے رہیں۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین ومن
تبعہم باحسان الیٰ یوم الدین۔

رضاء اللہ عبد الکریم المدنی
جامعہ سیدنا زید حسین محدث دہلوی
پھانک جیش خاں دہلی-110006



حرف دعا

آج جب کہ یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں میری آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں
والد گرامی جناب شیخ عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۸۲ء کو

محترم جناب چچا سرتاج خاں صاحب رحمہ اللہ المتوفی ۳ مارچ ۲۰۰۳ء کو

محترم جناب الحاج اشفاق وزیری صاحب رحمہ اللہ المتوفی ۲۶ مارچ ۲۰۰۶ء کو

محترم جناب داد محمد الیاس خاں صاحب رحمہ اللہ المتوفی ۱۹ نومبر ۲۰۰۸ء کو

محترم جناب چچا عبید الرحمن خان صاحب رحمہ اللہ المتوفی ۲۰ نومبر ۲۰۰۸ء کو

محترم جناب میانجی محمد یعقوب خاں صاحب رحمہ اللہ جلال پور المتوفی ۲۰۰۸ء کو

جن میں سے ہر ایک میرا سچا بہی خواہ، ہمدرد، انیس و غم خوار و غم گسار تھا۔ میری کامیابی میں ان
کی سچی دعاؤں کا حصہ میری محنت سے زیادہ ہے۔

اگر آج وہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے

میرے رب ان محسنوں پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمایا: آمین

اللهم اغفر لهم وارحمهم وعافهم واعف عنهم واکرم نزلهم ووسع مدخلهم

وانزل علیہم شایب رحمتک یا ارحم الراحمین

وہ صورتیں الہی کس دیں بستیاں ہیں

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

دعا گو: رضاء اللہ عبدالکریم المدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

محترم جناب مولینا حافظ ڈاکٹر محمد یونس ارشد بلرام پوری حفظہ اللہ

آج سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے ۷ ستمبر ۲۰۰۷ء مطابق ۲۵ شعبان المعظم ھ کی تاریخ تھی اور جمعہ کا مبارک دن، میں مغرب کی نماز ادا کر کے اپنے ڈرائنگ روم میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی ریسیور اٹھایا تو ایک مقامی اور جانے پہچانے شخص نے سلام کیا۔ یہ گجرات فردٹ ایجنسی کے جناب ڈاکٹر فکلیل صاحب تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میرے پاس ایک کتاب ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو پڑھیں اور اس کا علمی جائزہ لیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کتاب لے کر آجائیں اس کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کتاب لے کر آ گئے۔

اس کتاب کا نام تھا ”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ میں نے کتاب کے مشتملات پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ مقلدوں کے لیے یہ ایک نعت غیر مترقبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری حنفی دنیا نے اس کی اشاعت میں پورا زور صرف کر دیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت لجنہ العلماء کرناٹک سے بھی ہوئی ہے جو مولانا ٹمس الدین قاسمی اور مولانا افتخار احمد قاسمی کے زیر اہتمام منظر عام پر آئی ہے۔ یہ کتاب مکتبہ الحق جو گیشوری ممبئی اور مکتبہ اشاعت العلوم جو دھپور سے بھی طبع ہوئی ہے ان کے علاوہ دیوبند، اڑیسہ اور بنگال سے بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔

ہمارے یہاں مالیر کوئٹہ پنجاب میں ایک دینی ادارہ کے مہتمم و جمیعۃ العلماء صوبہ پنجاب کے صدر جناب مفتی محمد خلیل صاحب اس کتاب کو مفت تقسیم کر رہے تھے۔ میں بھی اس ادارہ میں حاضر ہوا اور مفتی صاحب سے کتاب طلب کی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تو ”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

مجھے اس میں بیجا تاویلات و الزامات، مغالطے اور فریب کے سوا کچھ نہ ملا۔ میں دوبارہ مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کتاب سے متعلق چند سوالات کیے مثلاً میں نے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ کتاب پڑھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے پھر سوال کیا اس کتاب میں کن مسائل کا تذکرہ ہے؟ جواب دیا معلوم نہیں۔ میں نے اگلا سوال کیا کہ اگر اس کتاب کا جواب دیا جائے تو میں لاکھ کا انعام کون دے گا؟ انہوں نے جواب دیا جس نے یہ کتاب لکھی ہے۔ میں نے گزارش کی کہ اچھا کتاب کے مصنف کا پتہ اور رابطہ نمبر ہی بتا دیجئے تاکہ میں ان سے براہ راست بات کر سکوں۔ آپ کا پھر وہی جواب تھا کہ مجھے نہیں معلوم۔ اب میری حیرت کی باری تھی میں نے ان سے عرض کیا:

”ماشاء اللہ آپ ایک دینی ادارے کے مہتمم و مفتی ہیں

آپ فاضل دارالعلوم دیوبند اور صدر جمعیتہ العلماء پنجاب کی حیثیت سے ایک ذمہ دار اور ممتاز شخصیت کے مالک ہیں لیکن آپ نے کتاب نہیں پڑھی آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے۔ آپ کو اس کے مصنف کا پتہ اور اس کی حیثیت بھی نہیں معلوم ہے۔ آپ اس میں ذکر کیے ہوئے چیلنج اور انعام کی ذمہ داری سے بھی بھاگ رہے ہیں تو پھر غیر ذمہ داری کے یہ سارے کام کس نیت اور کن مقاصد کے پیش نظر کر رہے ہیں؟“

اور وہ بالکل خاموش رہے۔

میں نے ان کی خاموشی میں ان کی مجبوری دیکھی اور یہ سوچ کر چلا آیا کہ کتاب وسنت کی معمولی ہوا سے ان کا تقلیدی ہوائی محل زمین بوس ہونے کو ہے یہ لوگ اسے سنبھالنے میں منہمک ہیں اور آج کل سارے مقلدوں کا یہی مشن ہے۔ کتاب وسنت کو غلط انداز سے پیش کر کے اور اہل حدیثوں پر بیہودہ الزامات عائد کر کے ایک طرف اپنے

ناواقف عوام کو گمراہ کر رہے ہیں تو دوسری طرف اپنی پیٹھ خود ہی تھپتھا رہے ہیں۔
 میں نے شیخ رضا اللہ عبدالکریم حفظہ اللہ سے رابطہ قائم کیا اور مراجع کے بارے
 میں بات کرنی چاہی تو آپ نے اطلاع دی کہ مذکورہ کتاب مجھے مختلف مقامات سے ملی
 ہے اور احباب جماعت نے اصرار کیا ہے کہ اس کتاب کا جواب ضرور لکھئے۔ لہذا میں نے
 اس پر کام شروع کر دیا ہے اور نصف کام ہو بھی گیا ہے۔ میں نے شیخ کا شکریہ ادا کیا کہ
 وہ کتاب دست کی سربلندی کے لیے دینی کام انجام دے رہے ہیں جس سے احناف کے
 پھیلانے ہوئے اس فتنے کو دبانے میں کافی مدد ملے گی۔ ان شاء اللہ

کتاب ”بارہ مسائل ہیں لاکھ انعام“ میں انعام کا اعلان دو شرائط پر کیا گیا
 ہے۔ پہلی شرط یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل حدیث اپنے مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے صحیح
 صریح مرفوع متصل حدیث پیش کریں اور اس کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے
 بغیر ثابت کریں۔ دوسری طرف جن ضعیف ترین حدیثوں پر احناف کا عمل ہے ان کے
 بارے میں لکھا ہے کہ ان کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کریں۔
 بالفاظ دیگر ملتانی صاحب کو یہ تسلیم ہے کہ اہل حدیث صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں اور
 احناف کا عمل ضعیف حدیثوں پر ہے۔

لیکن یہ دونوں شرطیں عائد کر کے انہوں نے بزم خویش یہ سمجھا ہے کہ ہم نے
 اپنی چال سے اہل حدیثوں کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ اہل حدیث تقلید کو
 ناجائز کہتے ہیں اور اس شرط سے امتیوں (ائمہ جرح و تعدیل) کے اقوال و آراء کو وہ پیش
 نہیں کر سکیں گے اس طرح وہ نہ تو کسی حدیث کی صحت ثابت کر سکیں گے اور نہ کسی ضعیف
 حدیث کا ضعف ظاہر کر سکیں گے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ یا تو وہ تقلید کا معنی اور اس کا
 اصطلاحی مفہوم نہیں جانتے اور اپنے ناواقف عوام کو خوش کرنے کے لیے فضول شرطیں لگا
 رہے ہیں یا وہ جانتے ہیں لیکن عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور حق کو
 چھپا رہے ہیں۔ حالانکہ تقلید، گلشن رسول کو چھوڑ کر بعض لوگوں کے الگ اگائے ہوئے باغ

کا پھل ہے جس سے وہ پرورش پا رہے ہیں اور مدینۃ الرسول کے علاوہ ان کے اپنے شہروں کا دروازہ ہے جس سے وہ اپنے تقلیدی مذہب میں داخل ہوتے ہیں اور اس میں ایسے مست و بے پروا ہیں کہ حدیث رسول کی طرف واپس آنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

ائمہ فن کے نزدیک صحت و ضعف کے تعلق سے علمائے امت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ سب سے صحیح حدیثیں وہ ہیں جن کو شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ان حدیثوں کا درجہ ہے جن کو صرف امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ پھر وہ حدیثیں ہیں جنہیں امام مسلم نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ ان کے بعد وہ تمام صحیح حدیثیں ہیں جو سنن اربعہ میں ہیں اور جو صحیح سند کے ساتھ دوسری کتابوں میں ہیں۔ یہ اصول جمیع علماء امت کا تسلیم شدہ ہے اور اسی ترتیب سے تمام صحیح حدیثوں کا عمل سے تعلق ہے۔

لیکن احناف کا اصول و ضابطہ امت مسلمہ کے متفقہ اصول سے مختلف ہے۔ ملتانی صاحب نے اپنی کتاب میں یہ ضابطہ لکھا ہے کہ حنفی مذہب کے نزدیک وہی حدیثیں صحیح ہیں جن پر ہمارے مشائخ نے عمل کیا ہے خواہ وہ محدثین اور ائمہ فن کے نزدیک ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح جن حدیثوں کو حنفی مذہب کے علماء نے قابل عمل نہیں سمجھا وہ ضعیف ہیں چاہے وہ محدثین کے نزدیک صحیح ترین ہی کیوں نہ ہوں۔

یہی مذہب حنفیوں کے مشہور امام کرنی کا ہے۔ ان کے اصول میں لکھا ہے کہ قرآن کی ہر وہ آیت جو ہمارے مشائخ کے مذہب کے خلاف ہے اس کو منسوخ مانا جائے گا یا اس کی تاویل کی جائے گی۔ اسی طرح ہر وہ حدیث جو ہمارے مشائخ و علماء کے عمل کے خلاف ہے اس کی تاویل کر لی جائے گی یا اس کو منسوخ مانا جائے گا۔

حنفی مذہب کا یہی نمایاں اصول ہے اور ان کے یہاں دین پر عمل کرنے کا یہی معیار ہے کہ جن باتوں پر ان کے مشائخ و

علماء نے عمل کیا ہے بس وہی ان کے لیے قابل عمل ہیں اور جن پر ان کے مشائخ و علماء نے عمل نہیں کیا ہے وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہیں خواہ وہ قرآن کی کوئی آیت ہو یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح ترین حدیث۔

اسی اصول و ضابطہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملتانی صاحب نے اپنی کتاب میں صف بندی کے سلسلے میں صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت نقل کر کے ان کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ

”جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح صف بندی کا حکم دیا تو ہم میں سے ہر ایک نمازی جماعت میں اپنے ساتھی کے قدم سے قدم کندھا سے کندھا اور ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔“

لیکن ملتانی صاحب نے اپنے آبائی مذہب کے مقابلے میں اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ:

”اگر پاؤں کو پاؤں سے اور کندھا کو کندھے سے ملایا جائے تو نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔“

نمازیوں کی ایک دوسرے کو دھکا پیلی ہوگی اس لیے نماز میں پاؤں کو پاؤں سے ملانے کی کوشش میں لگا رہنا لغو حرکت ہے اور اپنی نماز کو ضائع کرنا ہے۔ (ص ۲۷)

یہ ہے مقلدین احناف کا فکر و عمل اور عقیدہ کہ جس بات کی تاکید رسول اکرم ﷺ فرما رہے ہیں اس پر عمل کرنے سے ان لوگوں کا سکون ہی غارت ہو جاتا ہے اور نماز ضائع ہو جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ

حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے جماعت کے لیے صف بندی کی انتہائی تاکید فرمائی ہے مختلف انداز و الفاظ میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہونے کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔

یہاں تک ارشاد فرمایا کہ:

”ان تسوية الصفوف من اقامة الصلوة“ (بخاری)

یعنی صفوں کو برابر اور سیدھا رکھنا نماز قائم کرنے کا ایک حصہ ہے۔

لیکن اس کے برخلاف احناف کی نماز باجماعت دیکھیں گے تو وہ لوگ ایک دوسرے سے اس قدر دور کھڑے ہوتے ہیں کہ قدم سے قدم ملانا اور کندھے سے کندھا ملانا تو دور کی بات ہے ان کا جسم بھی ایک دوسرے سے نہچ نہیں ہو سکتا۔ اور تین آدمیوں کی جگہ چار آدمی باسانی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اپنے قدم اس قدر نزدیک کر کے کھڑے ہوتے ہیں جیسے ان میں بیڑیاں ہوں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور منہ پر تالے لگے ہوں اور اگر اتفاق سے بغل میں کوئی اہل حدیث کھڑا ہو اور رسول اکرم ﷺ کے تاکید کی حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کے پیر سے اپنا پیر ملانے کی کوشش کرے تو دفعۃً اس طرح اپنا پیر ہٹا لیتے ہیں جیسے انہیں کرنت کا جھوکا لگ گیا ہو۔

ملتان صاحب نے آمین بالجہر کے بارے میں بھی لا یعنی بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے مسند احمد، دارقطنی اور مستدرک حاکم وغیرہ کے حوالے سے حضرت وائل بن حجرؒ کی روایت کا ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ چکے تو آمین کہی۔ اور آمین میں اپنی آواز کو آہستہ کیا۔“ حالانکہ صحیح بخاری میں بلند آواز سے آمین کہنے کی کئی حدیثیں ہیں امام بخاریؒ نے باب جبر الامام بالتامین کے نام سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؒ اور ان کے مقتدیوں نے اس قدر زوروں سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔ حضرت نافع نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؒ زور سے آمین کہنا نہیں چھوڑتے تھے اور دوسروں کو اس پر ابھارتے تھے۔ حضرت ابن شہاب کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ آمین کہا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔“

اس طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم اور کتب صحاح میں ایسی بہت ساری حدیثیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد بلند آواز سے آمین کہنا چاہیے لیکن احناف اپنے تقلیدی مذہب کی وجہ سے صحیح حدیثوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے آبائی مذہب سے چمٹے ہوئے ہیں۔

ملتانی صاحب کی پیش کردہ حدیث جو انہوں نے حضرت واکل بن حجرؓ کی روایت مسند احمد وغیرہ کے حوالے سے نقل کی ہے آپ اس پر غور کر لیں۔ صحابی رسول فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑچکے تو آمین کہی اور آمین میں اپنی آواز کو آہستہ کیا۔“

غالباً ملتانی صاحب صوت اور آواز کی تعریف نہیں جانتے اور اگر جانتے ہیں تو جان بوجھ کر حق بات کو چھپا رہے ہیں اور اپنے عوام کو گمراہ کر کے اپنے تقلیدی مذہب کی مقدس خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جب آواز زبان سے باہر آگئی تو اس کا پست و آہستہ ہونا یا بلند ہونا نسبتی چیزیں ہیں یعنی اگر آواز آہستہ ہے تو کس کے مقابلے میں ہے اور اگر بلند ہے تو کس کے مقابلے میں بلند ہے۔ کم از کم آہستہ آواز وہ آواز کہلاتی ہے جسے اس کا غیر سن لے بعض روایتوں میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے جنہیں ملتانی صاحب چھپا گئے۔ کسی میں آہستہ کہنے کا تذکرہ ہے اس کا تعلق سننے والوں سے بھی ہے۔ جس نے آمین کی آواز دور سے سنی اسے آہستہ معلوم ہوئی اور جس نے نزدیک سے سنی اس نے بلند آواز کہہ کر روایت کیا۔ ویسے امام کی قرأت کے مقابلے میں اگر آمین کی آواز پست ہے تو اسے آہستہ کہا جائے گا

اور عملی طور پر جب سارے مقتدی ایک ساتھ آمین کہتے ہیں تو مسجد گونج جاتی ہے اور آواز بھی بلند معلوم ہوتی ہے۔

ملتانى صاحب نے ایک دوسرا فریب یہ دیا ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا کی اصل عاجزی اور آہستگی ہے۔ اس مغالطے کو زور دار بنانے کے لیے انہوں نے قرآنی آیات اور ضعیف و موضوع اقوال پیش کیے ہیں۔ ان سے اور ساری حنفی دنیا سے میری گزارش ہے کہ اگر دعا کے لیے عاجزی اور آہستگی ضروری ہے تو قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت وہ تمام دعائیہ کلمات و آیات جو قرآن میں مذکور ہیں آہستہ پڑھا کریں اور سورۃ فاتحہ تو ایک مکمل و جامع دعا ہے اسے بھی نماز فجر و مغرب اور عشاء میں ائمہ کے لیے آہستہ پڑھنے کا فتویٰ جاری کریں۔ اور ہاں لغوی اعتبار سے صلوٰۃ بھی دعا کے معنی میں ہے اس لیے تمام مقلدین احناف کو مطلع کر دیا جائے کہ ان کے امام ساری نمازیں آہستہ پڑھایا کریں۔

کیا یہ حیرت و تعجب کی بات نہیں کہ اس سیدھے سادے مسئلہ میں کہ سورۃ فاتحہ کے اختتام پر آمین بلند آواز سے کہیں یا آہستہ؟ رسول اکرم ﷺ کا تاکید حکم موجود ہے لیکن صاف طور سے اس حکم نبوی کی مخالفت کرتے ہوئے یہ قیاس آرائی کی جارہی ہے کہ چونکہ دعا عاجزی اور خفیہ طریقہ سے کرنا چاہیے اور آمین دعا ہے اس لیے اسے آہستہ کہنا چاہیے۔ یہ دلیل ہے یا حکم رسول کی مخالفت کے لیے حیلہ و بہانہ؟ اگر واقعی اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا کوئی صاف و صریح حکم نہ ملتا تو قیاس شرعی جائز ہوتا لیکن جب ایک حکم منصوص موجود ہے پھر بھی اپنے تقلیدی مذہب کی آبرو بچانے کی خاطر قیاس آرائی کی جارہی ہے اور عوام کو بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔ یہی حال دوسرے مسائل کا ہے جنہیں آپ اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ پڑھیں گے۔ میں نے ملتانى صاحب کے مغالطہ و فریب اور صحیح حدیثوں کو ٹھکرانے کی حیلہ جوئی کے پیش نظر بطور نقض و معارضہ چند بنیادی باتوں کی نشاندہی کر دی ہے۔

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے مقلدین احناف کے نئے نمائندے ملتانی صاحب کی کتاب ”بارہ مسائل اور بیس لاکھ انعام“ کا مفصل و مدلل جواب ہے۔ ان مسائل کے بارے میں علماء اہل حدیث کی طرف سے بارہا لکھا جا چکا ہے مگر مقلدین احناف کے بازی گر اپنے بھولے بھالے عوام سے داد حاصل کرنے کے لیے اس بیداد کا ارتکاب کرتے رہے ہیں لیکن اگر ان میں ہمت ہے تو اپنے نام و پتہ کے ساتھ میدان میں آئیں کسی ملتانی صاحب کے سہارے مسلمانوں میں فساد برپا کرنے کی مذموم کوشش نہ کریں۔

اس کتاب کے مصنف شیخ رضا اللہ عبدالکریم حفظہ اللہ فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے آپ ایک بلند پایہ ادیب، ایک مشہور و ممتاز خطیب و مقرر اور تحقیقی قلم کار و مصنف ہیں۔ آپ کی کئی کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ خطابت و صحافت کے ساتھ بھی کافی عرصہ سے آپ کا گہرا تعلق رہا ہے اور دونوں میدانوں میں آپ امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر رہے ہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی یہ کتاب مستند و مکمل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے آپ نے اس کتاب میں بجا طور پر صرف ایک ہی سوال کا جواب دینے پر بیس لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہے۔ تمام مقلدوں کے لیے اعلان عام ہے کہ وہ اس سوال پر طبع آزمائی کریں اور انعام حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

آپ نے ہر مسئلہ پر کافی تفصیل کے ساتھ مدلل انداز میں سیر حاصل بحث کی ہے اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ آپ کی تحریر میں شگفتگی، سلاست و روانی اور سادگی کے ساتھ ساتھ ایسی جاذبیت ہوتی ہے کہ قاری بے اختیار پڑھتا چلا جاتا ہے اور ”ازدول ریزد بردل خیزد“ کے مطابق آپ کی فکری تحریر دل پر اثر کرتی چلی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے نہ تو کسی پر الزامات لگائے ہیں اور نہ طعن و تشنیع کی زبان استعمال کی ہے

بلکہ انتہائی متانت و سنجیدگی کے ساتھ اصل مسائل پر بحث کی ہے تاکہ قاری خارجی مسائل میں نہ الجھے اور اصل موضوع پر اپنے ذہن و دماغ کے لیے تسکین و طمانیت فراہم کر سکے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ آپ خالی الذہن اور غیر جانبدار ہو کر کتاب کا مطالعہ کریں اور خود فیصلہ کریں کہ دلائل و براہین کے لحاظ سے کیا حق ہے اور کیا باطل؟ دعا ہے کہ اللہ عز و جل اس کتاب کو شیخ کے لیے صدقہ جاریہ اور عوام کے لیے موجب ہدایت بنائے۔ آمین

واللہ ولی التوفیق

(ڈاکٹر) محمد یونس ارشد بلراپوری

جمعہ ۷ نومبر ۲۰۰۸ء

سلفی نگر دُلماروڈ، مالیر کوٹلہ، پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

فاضل اجل داعی و خطیب حضرت مولانا محمد اشفاق سلفی مدنی حفظہ اللہ و تولاء

(استاد حدیث دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، درجہ نگہ بہار،)

میرے بزرگ دوست شیخ رضا اللہ عبدالکریم مدنی حفظہ اللہ، ایک عمدہ خطیب، جید عالم دین اور بالغ نظر باحث و مناظر ہیں۔ ان کے اندر ماشاء اللہ، کتاب و سنت کی حمیت و غیرت موجود ہے، جو انہیں وقتاً فوقتاً اہل بدعت و تقلید سے لوہا لینے پر ابھارتی ہے۔ اور وہ بفضلہ تعالیٰ اس میدان میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔ موصوف نے کسی حنفی پاکستانی مولوی منیر احمد ملتانی کے بارہ مسائل جن پر اس نے بیس لاکھ روپے کا خطیر انعام مقرر کیا ہے، کا تعاقب کرتے ہوئے مذکورہ مسائل سے پردہ اٹھایا ہے اور ملتانی صاحب کے مغالطات سے قارئین کو مطلع فرمایا ہے۔ یہ مسائل بنیادی طور پر اتباع اور تقلید سے متعلق ہیں۔ قرآن و حدیث میں اتباع کا لفظ بکثرت آیا ہے جب کہ تقلید اپنے مروجہ معنی میں مخترع لفظ ہے اور بقول اصولیین ”التقلید وظیفۃ الجاہل“ تقلید جاہلوں کا شیوہ ہے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو علامہ، مفتی و قاضی جیسے بھاری بھرکم القاب سے کم پر راضی نہیں ہوتے۔ یہ حضرات بھلا تقلید کر کے یا اس کی پر زور و کالت کر کے خود کو جاہلوں کی صف میں شامل کرنا کیوں پسند کرتے ہیں؟ فہداهم اللہ و ایانا الی الصواب میں شیخ رضا اللہ صاحب مدنی کے لیے باری تعالیٰ سے علم مزید اور تحقیق انیق کی دعا کرتا ہوں تاکہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو راہ حق نصیب فرمائے۔ آمین

راقم آثم

محمد اشفاق سلفی

۲۳/شوال ۱۴۲۷ھ، درجہ نگہ (بہار)

اپنی بات

بحث و تحقیق، تلاش و جستجو اور راہ صواب تک رسائی کا داعیہ حق پرست، انصاف پسند طبیعتوں کا نہایت خوش گوار مشغلہ ہے۔ دینی اعتبار سے بھی یہ ایک مفید، باعث ثواب، کارخیر شمار ہوتا ہے۔

صحابہ کرام تابعین عظام محدثین، مجتہدین اور ائمہ ہدی اس روش پر نہ صرف قائم تھے بلکہ یہ ان کے یہاں نہایت مانوس اچھا اور پسندیدہ مشغل تھا۔ محدثین و فقہاء کے یہاں مجالس مذاکرہ کا بہت ذکر ملتا ہے۔ اس مجلس مذاکرہ میں قرآن و سنت اور قیاس شرعی کے جزئیات اور مسائل مختلفہ پر کھل کر بحث ہوا کرتی تھی۔ ہر شخص اپنی دلیل اپنا موقف رکھتا اور فریق مخالف کی بات سن کر باہم مباحثہ کی نوبت آجاتی۔ دلیلوں سے دلیلیں ٹکراتیں، باہم متعارض احادیث پیش کی جاتیں، وجوہ ترجیح تلاش کیے جاتے اور پھر جب مجلس ختم ہوتی تو دونوں فریق اس بات پر خوش ہوتے کہ ہم نے علمی و دینی مسائل کو جانا پرکھا اور ہر ایک فریق نے کچھ چیزوں کو اختیار کیا اور کچھ چیزوں کو کمزور ہونے کے سبب چھوڑ دیا۔ اس ساری بحث و تدقیق سے تعلقات ہمدردی، و خیر خواہی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ نفرت و عداوت کی وہاں گنجائش نہ تھی کیونکہ ہر ایک دلیل کا پیرو اور حجت کا متلاشی، برہان کا خواہاں اور راہ حق تک رسائی کا خوگر تھا۔

فقہاء و محدثین کا یہ مبارک طریقہ خلافت اسلامیہ کے زوال پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ زوال پذیر ہو گیا۔ طبیعتیں سست ہو گئیں، علم کم ہو گیا، قدرداں جاتے رہے، تعصب بڑھ گیا، تقلید کے لزوم نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اب مسائل میں بحث و

مباحثہ کا اختتام نفرت و عداوت پر ہوتا ہے۔ لڑائیاں اور جھگڑے ہوتے ہیں۔ اختلاف برائے اصلاح کا دور ختم ہوا اختلاف برائے اختلاف کا دور شروع ہو گیا۔ انسانیت سے لے کر غرور و گھمنڈ اور تمام رذائل اخلاق علماء کا طرہ امتیاز ہو گئے ہیں۔

بقول حالیؒ

بڑھے جس سے نفرت وہ تحریر کرنی جگر جس سے شق ہوں وہ تقریر کرنی

گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہے عالموں کے ہمارے طریقہ

یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے حدیثوں پہ چلنے میں دین کا خلل ہے

فتاووں پہ بالکل مدار عمل ہے ہر ایک رائے قرآن کا نعم البدل ہے

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی

خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم

جسے عقل رکھے نہ ہرگز مسلم اسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم

سب اس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں

سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

یہ حال جو علامہ حالیؒ نے مدوجزر اسلام ”مسدس حالی“ میں بیان فرمایا ہے موجودہ زمانے میں علماء کرام کے کردار و عمل کا آئینہ دار ہے بلکہ کچھ حضرات میں تو اس قدر شدت ہے کہ وہ اپنے فرقہ کے علاوہ کسی دوسرے کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور بحث و مباحثہ میں تمام ان رذائل اخلاق کا ارتکاب کرنا ضروری خیال کرتے ہیں جو دنیا دار، لچے، لفنگے، دنیا کے مال و متاع اور جھوٹی سیادت و قیادت کے لیے کرتے ہیں۔

دھوکہ دہی، الزام تراشی، بدعہدی، بدگمانی سے لے کر صریحاً جھوٹ اور مکر کا استعمال کرنا اور اپنے فرقہ کی خیالی فتح کو حقیقی بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ بحث و مباحثہ ہوا نہیں مناظرین جمع ہوئے نہیں اور فتح مبین کے اشتہارات سے درو دیوار سیاہ کر دیے گئے۔ صرف یہی نہیں کہ ہم جیت گئے بلکہ خیالی طور پر فریق مخالف کے مناظر غلط حوالہ دیتے ہوئے پکڑے گئے۔

سترکی دہائی میں بنارس بجز ڈیہہ میں ایک مناظرہ ہونا طے پایا۔ مابین الہمدیث و بریلوی حضرات تاریخ آئی دونوں فریق جمع ہوئے مگر عین وقت پر حاکم شہر نے مداخلت کر کے دونوں فریق کو وہاں سے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ کیونکہ بقول ان کے نقض امن کا خطرہ یقینی تھا۔ مناظرہ نہ ہو سکا افسوس رہا جب صبح سو کر اٹھے تو جامعہ سلفیہ کی دیواروں پر بریلوی حضرات کی جانب سے فتح مبین کا اشتہار چسپاں تھا اور اس میں موٹے موٹے حروف میں لکھا تھا کہ جامعہ سلفیہ کے شیخ الہمدیث غلط حوالہ دیتے ہوئے پکڑے گئے۔

بعد میں پتہ چلا کہ اشتہار چونکہ پہلے ہی چھپ کر تیار تھا اور لگانے والے کو ٹھیکہ دیا جا چکا تھا اس لیے جو مناظرہ سرے سے وجود پذیر ہی نہیں ہوا اس میں فریق مخالف کی شاندار فتح بھی ہو چکی تھی اور ہم ہار بھی چکے تھے اور ہمارے شیخ الہمدیث غلط حوالہ دیتے ہوئے پکڑے بھی گئے تھے

ناطقہ سرگرمیاں ہے اسے کیا کہئے !

آندھرا کے ایک گاؤں گرم کنڈا میں مناظرہ کا چیلنج دے کر جس طرح سارے دن غائب ہو کر مدین پٹی میں دیوبندی مناظر چھپے رہے اور عصر کے بعد گرم کنڈا کے سرینچ کے ذریعہ یہ کہلوادیا کہ افسوس ہمارے مناظرین نہیں آئے اب مناظرہ نہیں ہو سکتا ہم آپ

(۱) یاد رہے یہ اس مناظرہ سے قبل کا حال ہے جو بعد میں الہمدیث حضرات نے زبردستی انتظامیہ سے اجازت لے کر کارپوریشن حال بنارس میں ۱۹۷۸ء میں منعقد کرایا۔ اس کی روئداد رزم حق و باطل کے نام سے چھپی۔

حضرات سے معافی چاہتے ہیں اور جب اہلحدیث علماء وہاں سے چلے آئے اور کافی دور نکل گئے تو اپنی کمین گاہوں سے نکل کر رائے چوٹی کے مفتی نے اپنے حلیفوں کے ذریعہ ایک عمر دراز عالم کو جو گاڑی میں بیٹھ کر جا رہے تھے، زبردستی گاڑی سے نکلوا کر مسجد میں بلوایا اور مسجد میں تالا لگوا دیا اور زبردستی طمچنے کی نوک پر پہلے سے تیار تحریر پر دستخط کروا لیے۔ وہ کہتے رہے کہ ہمارے علماء ہمارے مناظرین آپ لوگوں کا صبح سے انتظار کر رہے تھے آپ کیوں نہیں آئے۔ اب کوئی دوسری تاریخ دیں مگر نفاذ خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ چند دنوں کے بعد جمعیت علماء ہند کے آرگن ”الجمعیت دہلی“ میں خبر چھپی ”اہلحدیث کی شرمناک شکست اور دیوبندیوں کی فتح ممین“ عقل حیران، ذہن بے چین یا الہی یہ ماجرا کیا ہے۔ اگر میں خود وہاں نہ ہوتا تو شاید اس مقدس گروہ کے مفتیوں کی اس حرکت پر کبھی یقین نہ کرتا مگر کیا کروں کہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ انکار اور بے یقینی کی گنجائش نہ تھی۔

بریلی میں ایک سے زائد بار اصحاب جبہ و دستار سے مباہضے ہوئے اور ہر بار وہی کھیانی بلی کھبا نوچے کی مثال سامنے آئی۔ ایک مولوی جو جھوٹ میں ملکہ تام اور دشنام طرازی میں بدنام انام ہے آج بھی نام لے لے کر کہتا پھرتا ہے کہ اہلحدیث ہار گئے جب کہ اس سے اسی کے گاؤں میں علم غیب کے مسئلہ پر مناظرہ شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ تمہید میں ہی ایسا الجھا کہ صبح سات سے گیارہ بجے تک ایک معمولی سوال حل نہ ہوا، گالیوں پر اتر آیا۔ پولس بلالی دوبار بے ہوش ہوا، انجکشن لگوائے گئے اور میرا سوال آج تک اس پر قرض ہے مگر ڈینگیں ایسی مارتا ہے کہ آدمی سمجھے دنیا میں اس سے بڑھ کر عالم نہیں۔ بقول حالیؒ

سمجھتے ہیں سب، عیب جن عادتوں کو بہائم سے نسبت ہے جن سیرتوں کو
چھپاتے ہیں اوباش جن خصلتوں کو نہیں کرتے اجلاف جن حرکتوں کو

وہ یاں اہل بدعت کو ہے شیر مادر

نہ خوف خدا ہے نہ شرم پیہبر

یہ عادات کچھ تو قلت علم، قلت حیا اور قلت دین کے سبب طبقہ علماء میں سرایت کر گئی ہیں۔ کچھ فرقہ پرستی اور جھوٹی شان و شوکت کے سبب اور رہی سہی کسر دور زوال نے پوری کر دی ہے کہ دور زوال میں اخلاق عالیہ بھی زوال پذیر ہو جاتے ہیں اور رذائل کی گرم بازاری ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال اگرچہ بہت افسوس ناک اور غم آگیز ہے مگر امید کی کرن باقی ہے۔ آج وسائل علم کے سبب حقیقت تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے اور دیگر علوم و فنون کی طرح علوم دینیہ میں بھی کسی خاص طبقہ کی چودرہاٹ ختم ہو گئی ہے۔ قرآن و سنت تک رسائی آسان ہو گئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سنت تک پہنچنا اب دشوار نہیں رہا۔ ہزاروں مراجع و مصادر کی وہ کتابیں جن کے سو دو سو سال پہلے صرف نام کتابوں میں پڑھے جاتے تھے آج وہ محقق شکل میں مارکیٹ میں موجود ہیں اور ہزاروں ذاتی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ایک ایک سی ڈی میں دس دس پندرہ پندرہ ہزار کتابیں موجود ہیں جب چاہو اس سے استفادہ کر لو۔

امید ہے یہ جمود یہ تعصب یہ فرقہ بندی یہ تنگ دائرے جو بہت سارے لوگوں نے کھینچ رکھے ہیں جن سے نکلنا کل تک جرم تھا اب وہ دیوار ٹوٹ رہی ہے۔ تعصب کی برف پگھل رہی ہے۔ جمود ٹوٹ رہا ہے اور ہر عقل مند آفتاب اسلام پر وقتی طور پر چھا جانے والے بادلوں کو چھٹتا ہوا دیکھ رہا ہے اور مسلمان اپنے مرکز عقیدت، منبع ایمان اور ماویٰ ایقان کی طرف لوٹ رہا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ کتاب جو ایک دیوبندی عالم کے مغالطوں سے پُر کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہے مسلمانوں کو ان کے حقیقی مرکز عقیدت، مکہ و مدینہ و ذات رسول اکرم فداہ ابی و امی و صحابہ کرام کے منہج سے ہم کنار کرنے میں مددگار ہوگی اور

بہت ساری غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر کے منہج صحابہ و تابعین پر پڑے ہوئے نقابوں کو الٹ دے گی۔ ان شاء اللہ

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گجرانوالہؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں احباب دیوبند کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے ہماری معلومات کی حد تک موصوف کی یہ تقسیم حقیقت پر مبنی ہے۔

ہماری اس کتاب کا روئے سخن صرف اس طبقہ کی طرف ہے جو کورانہ تقلید کے ساتھ ساتھ عداوت اہلحدیث میں بھی اندھا بہرا بنا ہوا ہے۔ ان کے خلاف بے بنیاد باتوں کو بلا تحقیق پھیلاتا، افواہوں کو جنم دیتا اور الزام تراشیوں کو کارثواب جانتا ہے۔

رہا وہ طبقہ جو حدیث و فقہ سے گہری واقفیت رکھتا ہے اور مسلک محدثین کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے بے جا تاویلات ناروا تعصب اور مخالفین کے بارے میں جھوٹی افواہیں پھیلانے پر یقین نہیں رکھتا اور نا اختلاف نظر کو جرم سمجھتا ہے تو یہ طبقہ نہ ہمارا مخاطب ہے اور نہ ہماری ان سے کوئی خصومت ہے۔ ہم ان کے اختلاف رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔

یہ کتاب تسلسل کے ساتھ نہیں لکھی گئی درمیان میں کافی دنوں تک دوسری مشغولیات نے اس کی طرف توجہ ہی نہ ہونے دی۔ اس لیے ممکن ہے کہ بعض طبیعتوں کو اسلوب بیان میں یکسانیت نظر نہ آئے۔ اسی طرح اگر کہیں کوئی سختی نظر آئے تو اس کو رد فعل سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ اپنے طور پر کوشش کی گئی ہے کہ شدت نہ آنے پائے۔

کتاب آپ کے سامنے ہے اگر اس میں کوئی خوبی نظر آئے تو اس کو محض اللہ کا فضل و کرم جانیں اور اگر کوئی خامی نظر آئے تو وہ محض میری کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

جو حضرات کتاب میں موجود کسی خامی یا غلطی کی نشاندہی فرمائیں گے میں ان کا شکریہ ادا کروں گا اور ان کی رائے پر پوری ہمدردی اور خوش دلی سے غور کرتے ہوئے

اگر ان کا موقف درست ہوا تو قبول کر لوں گا۔

اگر کوئی صاحب اس کتاب کا جواب لکھیں تو مجھے اس کی ایک کاپی ضرور روانہ فرمائیں میں ان کا شکر گزار رہوں گا۔

آخر میں میں ان تمام حضرات کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کا جواب لکھنے پر مجھے اکسایا میری حوصلہ افزائی فرمائی، خصوصاً مولانا اقبال جامعی، حضرت مولانا احمد مجتبیٰ صاحب سلفی مدنی، و اساتذہ جامعہ سید نذیر حسین محدث دہلوی جنہوں نے کتاب کے بڑے حصہ کی پروف ریڈنگ میں میرا تعاون بھی کیا۔
اللہ ان تمام حضرات کی جہد مشکور کو شرف قبول سے نوازے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ وسلم

رضا اللہ عبد الکریم مدنی

استاد، جامعہ سید نذیر حسین محدث دہلوی

پھانک جیش خاں، دہلی-۶

مقدمہ

الحمد لله و الصلاة و السلام على رسول الله و على آله و صحبه

و من والاہ. و بعد

تقلید شخصی کا نتیجہ ہمیشہ تعصب اور تنگ نظری کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، لیکن کبھی کبھی یہ تنگ نظری اور جمود اپنی حد سے نکل کر تفسیق و تکفیر تک پہنچ جاتے ہیں۔ جن علماء کو اس خطرناک مرض کے جراثیم، لاحق ہو جاتے ہیں ان کی حالت زیادہ قابل رحم ہوتی ہے، ان کی سوچ، ان کا ذہن، ان کی سرگرمیاں اور کردار و گفتار سب ہی راہ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور جو گھروندا انہوں نے اپنے متوسلین، مریدین اور ماننے والوں کا بنایا ہوتا ہے۔ اس میں ذرا سی بھی کمی واقع ہوتی ہے یا اس جمود کی سطح پر ہلکا سا موج بھی پیدا ہوتا ہے تو متعصب مقلد کی نینداڑ جاتی ہے، چین چین جاتا ہے۔ اس کی حالت نہایت قالب رحم ہو جاتی ہے، وہ نہ صرف قرآن و سنت کے دامن کو چھوڑ بیٹھتا ہے بلکہ شرافت اور انسانیت کے معمولی تقاضوں کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور ہر آن اسے یہ فکر رہتی ہے کہ کسی طرح یہ مریدین اس کے دامن فریب سے نہ نکل جائیں۔ اگر اس سلسلہ میں اسے ناکامی ہوتی ہے تو اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ اسلام و دینداری شرافت و دیانت داری کی ساری حدیں توڑ دیتا ہے۔

یہ بات بار بار مشاہدہ میں آتی ہے، تاریخ شاہد ہے اور موجودہ حالات اس کی گواہی دے رہے ہیں، لیکن عجیب اتفاق ہے کہ جس قدر تقلید شخصی کے خوگر اور اندھی تقلید

کے رسیا اس سلسلہ میں شاہراہ قرآن و سنت سے لوگوں کو روکنے کے لیے جھوٹ و مکر، دجل و فریب اور بہتان تراشیوں اور غلط فہمیوں کا سہارا لے رہے ہیں یہ نور ہدایت اتنا ہی پھیل رہا ہے قرآن و سنت کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنانے والوں کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے جس قدر اس راستے میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں اسی قدر لوگوں کا شوق بڑھتا جاتا ہے بقول غالب ۔

ہوتا ہے شوق غالب تیری نہیں نہیں پر

اور جب ایک بار وہ تقلیدی جکڑ بندیوں سے نکل کر تلاش حق میں نکل پڑتا ہے تو پھر اس کا مقام و منزل سوائے قرآن و سنت کی بارگاہ کے کوئی دوسرا کوچہ نہیں ہوتا۔

میں ذاتی طور پر کتنے ہی لوگوں کو جانتا ہوں کہ کسی زمانے میں وہ نیاز، فاتحہ، محرم، چہلم، گیارہویں اور بارہویں میں نہایت درجہ سرگرم تھے مگر آج وہ خود اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو ان بدعات سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی زمانے میں علما دیوبند اور تقلید شخصی کے بارے میں ایک لفظ سننا گوارہ نہ کرتے تھے اور عمل بالحدیث کو اک فتنہ مانتے تھے لیکن جب آنکھیں کھلیں اور خود مطالعہ کر کے حقیقت سے واقف ہوئے تو آج وہ خود اس تقلیدی جال سے لوگوں کو باہر لانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جب تک دیوبندی مولویوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور اہلحدیث کی کتابیں خصوصاً تراجم حدیث سے کوئی تعلق نہ تھا تو دیوبندیوں کو پارسا، پاکباز اور اہل توحید اور قرآن و سنت پر چلنے والا مانتے تھے، مگر آج وہ ان دیوبندیوں کے قلعے ڈھانے میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی پولیس کھول رہے ہیں ”گھر کا بھیدی لٹکا ڈھائے“ کے بمصداق ان کے داروں اور حملوں کا جب اس طبقہ کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تو دیوبندی مولویوں نے عجیب و غریب ہتھکنڈے اپنانے شروع کر دیے۔ جس میں زبانی ایذا رسانی سے لے کر دھوکہ دھڑی اور ابلہ فریبی اور بہتان تراشی کے اوجھے ہتھکنڈے

اپنانے میں دریغ نہیں کرتے اور یہ سب کچھ تقریباً چار پانچ سال کے عرصہ میں بہت زیادہ ترقی کر گیا ہے۔

چونکہ پاکستان کا بھی تقریباً وہی حال ہے جو ہندوستان کا ہے۔ جس طرح یہاں لوگ بڑی تعداد میں کتاب و سنت سے وابستہ ہو رہے ہیں اسی طرح پاکستان میں بھی یہ سلسلہ بڑی تیزی سے جاری ہے، چونکہ اس مذہب کے اصول اور عقائد لوگوں کی نظر میں واضح نہ تھے جس کو جماعت اہلحدیث سے وابستہ بعض ان علما نے جو خود عرصہ دراز تک اس مذہب سے دور رہے بلکہ پیدائشی طور پر دیوبندی تھے مگر اللہ رب العزت نے جب دست گیری فرمائی تو قرآن و سنت کی اصلی محبت ان پر منکشف ہو گئی اور وہ اس کڑ جال سے نکل کر باہر آ گئے اور اب وہ کتاب و سنت کی بالادستی کے لیے سرگرم ہیں۔

ان حضرات دیوبند کی اصل پریشانی یہی ہے کہ ہماری ہزار بندشوں پابندیوں، افترا پردازیوں، سازشوں کے باوجود لوگ ہمارے چنگل سے نکل نکل کر کس طرح کتاب و سنت سے وابستہ ہو رہے ہیں۔

ماضی میں بھی ان حضرات نے بڑی کوششیں کیں مگر وہ اس بڑھتی ہوئی رفتار کو روک نہیں سکے اور کتاب و سنت کا قافلہ یونہی بڑھتا رہا۔ بقول شاعر

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

یہ لوگ بھی اپنی کارستانیوں میں لگے ہوئے ہیں اور کتاب و سنت کے متوالے بھی ہار ماننے کو تیار نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان حضرات نے اب ایک نیا طریقہ اپنایا ہے جس میں دجل بھی ہے اور مکر بھی، فریب بھی ہے اور خداع بھی، جو ان کے اکابر نے نہیں کیا وہ اب یہ کر رہے ہیں، جو تلمیسات ماضی میں نہیں اپنائی گئی تھیں وہ اب کام میں لائی جا رہی ہیں۔ جس طرح کتاب و سنت کے داعی ہر زمانہ میں ان کے مکر و فریب کا

پردہ چاک کرتے رہے ہیں آج بھی تیار ہیں اور ہر فریب کا پردہ چاک کرنے کا عزم و حوصلہ رکھتے ہیں۔ بقول شاعر

نہ ہارا ہے عشق اور نہ دنیا تھکی ہے

دیا جل رہا ہے ہوا چل رہی ہے

اس بار وجل و فریب کے جو نسخے پاکستان سے فراہم کیے گئے ہیں اور شاید ان لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس دفعہ اس جادو کو کوئی باطل نہ کر پائے گا لیکن شاید یہ بھول گئے ہیں ”لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُّوسٰی“ ہر فرعون کے لیے اللہ تعالیٰ ایک موسیٰ پیدا کر دیتا ہے اور ساحروں کے جادو کو باطل کرنے کے لیے عصائے کلیسی کسی نہ کسی کو ضرور دیتا ہے۔ اس دفعہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ سعادت ہمارے حصہ میں آئی ہے۔ اب ہم اللہ کے نام سے اس جادو کے ابطال کی ابتدا کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق



بارہ مسائل بیس لاکھ انعام کے مقدمہ پر ایک نظر
مولوی منیر احمد ملتانی نے اپنی ساری کتاب میں اگر کوئی بات انصاف کی لکھی
ہے تو وہ یہ چند سطریں ہیں:

”بات چیت دینی مسئلہ میں ہو یا دنیوی مسئلہ میں اگر با اصول ہو تو
مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے اور اگر بے اصول ہے تو غیر مفید،
بے نتیجہ اور ضیاع وقت۔“
(بارہ مسائل ص ۵)

مولوی منیر احمد صاحب کی کتاب میں خیر سے یہی دو سطریں مبنی بر انصاف یا
انسانیت سے میل کھاتی ہوئی تھیں۔ کاش موصوف نے ان دو سطروں کا لحاظ کیا ہوتا اور
اپنے لکھے کی لاج رکھی ہوتی۔ چند سطر بعد ہی بے اصولی شروع کر دی اور اپنے من سے
اپنے اور اپنے فریق کے اصول لکھ مارے۔ حالاں کہ جب بات اصول کی تھی تو دونوں
فریق کی ان کتابوں کو بنیاد بنایا ہوتا جو اصول میں لکھی گئی ہیں۔ نا یہ کہ اپنے اصول کا تو
کوئی حوالہ ہی نہیں دیا اور ہمارے یعنی الحمد للہ کے اصول ان کتابوں سے لکھ مارے جو
اصول کی نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ محض دعوتی ہے یا محض دفاعی۔ اب آئیے ہم آپ کو
دکھاتے ہیں کہ مولوی منیر احمد ملتانی اینڈ پارٹی نے یہ من مانے اصول کیوں تراشے اور اصل
اصول سے انحراف کیوں کیا؟

مولوی منیر احمد ملتانی کی اصول پسندی حقیقت کے آئینہ میں

مولوی منیر احمد ملتانی دیوبندی نے مقلدوں اور غیر مقلدوں کے اصول لکھے ہیں
وہ اصول ہی حقیقت میں فریب دہی کا اولین زینہ ہیں اور یہ وہ سراب ہے کہ دور سے
دیکھنے والے کو گوپانی معلوم ہوتا ہے مگر جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی
”بارہ مسائل بیس لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

حاصل نہیں ہوتا اور پتہ چلتا ہے کہ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا محض نظر کا دھوکہ تھا، ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو اس سراب سے نکال کر حقیقت سے واقف کرائیں تاکہ وہ اس دامِ ہم رنگِ زمیں کو پہچان لیں۔

ہم اپنے ان احباب کو جو فریقین کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں یا دلدانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ذہن پر زور ڈال کر یاد کریں کیا انہوں نے کوئی ایسی کتاب پڑھی ہے جس میں اس طرح خود ساختہ اصول بتائے گئے ہوں اور فریق مخالف کو اپنے خود ساختہ اصول پر چلنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہ اصول کوئی آج کے نئے نہیں ہیں پہلے سے ہیں پھر دیگر علماء نے یہ اصول کیوں نہیں اپنائے؟ کیا دیگر دیوبندی علماء جن میں اکابرین دیوبند بھی شامل ہیں جو ہمیشہ اہلحدیث سے مسائل پر بحث و مباحثہ کرتے رہتے ہیں کبھی انہوں نے اس طرح کے اصول تراشے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ کیا وہ ان اصول سے واقف نہ تھے یا وہ جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ کرتے تھے اور مولوی منیر احمد ملتانی نے اپنی علمیت کا لوہا منوالیا کہ یہ اصول پہلی بار استعمال کیے اور ان کی روشنی میں بات چیت کی، گزشتہ لوگ جاہل تھے، بے اصولی تھے، بغیر اصول کے بات کرتے تھے اس لیے اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔

بات ایسی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ پرانے سارے ہتھیار آزمانے کے بعد بھی جب اہلحدیث مکتب فکر سے لوہا لینا مشکل ہو گیا اور پرانے مقلدوں کو اپنے دام میں پھانسنے رکھنا دشوار ہو گیا اور اس بات کا یقین ہو گیا کہ معروف طریقوں پر اہلحدیث کا مقابلہ دشوار ہے اور اس بڑھتی ہوئی اہلحدیث دعوت کو روکنا آسان نہیں تو مولوی منیر احمد ملتانی اور انہی جیسے چند دیگر مقلدوں نے دیوبندیت کو بچانے کے لیے نئے جال تیار کیے اور ان کو مارکیٹ میں اتار دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اسلام کا مقابلہ عیسائیوں اور یہودیوں سے جب نہ ہو سکا تو انہوں نے دجل و فریب، مکر و خداع کے ذریعہ قرآن

وسنت کو ہی مشکوک بنانے کا نیا نسخہ اپنایا اور استشر اق کے نام سے میدان میں آدھمکے اور اس کا خاطر خواہ نہیں تو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوا اور وہ اس طرح کہ منکرین حدیث کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا، اسی طرح جب دیوبندیوں کے پرانے ہتھیار کند ہو گئے تو دیوبندیت کی نیا پار لگانے والے ان نئے ملاحوں نے ان خود ساختہ اصولوں کا سہارا لینا شروع کیا۔ اس سے خاطر خواہ فائدہ تو نہ ہوا مگر اتنا ضرور ہوا کہ کچھ لوگوں کو کچھ دیر تک کتاب وسنت سے دور رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور اہلحدیث کے متعلق نئے شکوک و شبہات اور نئی جدلی تکنیک دے کر یہ سوچنے لگے کہ اب میدان ہمارے ہاتھ ہے۔ لیکن آنے والا وقت بتا دے گا کہ اب ساحروں کے پرانے اور نئے ہتھکنڈوں سے دنیا کے مسلمان بہکنے والے نہیں۔ ان کو اس بات کا شعور ہو گیا ہے کہ اب تک جو کچھ ہمارے ساتھ ہوتا رہا ہے وہ ایک بھی ایک مذاق تھا، اللہ رسول کا نام لے کر ہمیں ان سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن اب ہم زیادہ دن ان تقلیدی جکڑ بندیوں میں محبوس نہیں رہ سکتے اور کتاب وسنت کے چراغ ہدایت کو پھونکوں سے بجھانا ممکن نہیں۔ بقول کسے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
اب آئیے! ہم مولوی منیر احمد ملتانی کے ان خود ساختہ اصولوں کا جائزہ لیں۔
آپ لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین (اہلحدیث) کے نزدیک صرف دو دلیلیں ہیں:

(۱) قرآن (۲) حدیث۔ تیسری کوئی دلیل نہیں۔ ان کا دعویٰ اور نعرہ

ہے اہلحدیث کے دو اصول فرمان خدا اور فرمان رسول۔“

اس سے پہلے کہ ہم اس قول کی وضاحت کریں مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد صاحب مبین جو ناگزہی رحمہ اللہ کا پورا اقتباس نقل کر دیں:

”اللہ اللہ! آج مسلمانوں کو یہ سمجھانا پڑتا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو اور آپ کے سوا کسی اور کی تقلید کا پھندا اپنے گلے میں نہ ڈالو۔ حالانکہ مسلمانوں کا تو کلمہ ہی یہی تھا۔ وہاں تو سوائے خدائے تعالیٰ کی عبادت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے، نہ کسی تیسرے شخص کا نام ہے نہ کسی تیسری چیز کا۔ مسلمان تو پیدا ہوتے ہی دنیا کی پہلی منزل میں اسے سنتا ہے اس کے کان میں اذان اور تکبیر کی صدا ڈالی جاتی ہے، جس میں نہ کسی امام کا نام، نہ کسی امتی یا کسی اور نبی کا، پھر دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اس کلمہ کی تلقین کی جاتی ہے، آخرت کی پہلی منزل یعنی قبر میں بھی اس کا سوال ہوتا ہے ”من نیک“ تیرا نبی کون ہے؟ وہاں یہ نہیں پوچھا جاتا کہ تیرا امام کون ہے؟ کس کی تقلید کی تھی؟ پھر میدان محشر میں سب سے پہلے یہی سوال ہوگا۔ دریافت کیا جائے گا کہ ”مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ“ تم نے پیغمبر کو کیا جواب دیا؟ ان کی تابعداری کہاں تک کی؟

برادران! آپ کے دو ہاتھ ہیں اور ان دونوں میں دو چیزیں شریعت نے دے دی ہیں۔ ایک میں ہے کلام خدا، دوسرے میں کلام رسول اللہ ﷺ۔ ایک میں خدا کی عبادت، دوسرے میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت۔ اب نہ تیسرا ہاتھ ہے نہ تیسری چیز۔

نہاد الہدیت است اتباع سنن
صباے رائے نیا بد گزر دریں گلشن

(طریق محمدی، ص ۱۲، مطبوعہ انصار السنہ، میرٹھ)

برادران گرامی یہ ہے وہ اقتباس جہاں سے ملتانی صاحب نے وہ دو لائنیں اڑائیں اور دعویٰ کر دیا کہ الہدیت کے نزدیک اصول دو ہی ہیں۔ ان ملتانی صاحب اور ان کے حواریوں کی چالاکی یہ ہے کہ کسی جماعت یا مذہب کے اصول اس کی ان کتابوں

سے ثابت کرنے اور بتانے کے بجائے جو اصول میں لکھی گئی ہیں محض دعویٰ اور انشائی کتابوں سے اصول اخذ کرنا شروع کر دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد صاحب جو ناگزہی کی کتاب طریق محمدی سے ان ظالموں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اجماع اور قیاس کو اہلحدیث نہیں مانتے حالانکہ یہ محض جھوٹ اور فریب ہی ہے۔ آئیے ہم آپ کو حضرت مولانا محمد صاحب جو ناگزہی کی ایک دوسری کتاب جو اصول اہلحدیث پر ہے جماعت کے مسلک و مذہب اور عقیدہ کو بیان کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جماعت اہلحدیث اجماع و قیاس کو مانتی ہے۔ مگر بشروط معتبرہ عند الحمد شین۔ چنانچہ جو ناگزہی صاحب اپنی کتاب ”عقیدہ محمدی“ صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:

”کسی مسئلہ میں اگر قرآن و حدیث کسی کو معلوم نہ ہو اس وقت اسے اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنی چاہیے اگر اجماع صحابہ بھی نہ ملے تو اجتہاد مجتہد و محدث پر عمل کر لے۔“

اسی صفحہ میں چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

”قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے رائے قیاس پر عمل کرنا، یا مخالف قرآن و حدیث اقوال پر جم جانا منع بلکہ حرام ہے۔ ہماری اپنی رائے اور قیاس سے اتباع سلف مقدم ہے۔“

دیکھئے عقیدہ محمدی صفحہ ۱۱ مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی، بارہواں ایڈیشن، ناشر محمد احمد و اخوان، مالک کتب خانہ محمدیہ جی بی روڈ، دہلی۔

اگر اس طرح اصول کی کتابوں سے قطع نظر عام کتابوں سے اسی طرح اصول اخذ کیے جانے لگیں تو ہم دسیوں کتابوں سے جن پر حنفی علما کا دارومدار ہے عبارتیں پیش کر سکتے ہیں جس میں وہی بات ہوگی جو مولانا محمد صاحب مبین جو ناگزہی رحمہ اللہ کی کتاب میں ہے۔ لیکن ظاہر ہے یہ طریقہ نہ درست ہوگا اور نہ امانت علیہ کے مطابق بلکہ یہ کھلی

ہوئی دھوکہ دہی ہوگی۔

یہی حال طریقہ محمدیہ کی دوسری عبارت اور الظفر المبین کے حوالوں کا ہے کہ یہ کتابیں نہ اصول کی ہیں اور نہ صاحب کتاب نے یہاں اصول بیان کیا ہے۔ رہی بات سراج محمدی کی تو ملتانی صاحب نے شاید یہ سوچ کر کہ یہ کتاب کہاں ملے گی لہذا اس کی آدھی عبارت نقل کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جو سوال مولانا محمد صاحب جونا گڑھی سے پوچھا گیا تھا اس کا جواب انہوں نے اتنا ہی لکھا ہے جو سراسر دھوکہ دہی ہے۔ ہم نے جامعہ فیض عام مونا تھ بھنجن اور محمدیہ دار المطالعہ مالیکاؤں کی لائبریریوں سے رجوع کر کے اس کتاب کا فوٹو حاصل کیا جس سے ملتانی صاحب کی جعل سازی طشت از بام ہو گئی۔ ان شاء اللہ اس کو ہم آگے بیان کریں گے۔

اہلحدیث کے اصول

الحمد للہ اہلحدیث کے اصول وہی ہیں جو تمام سلف صالحین کے نزدیک معتبر اور مستند ہیں۔ جن میں کتاب و سنت یا قرآن و حدیث اصل ہیں اور باقی دونوں اصول ان ہی کے تابع ہیں چونکہ اجماع و قیاس دراصل خود کتاب و سنت کے محتاج ہیں اس لیے اکثر علما سلف خصوصاً اہلحدیث ان دونوں کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ یہ مستقل بالذات کسی حکم کو امر شرعی بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے برخلاف قرآن و حدیث مستقل بالذات امر شرعی ہیں۔ ان کے لیے کسی دوسرے امر کی حاجت نہیں ہوتی۔ برخلاف اجماع اور قیاس کے کہ یہ دونوں از خود کسی امر کو دینی یا شرعی نہیں بنا سکتے۔ اس کی تفصیل طویل ہے اور یہاں تطویل کی گنجائش نہیں۔ اس کے لیے علما اصول کی کتابیں مثلاً: مسلم الثبوت، ارشاد الفحول، حصول المامول، نور الانوار، التوضیح مع التلویح، الانصاف، عقد الجید، حجتہ اللہ البالغہ، مختصر الاصول لابن حاجب، جمع الجوامع لابن السبکی، شرح مسلم الثبوت، بحر العلوم،

مغتنم الاصول للقتل ہاری اور اصول الشاشی وغیرہ دیکھیں۔

اگرچہ یہ ایک بدیہی بات ہے مگر پھر بھی اگر کسی کو شک و شبہ ہو تو وہ ان آیات پر غور کرے:

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ
أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذِنَ بِهِ اللَّهُ.

(الشوری: ۲۱)

”اطاعت کرو جو نازل ہوا تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے، اور مت اتباع کرو اس کے علاوہ دوسروں کی۔ کیا یہ ان کے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین میں وہ چیزیں مشروع کر لیں ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔“

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ.

(النساء: ۶۵)

”پس اگر تم کسی چیز میں نزاع کا شکار ہو تو اس کو اللہ اور رسول کے پاس لے جاؤ۔“

إِنْ أَتَّبِعِ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ.

(الانعام: ۵۰)

”میں نہیں اتباع کرتا سوائے اس کے جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔“

اگر ایک قیاس کو ہم امر شرعی مان لیں تو اس کے خلاف دوسرے قیاس کو امر شرعی نہیں مان سکتے ورنہ امر واحد میں متعدد امر شرعی کا وجود ماننا لازم آئے گا اور مکلف پر لازم ہوگا کہ وہ امر شرعی پر عمل کرے اور ظاہر ہے بیک وقت ایک معاملہ میں متعدد امر شرعی پر عمل ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح اجماع کا معاملہ ہے اگر ایک زمانے کے تمام مجتہدین نے کسی بات پر اجماع کر لیا تو آئندہ آنے والے زمانوں میں موجود مجتہدین کو اس بات پر دلائل شرعیہ کی روشنی میں اجماع کرنے سے کون سی چیز مانع ہے؟ ظاہر ہے کوئی بھی دلیل ان مجتہدین کو نئے اجتہاد سے مانع نہیں ہے۔ اب اگر یہ بھی اجماع کرتے ہیں اور امر اول کے خلاف اجماع کرتے ہیں تو مکلف پر کس کا اجماع لازم شرعی ہوگا، اول کا یا ثانی کا؟ اور اس کی دلیل شرعی کیا ہے؟

یہ باتیں اگرچہ دقیق ہیں اور عام لوگوں کے مطلب کی نہیں مگر علما کو اس سے فائدہ ہو سکتا ہے اس لیے لکھ دی گئی ہیں۔ ممکن ہے ملتانى صاحب بھی اس پر کچھ غور کریں۔

اہلحدیث اولہ اربعہ کو مانتے ہیں

اہلحدیث قرآن و سنت، اجماع امت بشرط معتبرہ اور قیاس شرعی کو صحیح مانتے ہیں اور ان کو شرعی احکام کے بیان کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اکثر لوگ اہلحدیث کی اصطلاح نہ سمجھنے کے سبب فکری گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کرنے لگتے ہیں کہ اہلحدیث اجماع و قیاس کو نہیں مانتے یہ ان کی اپنی نادانی اور جہالت ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ مسئلہ طویل ہوتا جا رہا ہے اس لیے ’آدم برسر مطلب‘ کے مصداق چند عبارتیں اکابر علما اہلحدیث کی پیش کرتا ہوں۔

حضرت علامہ مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری تلمیذ رشید شیخ الكل في الكل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ”ابراء اہل الحدیث والقرآن الخ“ میں اصول اہلحدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”واضح رہے کہ ہمارے مذہب کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب و

سنت ہے اور ہر ایک مسئلے میں کتاب و سنت ہی ہمارے مذہب کی کسوٹی ہے۔ کتاب و سنت کے مخالف کسی کا قول و فعل ہو (پیر کا یا استاد کا، ماں باپ کا یا قوم و برادری کا یا کسی اور کا) ہمارا مذہب نہیں اور ہم اس سے بری ہیں اور بیزار ہیں۔ اس کی دلیل یہی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، جس کا ہم نے اپنے مہربان اللہ سے عہد کیا ہے اور اسی سے ملتی ہیں کہ ہم کو ہمیشہ اس عہد پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ کرے۔ آمین“

اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اجماع امت و قیاس شرعی سے انکار ہے۔ کیونکہ جب یہ دونوں کتاب و سنت سے ثابت ہیں تو کتاب و سنت کے ماننے میں ان کا ماننا آگیا۔ جس طرح استحسان و شرائع من قبلنا وغیرہ (دیکھو: نور الانوار، ص ۵، شرح مسلم الثبوت، ص ۳۰۹ وغیرہ) تو اب ان کے علاحدہ ذکر کرنے کی حاجت نہ رہی۔ اسی وجہ سے بہت اکابر و ائمہ دین کے کلام میں صرف کتاب و سنت کا ہی ذکر پایا جاتا ہے نہ اور کسی چیز کا۔ چنانچہ اقوال بزرگان دین منقولہ آئندہ سے یہ امر واضح ہے حالانکہ ان کو اجماع امت و قیاس شرعی سے انکار نہیں ہے اور جن اکابر کے کلام میں ان دونوں کا بھی ذکر آگیا ہے ان کا قول بھی بجا ہے۔

انہوں نے اپنی اصطلاح کے مطابق فرمایا ہے، الحاصل اصل امر میں کچھ نزاع نہیں ہے۔ رہا ذکر کرنا نہ کرنا یہ اپنی اصطلاح ہے اور

اصطلاح میں کسی کو مناقشہ نہیں ہے۔“ تفصیل کے لیے دیکھیں:

معاندین اہل بدعت کے الزامات کی حقیقت، ص ۷۰، مطبوعہ مرکز

الدینی، سید پور، بدایوں، یوپی

اس سے اگرچہ مطلب بالکل صاف اور واضح ہے اور ملتانی صاحب کی دھوکہ دہی بھی واضح ہے مگر ہم ایک عبارت اور پیش کرتے ہیں۔

جماعت الہادیث میں جس طرح حضرت مولانا عبداللہ صاحب محدث غازیپوری رحمہ اللہ کی شخصیت بڑی اہم ہے اسی طرح میاں صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد فاتح قادیان حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں۔ موصوف کی ایک نہایت قیمتی اور عظیم کتاب جس کا نام ہے: 'اجتہاد و تقلید' (مطبوعہ ۱۹۱۲ء) ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کتاب میں اولہ اربعہ، اصول خمسہ، نصاب اجتہاد، اجماع و قیاس وغیرہ پر نفیس بحث ہے۔

اس کتاب پر جماعت کے ستر (۷۰) سے زیادہ علما کرام نے تقریظیں لکھیں ہیں۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب محدث غازیپوری رحمہ اللہ اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک اس اجماع کے حجت شرعی ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے جو اجماع ایسے حکم پر ہوا ہو جس کی کوئی سند کتاب و سنت ثابتہ میں موجود ہو، خواہ وہ سنت ثابتہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری اور خواہ صریح ہو یا حکمی۔

لیکن جس حکم کی کوئی سند نہ کتاب سے ہو اور نہ سنت ثابتہ سے بلکہ اس کی بنا محض رواج عام پر ہو خواہ وہ رواج عام کسی زمانہ کا ہو، اس کا حجت شرعی ہونا مجھے کسی آیت یا صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتا.....“

حضرت مولانا غازی پوری رحمہ اللہ کی اس عبارت کو نقل کر کے مولانا امرتسری حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”میں بھی متفق ہوں“ (مصنف)

رسالہ اجتہاد و تقلید، ص ۴، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مطبوعہ امرتسر

ان دونوں علماء کے بیان سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ جماعت اہلحدیث کے نزدیک اجماع بشروط معتبرہ اور قیاس صحیح شرعی غیر معارض حجت شرعیہ ہے۔ لیکن وہ قیاس جو مقابل نص ہو وہ شرعی بنیادوں پر استوار نہ ہو، اور جس کا کوئی صحیح مقیس علیہ کتاب و سنت سے نہ ہو حجت نہیں۔ اسی طرح محض دعویٰ اجماع یا رواج عام کا نام نہ اجماع شرعی ہے اور نہ حجت شرعیہ ہے، اہلحدیث اسی کے منکر ہیں۔

ملتانى صاحب کا پروپیگنڈا جہالت یا شرارت پر مبنی ہے

یہاں تک کی بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ملتانی صاحب کا یہ کہنا کہ اہلحدیث کے نزدیک دو ہی اصل ہیں یعنی کتاب و سنت اور اس کا یہ معنی کرنا کہ وہ اجماع و قیاس کے منکر ہیں، سراسر نادانی اور جہالت پر مبنی ہے اور اگر جہالت پر مبنی نہیں تو یہ کھلی ہوئی شرارت اور دھوکہ دہی ہے۔ وہ عام لوگوں کو دھوکہ دے کر فتنہ انگیزی کر رہے ہیں اور جو لوگ ملتانی صاحب کی اس کتاب کو لے کر بغلیں بجا رہے ہیں وہ بھی اس جرم میں ملتانی صاحب کے نہ صرف برابر کے شریک ہیں بلکہ افترا پرداز ہیں۔

اب آئیے ملتانی صاحب کی پیش کردہ دیگر عبارتوں کا بھی جائزہ لیں۔ ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین کے نزدیک نبی ہو یا امتی کسی کی رائے و قیاس حجت و معتبر نہیں غیر مقلدین کے پیشوا جناب محمد جونا گڑھی لکھتے ہیں، سنئے

جناب!

بزرگوں کی مجتہدوں کی اور اماموں کی رائے، قیاس، اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر ﷺ بھی اپنی طرف سے بغیر وحی کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں۔“
(بارہ مسائل بیس لاکھ انعام ۵)

جواب: ملتانی صاحب نے حضرت مولانا محمد صاحب جو ناگڑھی رحمہ اللہ کی اس عبارت پر جو کچھ عمارت تعمیر کی ہے وہ محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اگر کچھ دم خم تھا تو چاہیے تھا کہ طریق محمدی کا یہ پورا پیرا گراف نقل کرتے اور اس میں حضرت مولانا محمد صاحب جو ناگڑھی رحمہ اللہ نے جو دلائل اپنی بات کو مدلل کرنے کے لیے دیئے ہیں ان کا کوئی معقول جواب دیتے، لیکن دیتے کہاں سے ان کا جواب نہ ان کے بس کی بات اور نا ان کے کسی دوسرے کے بس کی بات، اور جب جواب سے عاجز ہو گئے تو لگے فتنہ پروری کرنے اور اس سے ایک ایسی بات اخذ کرنے جو خود حضرت مولانا محمد صاحب جو ناگڑھی تو کیا آج تک کسی نے نہیں اخذ کی، آئیے پہلے طریق محمدی کا وہ پورا مضمون پڑھیں اور پھر دیکھیں اس میں کون سی بات غلط ہے اور جو بات دلیل کی بنیاد پر اس میں لکھی ہے اس کا کوئی جواب ملتانی اینڈ پارٹی کے پاس ہے یا نہیں؟

طریق محمدی کا متعلقہ پیرا گراف

”سنئے جناب! بزرگوں کی مجتہدوں اور اماموں کی رائے قیاس، اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں۔ بلکہ خداوند جل و علا فرماتا ہے:

”و لو تقول علينا بعض الاقاويل ☆ لاخذنا عنه باليمين ☆ ثم

لقطعنا عنه الوتين ☆ فما منكم من احد عنه حاجزين ☆

یعنی اگر ہمارے نبی بھی ہمارے اس دین میں وہ باتیں گھڑ کر کہہ دیں جو ہم نے نہیں کہیں تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگ جاں کاٹ دیں اور تم میں سے کوئی انہیں ہمارے اس عذاب سے نہ بچا سکے گا۔“

قرآن حکیم خود آپ کو حکم دیتا ہے کہ:

”و ان احکم بینہم بما انزل اللہ“ یعنی لوگوں میں خدا کی اتاری ہوئی وحی سے فیصلے کیا کرو۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوتی ہیں اور بحکم شرع وہ اپنا اگلا نکاح جو مغیث غلام سے تھا توڑ دیتی ہیں اور مغیث رضی اللہ عنہ کی قابل رحم حالت اور سچی محبت کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ رضی اللہ عنہا سے سفارش کرتے ہیں کہ تم اپنا اگلا نکاح باقی رکھو۔ تو وہ صاف جواب دیتی ہیں کہ اگر یہ شریعت کا حکم ہے تو مجھے منظور ہے اور اگر جناب اپنی طرف سے فرماتے ہیں تو میرے دل میں مغیث کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”نہیں یہ تو میری سفارش ہے۔ شرعاً تمہیں دونوں باتوں میں اختیار ہے۔ وہ فرماتی ہیں بس پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“

بلکہ صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من امر دینکم فخذو به و اذا امرتکم بشئ من رای فانما انا بشر“

یعنی میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں جب میں تمہارے دین کی بات بتلاؤں تو اسے تو لے لیا کرو اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔ یعنی نہ اس کا ماننا تم پر ضروری نہ اس کا ٹھیک اور درست ہونا ہی ضروری۔ تعجب ہے کہ جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو اس دین والے آج ایک امتی کی رائے کو دلیل و حجت سمجھنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثم يحدث قوم يقيسون الامور برائيتهم فيهدم الاسلام وينتلم
یعنی پھر ایسے لوگ ہوں گے جو دینی مسائل میں قیاس دوڑانے لگیں گے۔ ان کے ہاتھوں اسلام ٹوٹ جائے گا اور اس میں سوراخ ہو جائیں گے۔
کتاب مدخل بیہقی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
”لا تعملوا برائیکم“ یعنی رائے پر عمل ہرگز نہ کرنا۔
حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما حدثواك هولاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فخذ به و
ما قالوه برائيتهم فالقه في الحش (الانصاف)

یعنی یہ لوگ جو کچھ خدا کے پیغمبر کی حدیثیں پہنچائیں انہیں تو لے لیا کرو اور جو مسائل یہ لوگ اپنی رائے سے بتلائیں انہیں کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا کرو۔
اصول فقہ کی معتبر کتاب اصول الشاشی مطبوعہ احسن المطابع صفحہ ۱۹ سطر ۴ میں ہے:

”ان العمل بالرای انما یکون عند انعدام دلیل سواہ شرعا“

یعنی رائے قیاس صرف اسی وقت ہیں جب اور کوئی دلیل شرعی نہ ہو اور ص ۸۹

میں ہے: ”فانه لا سبيل الى العمل بالرای مع امکان العمل بالنص“

یعنی جب تک قرآن و حدیث پر عمل ممکن ہو رائے قیاس پر عمل حرام ہے۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار

مت دیکھ کسی کا قول و کردار

دیکھئے طریق محمدی صفحہ ۴۰، مطبوعہ انصار السنۃ، میرٹھ

ناظرین کرام انصاف سے کہیے حضرت مولانا محمد صاحب جو ناگزہی رحمہ اللہ نے اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی جو دو آیتیں نقل فرمائیں۔ ان کا کوئی جواب ملتانی نے دیا؟ نہیں۔ حضرت بریرہ کی حدیث جس کو امام بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے نقل فرمایا ہے جس میں انہوں نے یہ پوچھنے کے بعد کہ یہ آپ کا فرمان کیا شرعی ہے؟ آپ نے جب بتایا کہ نہیں یہ میری سفارش ہے۔ تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے قبول نہیں فرمایا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نہ عتاب فرمایا اور نہ ناراضگی کا اظہار کیا۔ گویا یہ بتایا کہ میرا کہنا اگر بطور حکم شرعی نہ ہو تو اس کا قبول کرنا ضروری نہیں ہوتا اور چھوڑ دینے پر کوئی وعید نہیں۔ لیکن اگر کوئی حکم آپ شرعی حیثیت سے دیں اور کوئی اس کو قبول نہ کرے تو ایمان ہی سے جاتا ہے۔

اس کا کوئی جواب ملتانی نے دیا؟ نہیں۔

مولانا محمد صاحب نے دوسری حدیث وہ بھی مسلم شریف و دیگر کتب حدیث کی ہے جس سے استدلال کیا تاہم نخل کا قصہ جس میں آپ نے خود فرمایا کہ جب میں کوئی دینی بات بتاؤں تو اس کا ماننا تم پر ضروری ہے اور اگر اپنی طرف سے کوئی دنیاوی مشورہ دوں تو میں ایک انسان ہی ہوں اس کی حیثیت وہ نہیں جو پہلے کی ہے۔ اس کا ماننا اچھا ہے ضروری نہیں۔ ظاہر ہے محض رائے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اس کا کوئی جواب ملتانی اینڈ پارٹی نے دیا یا ان کے پاس ہے؟ نہیں۔

مولانا نے شرعی دلیل کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کو ماننے سے منع کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا۔ کیا اس کا کوئی جواب ملتانی نے دیا؟ نہیں۔

مغل بیہتی کے حوالے سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رائے پر عمل کرنے سے منع کیا۔ اس کا کوئی جواب ملتانی کے پاس ہے؟ نہیں۔

شاہ ولی محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب الانصاف کے حوالہ سے مشہور تابعی حضرت امام شعبی کا فرمان نقل فرمایا کہ:

”رائے والے اقوال؟ کوڑے کرکٹ کے حوالے کرو۔“

اس کا کوئی جواب ملتانی نے دیا؟ نہیں

فقہ حنفی کی مشہور زمانہ اصول فقہ کی کتاب اصول الشاشی سے نقل فرمایا کہ:

”رائے سے صرف اس وقت کام لیا جائے گا جب کوئی دلیل شرعی نہ ہو اور اس کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا کہ جب تک قرآن و حدیث پر عمل ممکن ہو رائے قیاس پر عمل حرام ہے۔“

اس حنفی اصول کی خلاف ورزی کا کوئی جواز ہے ملتانی کے پاس اور اس کا کوئی جواب اس نے دیا؟ نہیں۔

دارمی کے حوالے سے مولانا محمد صاحب نے نقل کیا حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد نے فرمایا:

”قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی کی رائے و قیاس کا کوئی اعتبار نہیں۔“

آخری دلیل خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نقل فرمائی کہ آپ نے دین کے بارے میں رائے سے بچتے رہنے کی تلقین کی۔ اس کا کوئی جواب ہے ملتانی کے پاس؟ شرم کی بات ہے مولانا محمد صاحب جو ناگڑھی کی کتاب کا ابتدائی پیرا گراف دو لائن

کا تو نقل کر دیا اور انہوں نے اپنی بات کی جو دلیلیں دی تھیں وہ ہضم کر گئے۔ کیوں؟ کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس لیے کہ اولاً تو ان دلیلوں کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ دوسرے اس لیے کہ وہ جو مطلب مولانا کی عبارت سے اخذ کرنا چاہتے تھے وہ پوری عبارت کے نقل کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ملتانی تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہلحدیث کسی حدیث کی شرح و مطلب یا کسی کی رائے کو درست نہیں مانتے اور مولانا کی پوری عبارت سے یہ ثابت ہوتا، نہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے ہوتے کسی کی رائے قیاس کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ دین کے خلاف بات ہے کہ کسی بھی امتی کی رائے کو دین کا درجہ دے دیا جائے اور قرآن و حدیث سے منہ موڑ لیا جائے اور قرآن و حدیث کو رد کرنے اور اپنے امام کی رائے اور قیاس کو صحیح و درست ثابت کرنے کے لیے من گھڑت اصول تراش لیے جائیں جیسے کہ احناف نے تراش رکھے ہیں جن میں کچھ کا ذکر تو خود ملتانی نے کیا ہے اور کچھ ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

الظفر المبین کی عبارت اور ملتانی کی شرارت

۳۔ مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین کے نزدیک امتیوں کی تقلید شرک ہے غیر مقلدوں کے عظیم محقق مولانا محمد ابوالحسن لکھتے ہیں:

”اور اس بات میں کچھ بھی شک نہیں کہ تقلید خواہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی ہو خواہ ان کے سوا کسی اور کی شرک ہے۔“ (الظفر المبین، ص ۲۰)

جواب: ناظرین کرام! مولوی ملتانی نے اس ایک سطر کی عبارت کو حضرت مولانا ابوالحسن صاحب کی جس کتاب سے لیا ہے اس کتاب میں تقلید کی بحث کو ص ۲۴ سے صفحہ ۴۷ تک لکھا ہے اور مسئلہ کو خوب دلائل اور علما کرام خصوصاً علما احناف مفسرین و اصولیین سے اس بحث کو واضح کیا ہے اور یہ بات کہ کوئی تقلید شرک

ہے وضاحت سے لکھ دی ہے۔ مگر اس فسادى مولوى نے اس سارى بحث سے ایک لائن کی عبارت سیاق و سباق سے کاٹ کر الزام تراشى شروع کر دی۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج کل متعصب غیر مسلم حضرات قرآن کی پاکیزہ اور سراپا امن و شانتی کی تعلیمات کو فراموش کر کے جان بوجھ کر جگہ جگہ کی چند آیتیں وہ بھی آدمی ادھوری لے کر قرآن پاک پر اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن جھگڑے فساد کی تعلیم دیتا ہے۔ آئنگ واد اور دہشت گردی کو بڑھاوا دیتا ہے اور دلیل میں پیش کر دیتے ہیں کہ قرآن میں ہے:

”اقتلوا المشرکین حیث و جدتموهم“ یعنی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ ظاہر ہے جس طرح ان دشمنان اسلام کا یہ اعتراض شرارت اور عناد پر مبنی ہے اور بالکل غلط ہے، اسی طرح ملتانی کا یہ اعتراض کہ اہلحدیث تقلید کو شرک کہتے ہیں شرارت پر مبنی اور غلط ہے۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے عرض کریں گے کہ وہ کتاب الظفر المبین لے کر خود مطالعہ کریں۔ کتاب مارکیٹ میں موجود ہے اور پھر اس فسادى مولوى کی شرارت ملاحظہ کریں۔

جس بحث سے ملتانی صاحب نے یہ عبارت نقل کی ہے اس کو پورا نقل کرنا تو مشکل ہے اس میں جس تقلید کو شرک کہا گیا اس کا قدرے ذکر کرنا ضرورى ہے تاکہ عام لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں:

مولانا محمد ابوالحسن صاحب الظفر المبین میں لکھتے ہیں:

”جیسے بہ سبب کم علمى یا قصور فہم یا قلت تدبر کے قرآن اور حدیث سے کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے حکم فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ (اگر کوئی بات تمہیں معلوم نہ ہو

تو وہ اہل علم سے پوچھ لو) کے مطابق کسی محدث مجتہد فقیہ قاضی مفتی یا مولوی سے پوچھ کر عمل کرے ایسے مواقع پر مجبوراً کسی کی تقلید کرنا جائز ہے۔“ (الظفر المبین، ص ۲۴)

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔ یہ وہی کتاب ہے الظفر المبین اور وہی مصنف ہیں محمد ابوالحسن اور وہی بحث ہے تقلید کی، کتنا صاف صاف مسئلہ لکھا ہے کہ جو شخص از خود مسئلہ نہ جان سکے وہ کسی عالم سے پوچھ کر عمل کرے اور اس وقت کے لیے مجبوراً تقلید جائز ہے۔ آپ دیکھئے جس عالم کے سر یہ تھوپا جا رہا تھا کہ وہ تقلید کو شرک اور مقلد کو مشرک بتاتا ہے وہ تو تقلید کو جائز بتا رہا ہے۔ اب ان فسادی مولویوں کو ڈوب مرنے کا کوئی مقام ہے؟ اور کیا ان کو شرم آئے گی؟ کیا ان فسادی مولویوں کے اندھے مقلد کوئی عبرت حاصل کریں گے؟ دیدہ باید۔

اوپر کی بحث سے اتنی بات تو معلوم ہو گئی کہ الظفر المبین میں ناواقف کے لیے ضرورت کے وقت تقلید کو جائز لکھا ہے۔ اسی الظفر المبین میں تقلید کو شرک بھی تو لکھا ہے ایسا کیوں تو آؤ ہم بتاتے ہیں۔

تقلید کی چار قسمیں ہیں

بوقت لاعلمی تقلید کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:- واجب: تقلید مطلق غیر معین۔ لاعلمی کے وقت آدمی اہل سنت کے کسی عالم یا مجتہد کی ضرورت کے وقت اس شرط کے ساتھ تقلید کرے کہ اس وقت تک اس کی یہ بات مانتا رہوں گا جب تک اس کا قرآن و سنت سے مخالف ہونا ظاہر نہ ہوگا۔ جس وقت قرآن و سنت سے اس کا مخالف ہونا ظاہر ہوگا اس کو چھوڑ دوں گا۔ یہ تقلید باتفاق امت ناواقف کے لیے صحیح و درست ہے۔

دوسری قسم:- مباح: تقلید کی دوسری قسم مباح ہے اور یہ تقلید مذہب معین کی ہے، لیکن اس تعیین کو، نا تو امر شرعی جانتا ہے اور نا اس کے لیے تعصب رکھتا ہے۔ اس تقلید کی علامت یہ ہے کہ مقلد دوسرے مذہب کے کسی مسئلہ پر عمل کرنے سے عار محسوس نہیں کرتا اور نا دوسرے کو برا سمجھتا ہے۔ اور نا اس کو طعن و تشنیع کرتا ہے اور نا ظاہر نصوص کا انکار کرتا ہے۔

تیسری قسم: حرام و بدعت ہے:- یہ وہ تقلید ہے کہ مقلد امت کے کسی شخص کو تمام مسائل کے لیے معین کر لیتا ہے اور اس تعیین کو وجوب شرعی جانتا ہے یعنی وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ و رسول نے مجھے فلاں امام کی تقلید کرنا لازم بتایا ہے اور اس کی ہر ایک بات ماننا میرے لیے ضروری ہے، قرآن و حدیث سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں۔ اس قسم کی تقلید حرام و بدعت ہے۔

چوتھی قسم: شرک ہے:- ایسی تقلید ہے کہ مقلد امت کے کسی فرد کی تقلید اپنے اوپر لازم کر لے اور اس میں اس قدر غلو کرے کہ اپنے امام کے مسئلہ کے خلاف قرآن کی آیت یا حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض پاتا ہے تو کسی صورت میں امام کی بات نہیں چھوڑتا بلکہ ہر صورت میں قرآن و حدیث کی تاویل و تحریف کر کے اپنے امام کی بات کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے امام کے قول کو قرآن و حدیث کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ جس کو امام نے حلال کہا حلال مان لیا، جس کو حرام بتایا حرام مان لیا۔ اب اس کے سامنے قرآن و حدیث پیش کیا جاتا ہے تو نہیں مانتا۔ قرآن و حدیث کے مقابلے میں امام کی بات کو نہیں چھوڑتا۔ ایسی تقلید شرک ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے عقد الجید للشاہ ولی اللہ، معیار الحق للسید نذیر حسین محدث دہلوی، تقلید شخصی لابی الوفا ثناء اللہ الامرتسری وغیرہا من الکلتب المشہورہ فی الباب۔

اب جب آپ تقلید کی چاروں قسموں کو جان گئے ہیں اور ان کا حکم بھی آپ کو معلوم

ہو گیا تو اب یہ بھی جان لیجئے کہ الظفر المبین میں جس تقلید کو شرک لکھا ہے وہ وہی چوتھی قسم ہے، قسم اول کا جواز ہم الظفر المبین کی بحث کے شروع ہی میں نقل کر آئے ہیں۔ اب آپ چوتھی قسم جو اس وقت موضوع بحث ہے اس بارے میں الظفر المبین کی عبارت سنئے:

مولانا محمد ابوالحسن لکھتے ہیں:

”جب قرآن و حدیث سے اس تقلیدی مسئلہ کا خلاف ثابت ہو جائے تو اس کو اسی وقت ترک کر دے اور قرآن و حدیث کے مطابق عمل کرنے لگ جائے۔ اس کے بعد تقلید کرنا حرام بلکہ شرک ہوگا۔“

(الظفر المبین، ص ۲۴، مطبوعہ دعوت الاسلام، ممبئی)

یعنی جب تقلیدی مسئلہ کا خلاف قرآن و حدیث ہونا ثابت ہو جائے پھر بھی اسی پر جمے رہنا اور تقلید نہ چھوڑنا بلکہ قرآن و حدیث کو چھوڑ دینا ایسی تقلید کرنا حرام بلکہ شرک ہوگا۔ اسی طرح ایک لمبی عبارت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

”جس طرح خدا تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے اسی طرح کسی عالم اور درویش مجتہد یا امام کی اطاعت کرنا شرک ہے۔“ (الظفر المبین، ص ۲۵)

الظفر المبین میں یہ بحث بڑی تفصیل سے لکھی ہے اور جن علما کے اقوال مصنف نے نقل فرمائے ہیں کہ وہ اس قسم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں چند ایک کے نام یہ ہیں: صاحب تفسیر نیشاپوری، امام فخر الدین رازی، قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ اسماعیل شہید دہلوی، علامہ ہارون مرعانی حنفی وغیرہ۔

ان تمام حضرات نے نیز دیگر مفسرین نے ”اتخذوا احبارہم و رہبانہم“ کی تفسیر میں ایسی تقلید کو شرک اور حرام لکھا ہے۔ حضرت عدی بن حاتم کی حدیث جس کو ترمذی و احمد وغیرہ نے نقل کیا ہے اس سے یہ بات بالکل صاف ہے۔

حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی کی ایک دوسری عبارت اور ملتانی صاحب کی خیانت

ملتانی صاحب نے اپنا مدعا حاصل کرنے کے لیے چوتھی عبارت ”سراج محمدی“ کی نقل کی ہے لیکن حسب عادت عبارت ناقص نقل کی ہے کیونکہ پوری عبارت سے ان کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اس لیے وہ خیانت سے باز نہیں آئے۔ آئیے ہم آپ کو ان کی اس خیانت کی سیر کرائیں۔ لکھتے ہیں:

غیر مقلدین کے پیشوا مولانا محمد صاحب جونا گڑھی سوال و جواب کے عنوان سے ایک مسئلہ لکھتے ہیں ملاحظہ کیجئے:

سوال (۴۰) کیا یہ صحیح ہے کہ جس وہابی (غیر مقلد) کا باپ خفی ہو کر

مرا، وہ یہ دعا نہ پڑھے ”رب اغفر لی ولوالدی“

جواب: مشرکین کے لیے دعاء مغفرت ناجائز ہے۔

(سراج محمدی، ص ۴۷، طبع لاہور) (بارہ مسائل بیس لاکھ انعام، ص ۶)

مولوی ملتانی کی شرارت

ناظرین کرام! ”سراج محمدی“ حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی رحمہ اللہ کا ایک صغیر الحجم کثیر النفع رسالہ ہے، جو کل (۵۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ درحقیقت یہ رسالہ جواب ہے ان ۵۳ سوالات کا جو حنفیوں کے مشہور اخبار ”الفتیہ“ کے ایڈیٹر نے کیے تھے۔ الحمد للہ حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی رحمہ اللہ نے ان اعتراضات کے مدلل و مفصل جوابات دیئے اور ان کو ”سراج محمدی“ کے نام سے چھاپا۔ رسالہ بہت مفید ہے۔ ضرورت ہے کہ دوبارہ اس کو چھاپا جائے تاکہ کوئی دوسرا ملتانی نایاب سمجھ کر اس کی ناقص عبارت نقل کر کے لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکے۔

مولوی ملتانی نے جو سوال جواب نقل کیا ہے اس سے تو یہ لگتا ہے کہ

مولانا محمد صاحب نے حنفی مولوی کے سوال کا اتنا ہی جواب دیا تھا لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے، مولانا ملتانی نے پورا جواب اس لیے نقل نہیں کیا کیونکہ پول کھل جاتی اور جوابات وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ہرگز نہ ہوتی۔

تو لیجئے پہلے سوال مذکور بالا کا پورا جواب ملاحظہ فرمائیے اور مکاروں کے مکر کی داد دیجئے۔

سراج محمدی کی پوری عبارت

جواب (۴۰) مشرکین کے لیے دعاء مغفرت ناجائز ہے۔ قرآن فرماتا

ہے: ”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ
وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قَرَبَىٰ“ (توبہ: ۱۰۳)

یعنی نبی کو اور مومنین کو اپنے مشرک قراہتداروں کے لیے بھی دعا مغفرت نہ مانگنی چاہیے۔ ہاں اگر قرابت دار مشرک نہ تھے خواہ کیسے ہی گناہگار ہوں ان کے لیے ضرور دعا مانگنی چاہیے۔

(سراج محمدی، ص ۲۹، مطبوعہ دفتر اخبار محمدی، دہلی)

ناظرین کرام! ذرا انصاف کریں آخر مولوی ملتانی نے پورا جواب کیوں نقل نہیں کیا؟ ایسا بھی نہیں کہ جواب کئی صفحہ کا تھا۔ صرف ڈھائی سطروں کی بات تھی، جو شخص بے بنیاد باتوں پر صفحے کے صفحے سیاہ کر رہا ہے اس کے لیے ڈھائی سطریں مشکل اور مصیبت ہو گئیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ ڈھائی سطریں اس کا بنا بنایا کھیل بگاڑے دے رہی تھیں اور وہ جو لوگوں کو باور کرانا چاہتا تھا وہ ان سطروں کے ہوتے ممکن نہ تھا۔ کیونکہ مولانا کا جواب بڑا چٹا تھا۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر کوئی مشرک ہو کر مرا تو دعا استغفار بحکم قرآن منع ہے اور صرف گناہگار تھا چاہے جیسا گناہگار ہو، اس کے لیے دعا کرنا چاہیے۔

ظاہر ہے اس میں مولوی ملتانی کے لیے کوئی مفید مطلب بات نہ تھی بلکہ اس سے جو تاثر وہ دینا چاہتے تھے ختم ہو جاتا ہے اس لیے یہ ڈھائی سطریں ہضم کر گئے۔

مولوی ملتانی صاحب کا ایک اور جھوٹ

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”اور اسی سراج محمد کے صفحہ ۱۲ پر نمایاں سرخی قائم کی ہے: تقلید شرک ہے۔“

جواب: اگر آدمی کو اللہ کا ڈر نہ رہے اور تعصب نے اس کو اندھا کر دیا ہو تو پھر اس سے کوئی چیز بھی بعید نہیں وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ مولوی ملتانی نے اوپر جو کچھ لکھا ہے سراسر کذب اور سفید جھوٹ ہے۔

سراج محمدی میں سوال نمبر ۱۹ یہ ہے: دلیل سے ثابت کرو کہ حنفی شرک فی الرسائل کے مرتکب ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے:

جواب نمبر ۱۹: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ“ (نساء: ۶۴)

یعنی جتنے بھی رسول بھیجے جاتے ہیں صرف وہی اس منصب پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کی اطاعت کا حکم جاری ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ منصب نبوت یہی ہے کہ ایک شخص کو مطاع برحق سمجھنا، جو وہ کہے اسے بجالانا اور اس کے فرمان کی بجا آوری کو اپنے ذمہ واجب سمجھنا، حنفی امام ابو حنیفہ کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی ہر بات ماننا ہمارے ذمہ ضروری ہے، جیسے تعریف تقلید سے ظاہر ہے۔ ملاحظہ ہو جواب چوتھا اور چھٹا اور آپ کے مذہب کی معتبر کتاب در مختار مصری جلد اول ص ۴۷ میں تحریر ہے:

فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفة

یعنی ابو حنیفہ کا قول رد کرنے والے پر ریت کے ذروں کی کنتی کے برابر لعنتیں برتی ہیں۔ پس اس طرح کا کسی شخص کو ماننا منصب نبوت غیر نبی کو دینا اور کرسی نبوت پر غیر نبی کو بٹھانا ہے۔ اہلحدیث بموجب فرمان خدا ایسی ذات صرف پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی مانتے ہیں۔

شع روشن ہے ہماری آہ سے ☆ لولگائے بیٹھے ہیں اللہ سے
(سراج محمدی، ص ۱۱، مطبوعہ اخبار محمدی، دہلی)

اب آپ اندازہ لگائیے اس مولوی کا جھوٹ، شرک فی الرسالت کو مطلق شرک بتا رہا ہے، خود سوال میں شرک فی الرسالت کے الفاظ ہیں، جواب میں بھی اس چیز کو اپنایا گیا ہے اور اسی کی دلیل بھی دی گئی ہے مگر یہ جھوٹے مولوی عوام کو دھوکہ دے کے مگن ہیں، سوچتے ہیں کون تحقیق کرے گا اور کہاں سراج محمدی ملے گی۔ لیکن نہیں جانتے کہ توحید و سنت والے فریب کاری کو چلنے نہیں دیتے۔

سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

غیر مقلد عالم محمد ابو الحسن صاحب لکھتے ہیں: قیاس نہ کیا کرو کیونکہ

سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا ہے۔ (الظفر المبین، ص ۱۴)

دیکھئے بارہ مسائل، ص ۵

جواب: مولوی ملتانی نے یہاں الظفر المبین کا حوالہ استعمال کر کے شیطان کو پہلا قیاس کرنے والا بتا کر شاید یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ اہلحدیث قیاس کرنے والوں کو شیطان بتاتے ہیں۔

ہم اس سے پہلے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ قیاس صحیح کے اہلحدیث مخالف نہیں

ہیں، قیاس مقابل نص کے مخالف ہیں اور شیطان نے جو قیاس کیا تھا وہ مقابل نص ہی تھا۔ اس کی بحث دیکھنا ہو تو اعلام الموقعین لابن القیم دیکھو۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ مولانا ابوالحسن صاحب نے تو یہ بات لکھی نہیں کہ مقابل نص قیاس کرنا منع ہے اور یہی ناجائز ہے اور قیاس صحیح وقت ضرورت ضروری ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ مولوی ملتانی نے الظفر المبین کی ساری بحث ضرور پڑھی ہوگی مگر جان بوجھ کر آدھی ادھوری عبارت لکھ کر مولانا پر اتہام لگایا اور اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا۔ جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مولانا ابوالحسن صاحب نے الظفر المبین میں خود اس بات کی صراحت کی ہے کہ جو قیاس ممنوع اور ناجائز ہے وہ وہی ہے جو مقابل نص ہے یعنی اللہ و رسول کے فرمان کے مقابل میں اپنی رائے اور قیاس لڑانا غلط اور شیطان کا کام ہے۔

چنانچہ الظفر المبین، ص ۲۳، مطبوعہ ممبئی میں مدارک کے حوالہ سے یہ لکھا ہے:

”اور نسفی نے مدارک میں کہا ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے امر دین

میں قیاس کرنا مردود ہے۔“

اسی طرح دراسات الملیب کے حوالہ سے لکھا:

”رائے کی بنا پر نص کو ترک کرنا بالاجماع حرام ہے۔“

اب اس کو کیا کہا جائے کہ اتنی صاف اور واضح بات ہوتے ہوئے مولوی ملتانی افترا پردازی سے باز نہیں آتے اور وہ بات کہتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا ابوالحسن نے اپنی اس کتاب میں بہت سے مسائل میں قیاس استعمال کیا ہے، ظاہر ہے جو شخص خود قیاس کو استعمال کرتا ہو اس پر یہ الزام لگانا کہ وہ قیاس کرنے کو شیطانی کام بتاتا ہے سراسر دھاندلی اور منہ زوری ہے۔

اب رہی بات اس کی کہ مولانا ابوالحسن صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ قیاس مت کیا کرو کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس شیطان تھا۔ تو اس کی کیا حقیقت ہے، ایسا انہوں نے کیوں کہا؟

قیاس اور شیطان

تو برادران اسلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا ابوالحسن صاحب نے نا تو کوئی نئی بات کہی ہے اور نا ہی اپنی طرف سے کہی ہے بلکہ یہ بات ان علما و فقہا اور امامان دین سے مروی ہے جن کی عزت تمام مسلمان بلا اختلاف مذہب و مسلک کرتے ہیں اور جن کے احترام میں اپنی گردنیں جھکا دیا کرتے ہیں۔ اگرچہ الظفر المبین میں یہ باتیں بڑی تفصیل سے لکھی ہیں لیکن اندھی تقلید افترا پر دازی، شرارت اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے مولوی ملتانی نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیں۔

اب آئیے! ہم آپ کو حافظ الحدیث شیخ الاسلام امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی (۱۸۱-۲۵۵ھ) کی مشہور کتاب سنن الدارمی شریف سے یہی باتیں دکھاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور امام و فقیہ علامہ ابن سیرین، امام شعبی اور امام حسن بصری رحمہم اللہ قیاس کے بارے میں فرماتے ہیں:

عن ابن سیرین قال: اول من قاس ابليس و ما عبدت

الشمس و القمر الا بالمقائيس

یعنی امام ابن سیرین نے فرمایا: سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ اور لوگوں نے چاند و سورج کی پوجا اور پرستش اسی قیاس کی بدولت کی۔

عن الحسن انه تلا هذه الآية خلقتني من نار و خلقتني من

طين قال: قاس ابليس قال: و هو اول من قاس

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”ابلیس بولا مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس آدم کو مٹی سے“ الخ

اور فرمایا: یہ بات ابلیس نے ازروئے قیاس کہی، وہ سب سے پہلا قیاس کرنے

والا ہے۔

مشہور محدث حضرت امام شعبی فرماتے ہیں:

والله لئن اخذتم بالمقائیس لتحرمن الحلال و لتحلن الحرام
اللہ کی قسم اگر تم قیاس پر چل پڑے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لو گے۔

سنن الدارمی، جلد ۱، ص ۵۸، مطبوعہ حدیث اکاڈمی، پاکستان

ان تینوں جلیل القدر ائمہ حدیث نے وہی بات کہی ہے جو بات مولانا ابوالحسن صاحب نے کہی بلکہ مولانا ابوالحسن صاحب نے یہ بات انہی سے نقل کی ہے۔ اب ان حضرات علما کرام اور حفاظ حدیث کو چھوڑ کر سارا نزلہ مولانا ابوالحسن صاحب بلکہ جماعت اہلحدیث پر گرانا کہاں کی انصاف پسندی ہے۔

مندرجہ بالا نصوص سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوگئی کہ الظفر المبین میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ یہ بات وہ ہے جس کو ہمیشہ سے اہل علم محدثین اور فقہا کہتے رہے ہیں اور مولانا ابوالحسن نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ اب اس کی بنیاد پر جو عمارت مولوی ملتانی نے تیار کرنا چاہی ہے بلاشبہ غلط اور بے بنیاد ہے اور جب بنیاد ہی غلط ہے تو اس پر تیار کی گئی مکر و فریب کی عمارت مکڑی کے جالے یا یوں کہو بیت عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

ہو سکتا ہے کوئی یہ کہے کہ احناف جو قیاس کرتے ہیں وہ خلاف نصوص نہیں ہوتا بلکہ وہ عین قرآن و حدیث کے مطابق ہوتا ہے بلکہ بقول بعض قرآن و حدیث کا نچوڑ ہوتا ہے، تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہ محض سنی سنائی اور بے تحقیق بات ہے احناف میں قیاس کی جس قدر پذیرائی ہے وہ شاید دیگر ائمہ کے یہاں نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ

اصحاب الرائے کہلائے، جب کہ دوسرے لوگوں کا شمار اصحاب الحدیث میں ہے۔ متقدمین کے یہاں قیاس اگرچہ متاخرین کے مقابلے میں کم ہے مگر پھر بھی قرآن و سنت کے واضح نصوص آیتوں اور حدیثوں کے مقابلے میں عقلی گھوڑے دوڑانا اور حدیث و قرآن کو عقل و قیاس کے زور پر رد کر دینا ان کا حکم نامانا ان حضرات کی عام روش ہے۔ ہم یہاں صرف ایک مسئلہ دکھاتے ہیں۔ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب جامع الترمذی میں باب ماجاء فی اشعار الہدی کے تحت حضرت ابن عباس کی حدیث نقل فرماتے ہیں، الفاظ یہ ہیں:

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلّد نعلین و اشعر الہدی

فی الشق الایمن بذی الحلیفة و اماط عنه الدم“

یعنی نبی اکرم ﷺ نے حج کے سفر میں ذی الحلیفہ پہنچ کر قربانی کے

جانور کے گلے میں نعلین ڈالیں اور اس کے کوہان کے دائیں طرف

ہلکا چیرا لگا کر نکلنے والے خون کو پونچھا۔

اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

حدیث ابن عباس حدیث حسن صحیح و ابو حسان

الاعرج اسمہ مسلم والعمل علی هذا عند اهل العلم من

اصحاب النبی و غیر ہم و یرون الاشعار و هو قول

الثوری و الشافعی و احمد و اسحق قال سمعت یوسف بن

عیسی یقول سمعت وکیعا یقول حین روی هذا الحدیث

فقال: لا تنظروا الی قول اهل الراى فی هذا فان الاشعار

سنة و قولهم بدعة. قال: وسمعت ابا السائب یقول

کناعند وکیع فقال لرجل ممن ینظر فی الراى اشعر

رسول الله و یقول ابو حنیفة هو مثلة. قال الرجل: فانه

قد روی عن ابراهیم النخعی انه قال الاشعار مثلة قال

فرأيت وكيعا غضب غضبا شديدا و قال :اقول لك قال
رسول الله و تقول قال ابراهيم؟ ما احقك بان تحبس ثم
لا تخرج حتى تنزع عن قولك هذا

(جامع الترمذی مع تحفة الاحوذی (۳/۵۵۲-۵۵۷)
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)

ترجمہ: مذکورہ حدیث ابن عباس کی حسن و صحیح ہے اور اس کی سند میں
مذکور راوی ابو حسان اعرج کا نام مسلم ہے۔ قربانی کے جانور کو اشعار
کرنا اور اس کی گردن میں قلاوہ ڈالنا رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام
و دیگر اہل علم کے نزدیک سنت ہے۔

امام ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحق بن راہویہ سب اس کے
قائل ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: میں نے یوسف بن عیسیٰ سے سنا وہ کہتے ہیں: میں نے
امام وکیع سے سنا انہوں نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا: اس بارے میں اہل
الرأے کی بات کی طرف ہرگز نہ دیکھو کیونکہ اشعار سنت رسول ہے اور اہل الرأے کا قول
بدعت ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: میں نے ابوالسائب سے سنا وہ کہتے ہیں: ہم امام وکیع
کے پاس تھے، انہوں نے ایک شخص سے جو اہل الرأے میں سے تھا کہا اللہ کے رسول نے
اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں وہ مثلاً ہے، وہ شخص جھٹ بولا: ابراہیم نخعی سے مروی
ہے کہ انہوں نے اشعار کو مثلاً فرمایا۔ ابوالسائب کہتے ہیں: میں نے امام وکیع کو دیکھا یہ
سن کر غضبناک ہوئے اور کہنے لگے: میں کہتا ہوں اللہ کے رسول نے کہا اور تو کہتا ہے
ابراہیم نخعی نے کہا۔ تیری سزا یہ ہونی چاہیے کہ تجھے اس وقت تک قید میں ڈالے رکھا

جائے جب تک کہ تو اپنے اس قول سے باز نہ آجائے۔

ناظرین کرام! علماء کرام، محدثین عظام اس طرح کے قیاس کو باطل قرار دیتے رہے ہیں، اللہ کے رسول نے اشعار کیا صحابہ کرام نے کیا اور امام ابوحنیفہ محض قیاس کی بنیاد پر اس کو مثلاً قرار دے رہے ہیں جو کہ حرام ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس کی تردید کر رہے ہیں۔ اس کو قیاس کی بنیاد پر مثلاً قرار دے رہے ہیں جو کہ شریعت میں حرام ہے۔ ایسا قیاس جو اللہ یا اس کے رسول کے فرمان کے مخالف ہو یا ان کے مقابلہ میں ہوشیطانی قیاس ہے باطل اور مردود ہے۔

مزید تفصیل کے لیے الظفر المبین کا مطالعہ ضرور کریں۔

یہاں تک کی بحث سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ مولانا ابو الحسن صاحب کی بات صد فی صد درست اور صحیح ہے اور مولوی ملتانی کا ان کی کتاب سے آدھی عبارت نقل کر کے الزام تراشی کرنا شرارت اور فریب دہی پر مبنی ہے۔

فائدہ یا فساد قلب و نظر

مولوی ملتانی نے اوپر کی باتیں لکھنے کے بعد یہ بات لکھی ہے کہ:

تین باتیں یا تین اصول ہم نے غیر مقلدین کی کتابوں کے معتبر حوالے سے درج کر دیئے ہیں۔ (ملخص بارہ مسائل، ص ۶)

جواب: مولوی ملتانی صاحب! سوال اس بات کا نہیں کہ یہ کتابیں معتبر ہیں یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ جس طرح آدھی ادھوری عبارتیں لکھ کر آپ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ معتبر ہے یا نہیں؟ ناظرین نے ہماری وضاحت کے بعد آپ کی اور آپ کے حوالوں کی حقیقت یقیناً جان لی ہوگی۔ اصولی مسائل کو بیان کرنے کے لیے اصولی کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کو آپ نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ دعویٰ اور عام مناظراتی کتابوں کی

نامکمل عبارتیں نقل کر کے خود ساختہ نتیجہ اخذ کر لیے۔ جن کو بار بار غیر مقلد کہتے ہو ان کو ان کے علما کی کتابوں کا مقلد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہو۔
شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

فسادِ مزید

ناظرین کرام! مولوی ملتانی اپنی کتاب 'بارہ مسائل' کے صفحہ ۷ پر ایک مزید فائدہ لکھتے ہیں جو حقیقت میں فسادِ قلب و نظر ہے اور بناء فاسد علی الفاسد ہے اور اب تک کی ساری تگ و دو، کوشش و محنت، بہتان بازی و افتر پردازی ساری کی ساری اسی لیے تھی کہ اپنے من مانے اصول اہلحدیث پر تھوپ دیں اور ان کی زبان بند کر دیں تاکہ مناظرہ کے وقت وہ جب بھی کوئی بات سمجھنا چاہیں تو مقلدین شور مچا دیں کہ یہ تقلید ہے یہ شیطانی کام ہے تم کو اس کی اجازت نہیں اور اس شور شرابہ سے عوام متاثر ہوں اور اہلحدیث کو اپنی بات کی وضاحت کرنے کا موقع نہ ملے اور اپنے متقدمین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے 'والغوا فیہ لعلکم تغلبون' کا نسخہ آج کے مقلدوں کو نئے طریقہ پر سمجھا رہے ہیں لیکن اس عقل کے دشمن کو اتنا پتا نہیں کہ یہ مریدوں اور اندھے مقلدوں کی محفل نہیں ہے جس میں آپ کی بات پر نعرہ تکبیر، سبحان اللہ اور زندہ باد کے نعرے لگنے لگیں۔ یہ تو معرکہ بحث و نظر ہے یہاں فیصلے جذبات سے نہیں علم و تحقیق سے ہوتے ہیں شاید انہوں نے شاعر کی اس نصیحت پر دھیان نہیں دیا۔

سنبھل کر میکدے میں پاؤں رکھنا مولوی صاحب

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

اب آئیے ہم اس ساری کارستانی کا جائزہ لیں۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک امتی کی تقلید شرک ہے اور قیاس کرنا

شیطان کا کام ہے، لہذا غیر مقلدین حضرات اپنے ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے راویوں کی بحث میں حدیث کے ضعف و صحت میں حدیث کی وضاحت و تشریح میں کسی امتی کا قول اور اس کی رائے پیش نہ کر سکیں گے۔“

ہمارا جواب: مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس عبارت میں ان سے بہت ساری بے ضابطگیاں، غلط فہمیاں اور ناروا خوش فہمیاں صادر ہوئی ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے۔

ملتانی صاحب کی بے ضابطگیاں
پہلی بے ضابطگی

جب آپ ہم کو غیر مقلد کہتے ہیں تو پھر ہم کو کسی کی کتاب سے الزام کیوں دیتے ہیں۔ جب ہم بڑے بڑے اماموں کی تقلید سے منع کرتے ہیں تو یہ کیوں سمجھ لیا کہ ہم اپنے مولویوں کی تقلید کریں گے چونکہ آپ مقلد ہیں اس لیے ہم کو بھی مقلد سمجھ بیٹھے۔ آپ بھی مجبور ہیں کیا کریں بغیر اس دھوکہ دہی اور مغالطہ کے کسی اہلحدیث سے بات کرنے کے لائق نہیں۔ اس لیے من مانے طریقے سے یہ غلط بات مان بیٹھے اور ساری دنیا کو مقلد سمجھنے لگے۔ اس غلط فہمی سے باز آئیں، اہلحدیث کسی بھی شخص کی تقلید نہیں کرتے، معصوم کے ہوتے غیر معصوم کا دامن نہیں تھامتے۔

دوسری بے ضابطگی

پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ناہر تقلید شرک ہے اور ناہر قیاس شیطانی کام۔ اس لیے راویوں کی بحث میں یا حدیث کی وضاحت میں اس کو پیش کرنا نہ غلط ہے اور نہ شرک،

بلکہ ضروری ہے۔ آپ نے علماء اہلحدیث کی کتابوں کے غلط معانی نکال کر آدھے ادھورے الفاظ پیش کر کے جو کچھ کہا ہے اس کی حقیقت اس سے پہلے کھول دی گئی ہے۔ لہذا.....

پلٹ کے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

تیسری بے ضابطگی

آپ نے یہ کیا لکھا کہ اہلحدیث کو اجازت نہیں کہ حدیث کے صحت و ضعف میں کسی کا قول پیش کریں کیونکہ یہ ان کے اصول کے خلاف ہے۔ تعجب ہے نہ آپ اصول اہلحدیث جانتے ہیں اور نہ آپ تقلید کو ہی سمجھتے ہیں قرآن و حدیث سے تو واسطہ ہی کیا ہوگا۔ سنئے:

حدیث کے صحت و ضعف میں محدثین کرام کے اقوال کو تقلید سمجھنا آپ جیسے ناقص مقلدوں کا فور عقل ہے۔ ورنہ آج تک کسی صاحب علم نے اس کو تقلید نہیں کہا اور نہ اس پر تقلید کی تعریف ہی صادق آتی ہے۔ اگر اس کو تقلید کہو گے تو تم خود خفی مقلد کیسے رہ جاؤ گے؟ کیونکہ محدثین کرام کی اکثریت تو غیر مقلد اور مجتہد ہے، یا آپ کے بقول شافعی ہے، تو آپ ایک ساتھ کتنے لوگوں کے مقلد ٹھہرو گے۔ ظاہر ہے آج تک کسی نے اس کو ناقولید کہا اور نا ہی ان کی بات ماننے والوں کو ان کا مقلد قرار دیا۔ دوسری بات یہ بھی جان لو کہ محدثین کرام کسی حدیث کو صرف ضعیف یا صحیح یا حسن نہیں کہہ دیتے ہیں بلکہ اس کی وجہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف کیوں ہے اور جب وہ اپنی بات دلیل سے کہتے ہیں تو ان کی بات ماننا تقلید کیسے کہلائے گا؟ کیونکہ تقلید کی تو تعریف ہی میں عدم معرفت دلیل موجود ہے لہذا اسکو نہ قیاس کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ تقلید ہے۔

لہذا مولوی ملتانوی کی یہ مغالطہ آمیزی کہ اہلحدیث محدثین کرام کے اقوال سے حدیث کے صحت و ضعف پر دلیل نہیں لا سکتے کیونکہ یہ تقلید ہے۔ محض بکواس اور بے دلیل

بات ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ بچارے کی ساری کوشش ہی رائیگاں چلی گئی کیونکہ جس کو وہ تقلید سمجھ رہے تھے وہ تقلید ہی نہیں۔

چوتھی بے ضابطگی

مولوی ملتانی نے یہ عجیب جہالت کی ہے کہ جس شخص سے مناظرہ کرنا چاہتا ہے اس کے اور اپنے اصول الگ الگ فرض کر لیے ہیں اب اس عقل مند سے کوئی پوچھے کہ یہ اصول مناظرہ کی کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ دونوں فریق کے اصول الگ ہوں اور ہر ایک فریق اپنے اپنے اصول کی بنیاد پر مناظرہ میں دلیل پیش کرے۔ جب فریق مخالف اس کو دلیل مانے گا ہی نہیں تو اس کے خلاف دلیل قائم ہی کیسے کر سکو گے۔ اور جب اپنے دعویٰ پر دلیل ہی نہیں دے سکو گے تو مدعا ثابت کیسے ہوگا۔

مان لو تم نے ایک حدیث پیش کی، فریق مخالف اس کو ضعیف بتا کر ناقابل استدلال قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے جب وہ حدیث ناقابل استدلال ہے تو تمہارا اس کو پیش کرنا نہ کرنا برابر ہی ہے کیونکہ اثبات مدعا کے لیے وہ دلیل مفید ہوتی ہے جس کو فریق مخالف تسلیم کرتا ہو اور فریق مخالف اس کو تسلیم ہی نہیں کرتا تو گویا تم نے اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل ہی پیش نہیں کی۔ تو تمہارا دعویٰ بلا دلیل ہونے کے سبب باطل ہے۔

لیکن مولوی ملتانی کی سمجھ میں یہ بات اس لیے نہیں آتی کیونکہ ان کی ساری کوشش اس کی ہے کہ اہلحدیث مناظر کو میں خاموش کر دوں۔ شور شرابہ کر کے اس کے اوپر غالب آنے کی کوشش کروں۔ یہ بھول گئے کہ اگر اہلحدیث کو صحت و ضعف میں کسی کا قول پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی تو آپ کو بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اہلحدیث جس طرح (بقول آپ کے ناکہ حقیقت میں) تقلید کو اپنے لیے ناجائز مانتے ہیں ویسے ہی آپ کے لیے بھی ناجائز مانتے ہیں اور جب وہ ناجائز مانتے ہیں تو آپ کی پیش کردہ حدیث کو وہ کیوں کر صحیح مان لیں گے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ چونکہ ہمارے یہاں درست ہے لہذا وہ صحیح

ہے تو آپ کے یہاں درست ہوا کرے اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔ فریق مخالف تو اس کو نہیں مانتا، مناظرہ ان اصول کی بنیاد پر ہوتا ہے جو مسلمہ فریقین ہوں۔ نہ یہ کہ ہر ایک فریق کے الگ الگ اصول ہوں، یہ ناصرف جہالت بلکہ اعلیٰ درجہ کی حماقت ہوگی۔ لہذا اس عبارت میں مولوی ملتانی نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک مغالطہ کے علاوہ اور کچھ نہیں اور اہل علم کے نزدیک ایسی باتیں دیوانے کی بڑ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پانچویں بے ضابطگی

مولوی ملتانی جب اہلحدیث کے ان اصول کو مانتا ہے جو اس نے بزعم خویش اہلحدیث علما کی کتابوں سے نکالے ہیں تو اہلحدیث کی ان تشریحات و توضیحات کو تسلیم کیوں نہیں کرتا جو وہ قبول و رد حدیث کے متعلق کہتے ہیں۔ جس طرح تقلید شخصی معین ان کے یہاں ناجائز اور حرام ہے ایسے ہی ان کے یہاں حدیث کے صحت و ضعف کو جانچنے کے لیے اصول محدثین و اقوال محدثین معیار ہیں، ان کی پہلی بات کو بلاچوں و چرا مانتا اور دوسری بات کو تسلیم نہ کرنا آخر کس بنیاد پر مبنی ہے۔ اگر ان کی پہلی بات قابل تسلیم ہے تو دوسری بات قابل تسلیم کیوں نہیں۔ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ پہلی بات چونکہ مدلل ہے اس لیے قابل تسلیم ہے تو دوسری بات بھی مدلل ہے اس کو بھی تسلیم کرنا چاہیے۔

اور اگر وہ یوں کہے کہ چونکہ پہلی بات سے ہی یہ لازم آتا ہے کہ دوسری بات نامانی جائے تو سوال یہ ہے کہ یہ تو جہہ بلا مرجع کیوں؟ دوسری بات مان کر پہلی بات کے ایسے معنی بیان کرنے چاہیے تھے جس سے تعارض دفع ہوتا لیکن تم نے اپنے جھوٹے ادعاء علم پر غرور کرنے کے سبب پہلی بات کو بلا چون چرا قبول کر لیا اور دوسری کو بلا دلیل رد کرنا شروع کیا، جب کہ تم خود اپنے لیے اس کو جائز کہتے ہو، چنانچہ تم نے اگلے صفحہ میں خود لکھا ہے:

”احادیث کی صحت و ضعف میں علم حدیث کے ماہرین کی رائے کا اعتبار ہوگا۔“

اب اگر میں یہ کہوں کہ چلو میرے اصول سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ

حدیث صحیح ہے یا ضعیف لیکن تمہارے اصول سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور میں نے جب اس کا تمہارے اصول سے ضعیف ہونا ثابت کر دیا تو تمہارا دعویٰ باطل ہوا کیونکہ مناظرہ میں فریق مخالف کے مسلمات سے دلیل قائم کی جاسکتی ہے اور ہمیشہ قائم کی گئی۔ یہ اور بات ہے کہ مولوی ملتانی اس اصول سے ناواقف ہو، اگر ناواقف ہے تو قابل افسوس ہے۔ اگر جان بوجھ کر نادانی کر رہا ہے اور تجاہل عارفانہ برت رہا ہے تو یہ اس کی شرارت اور فتنہ بازی ہے۔

باتیں تو اور بھی ہیں فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔

مولوی ملتانی کی ایک اور جہالت

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”قرآن کی آیت اور حدیث کا صرف ترجمہ کریں گے۔ وضاحت کے بہانے اس میں اپنی رائے شامل نہ کر سکیں گے۔ جب وہ حدیث کا ترجمہ کر کے اپنا مطلب کشید کرنے کے لیے اپنی تقریر شروع کر دیں گے تو حقیقت میں وہ ان کی اپنی رائے ہوتی ہے، لیکن یہ لوگ اپنی رائے کا نام حدیث رکھ دیتے ہیں، مثلاً الصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب (بخاری، ۱۰۴۶۱) کے بارے میں امام احمد اور سفیان بن عیینہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے یعنی منفرد کی نماز فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ لیکن غیر مقلدین کے نزدیک ’من‘ عام ہے، مقتدی، منفرد، امام سب کو شامل ہے۔ یہ ان کی رائے ہے اس عموم کی اللہ نے صراحت کی ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، لیکن وہ اس کو حدیث کا نام دیتے ہیں۔“

جواب: مولوی ملتانی نے اس عبارت کے اندر بہت سارے دعوے کئے ہیں جو سب کے سب بلا دلیل ہیں اور ظاہر ہے جب بلا دلیل ہیں تو باطل ہی ہیں، تفصیل اس کی یوں ہے:

حدیث کی وضاحت اور تفسیر کا نام 'رائے' رکھنا مولوی ملتانی کی خطہ الحواسی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اگر اہلحدیث کو وضاحت کی اجازت دی گئی تو ہماری تو ساری پول کھل جائے گی اور ہمارے مرید ادھر ادھر چلے جائیں گے، اس لیے اہلحدیث کو وضاحت کی اجازت نہیں ہوگی، اصل میں یہ مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کی شکست خوردگی کی واضح دلیل ہے جس کے خوف سے وہ اہلحدیث پر پہلے ہی پابندی لگانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی پیش کردہ آیت یا حدیث کی وضاحت نہ کر سکے کیونکہ جانتے ہیں کہ اگر اہلحدیث کو وضاحت کی اجازت دی گئی تو ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

آخر یہ کونسا انصاف ہے آپ کوئی آیت یا حدیث پیش کریں تو آپ کو الٹی سیدھی تشریح اور وضاحت کرنے کی اجازت ہو لیکن اہلحدیث کو وضاحت کی اجازت نہ ہو، آخر کیوں؟ اگر وہ غلط وضاحت کرتا ہے تو آپ اس کی غلطی بتا کر صحیح وضاحت کر دیجئے تاکہ عام آدمی اس کو سمجھ جائے لیکن آپ ایسا نہیں کرتے کیونکہ ڈرتے ہیں کہ ایسا ہوا تو ہماری شکست یقینی ہے۔ اس لیے اس کو وضاحت کی اجازت نہیں ہوگی اگر آپ یہ مغالطہ دیں کہ آپ کو وضاحت کی اجازت اس لیے نہیں کیونکہ وضاحت کے نام پر آپ اپنی رائے داخل کر دیتے ہیں جو آپ کے نزدیک غلط ہے تو میں کہوں گا کہ آپ نے یہ بات اگر اسی لیے رکھی ہے تو وضاحت کی اجازت آپ کو بھی نہیں ہوگی کیونکہ آپ بھی رائے کو داخل کرتے ہیں اور دین میں رائے غلط ہے اور جب ہم اپنی رائے کو غلط کہتے ہیں تو آپ کی رائے کیوں تسلیم کریں گے۔ لہذا اجازت آپ کو بھی نہیں ہوگی۔ اگر آپ کہیں کہ ہم کو ہوگی کیوں کہ ہم رائے کو دین سمجھتے ہیں تو میں کہوں گا کہ جب آپ اپنے مریدوں میں بیٹھیں تو اپنی

رائے بیان کریں آپ کو فائدہ ہوگا لیکن جب میں مانتا ہی نہیں تو آپ کا رائے پیش کرنا بیکار ہی تو ہے۔ او ربے کار وقت برباد کرنے کی اجازت آپ کو نہیں دی جاسکتی۔ لہذا یہ اصول کہ ”وضاحت کی اجازت نہ ہوگی“ اگر ہوگا تو دونوں کے لیے اور اگر نہیں تو کسی کے لیے بھی نہیں۔ اگر رائے کا نام حدیث ہے تو آپ کی رائے کا نام بھی حدیث ہوگا۔
اب آئیے ذرا آپ کی پیش کردہ مثال کا جائزہ لیں۔

”لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب“

مولوی ملتانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں امام احمد اور سفیان بن عیینہ کی رائے یہ ہے کہ منفرد کے بارے میں ہے۔“

جواب: تعجب ہے مولوی ملتانی حنفی مقلد ہیں نا تو امام ابو حنیفہ کا نام لیتے ہیں نا شاگردوں کا، نا شیخین کا اور نا صاحبین کا، نام لیتے ہیں تو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ کا، آخر کیوں؟ یہ آپ حنبلی اور سفیانی کب سے ہو گئے کیا امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا کوئی قول اس بارے میں آپ کو نہیں ملا اگر ملا تھا تو پیش کیوں نہیں کیا اور اگر نہیں ملا تو آخر کیوں؟ کیا حنفی مذہب مکمل نہیں ہے۔ یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وضاحت نہیں کی کہ آپ کو دوسرے اماموں کا سہارا لینا پڑا؟ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں بھلے ہی کوئی مسئلہ نہ ملے لیکن فقہ حنفی میں ہر مسئلہ کا بیان موجود ہے۔ یعنی بھلے ہی قرآن و حدیث کو نامکمل مان لیں لیکن فقہ حنفی کو نامکمل نہیں مانا جاسکتا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ مولوی ملتانی جیسا شخص بھی اس مشہور حدیث کی وضاحت جب کرتا ہے اپنے امام کا قول نہیں دوسرے اماموں کا قول پیش کرتا ہے۔ ہائے رے مجبوری لکھتے ہیں:

”لیکن غیر مقلدین کے نزدیک ”من“ عام ہے، مقتدی منفرد و امام سب کو شامل ہے۔ یہ ان کی رائے ہے اس عموم کی اللہ نے صراحت

کی ہے نہ رسول ﷺ نے، لیکن وہ اس کو حدیث کا نام دیتے ہیں۔
اس لیے جب وہ امتی کا قول پیش کریں یا امتی کی رائے پیش کریں تو
پہلے ان سے تقلیدی شرک اور قیاس والی شیطنت سے توبہ کرائیں پھر
آگے بات چلائیں۔“ (بارہ مسائل، ص ۷)

• جواب: مولوی ملتانی کی جہالتیں شباب پر ہیں۔ اگر وضاحت سے لکھیں تو بات طویل ہو
جاتی ہے اور مختصر لکھیں تو ڈر لگتا ہے کہ عام آدمی کو سمجھ میں بات کم آئے گی لیکن
کتاب کا حجم بڑھ نہ جائے قدرے اختصار ہی پیش نظر ہے۔

کیا ”من“ عام نہیں ہے؟

مولوی ملتانی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے تو لگتا ہے کہ ”من“ عام نہیں ہے
حالانکہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کہ ”من“ عام ہے اور ہر ایک نمازی کو شامل ہے کیونکہ
قرآن و حدیث میں بلا قرینہ جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے وہاں یہ لفظ عام ہی استعمال ہوا
ہے۔ اگر مولوی ملتانی کے پاس کوئی دلیل ہے جس کی بنیاد پر وہ ”من“ کو عام نہیں کہتے تو ذکر
کریں، ایسی بچکانہ باتیں نہ کریں ”من“ کے عام اور عموم کے لیے ہونے میں کوئی اختلاف
نہیں ہے۔ ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو یہ اپنے عموم سے نکل جاتا ہے اور چونکہ اس حدیث
میں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے جو اس کے اصلی معنی مراد لینے سے مانع ہو لہذا یہ عموم ہی کے
لیے ہے، مولوی ملتانی کا یہ کہنا کہ اس عموم کی اللہ نے صراحت کی ہے نہ رسول ﷺ نے تو
یہ ان کی دھاندلی ہے یا جہالت۔ صرف ایک آیت پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
يَسْجُدْ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ (الحج: ۱۸) آسمان و زمین میں ہر شے
اللہ کے لیے سجدہ کرتی ہے، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں مَنْ يَوْمَنْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جو شخص بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو مہمان کی
تکریم کرنا چاہیے۔

آنکھیں کھول لو اللہ اور اس کے رسول نے مَن کو عمومی معنی میں استعمال کیا یا نہیں؟ اب بھی یہ کہنا کہ صراحت نہیں، جہالت ہے۔

اگر مَن 'بلا قرینہ صارفہ کے عمومی معنی نہیں رکھتا ہو تو مولوی ملتانی اور ان کی پارٹی ایک ہی مثال پیش کرے۔

شاید مولوی ملتانی عبارتہ النص، دلالت النص اور اشارۃ النص سے ناواقف ہیں۔ اسی لیے یہ بات ان کے قلم سے نکل گئی ورنہ یہ مثال وہ ہرگز نہ دیتے۔ ان کو چاہیے کہ اپنی کم عقلی اور جہالت پر ماتم کریں نہ یہ کہ اہلحدیث سے الجھیں۔ مولوی ملتانی نے چونکہ یہ کتاب اپنے چیلوں کو اہلحدیثوں سے الجھنے کے لیے لکھی ہے اور شیطانی گر سکھائے ہیں، ذہن میں وہی بات تھسی ہوئی ہے اس لیے بلا ضرورت یہاں وہ بات جو آگے آنا تھی آگئی۔

مولوی ملتانی اور ان کی پارٹی یہ نہ سمجھے کہ اس نئے چولے میں اہلحدیث ان کی شیطانی چالوں کو نہ سمجھ سکیں گے۔ ہمارا اعلان ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ☆ من انداز قدت رامی شاسم

جب اہلحدیث قرآن وحدیث کے مقابلہ میں کسی امتی کا قول پیش کریں اور رسول معصوم کو چھوڑ کر کسی شخص معین کی تقلید اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے واجب کر لیں تو آپ ضرور ان سے توبہ کرائیں لیکن یاد رکھیں اہلحدیث کی زندگی میں ان شاء اللہ یہ دن کبھی نہیں آئے گا کہ وہ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اقوال رجال کو پکڑ کر بیٹھ جائیں اور تقلید شخصی معین کو اپنے لیے لازم کر لیں اس لیے مولوی ملتانی اور ان کی ذریت کے لیے یہ دن کبھی نہیں آئے گا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مقلدوں کے اصول

مولوی ملتانی نے اپنی کتاب بارہ مسائل کے صفحہ ۷ پر ایک عنوان لگایا ہے 'اہل سنت و الجماعت کے اصول' اور اس کے نیچے حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مقلدوں سے اس کی تشریح کی ہے، تعجب ہے۔ جو لوگ سنت رسول اور منہج صحابہ کے مقابلہ میں تقلید کے نہایت محدود و تنگ دائرے میں رہنے پر راضی ہو گئے جن کے نزدیک نہ سنت رسول کی کوئی اہمیت ہے اور نہ منہج رسول کی وہ لوگ اپنے آپ کو اہل سنت و الجماعت کہنے لگے:

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

مولوی ملتانی اینڈ پارٹی سے میرا سوال ہے کہ جب وہ رسول کے مقابلہ میں امام کو حدیث رسول کے مقابلہ میں قول امام کو، اتباع رسول کے مقابلہ میں تقلید امام کو، منہج صحابہ کے مقابلہ میں روش تقلید کو مانتے اور اس پر چلتے ہیں تو ان کو اپنے آپ کو اہل سنت و الجماعت کہنے کا کیا حق ہے۔ سنت رسول اور جماعت صحابہ کے منہج و طریقہ پر چلنے والوں کو تو آپ نے غیر مقلد کہہ دیا اور سنت رسول اور منہج صحابہ کے مخالفین کا نام اہل سنت و الجماعت۔ بقول:

برعکس نہند نام زنگی کا فور

والا معاملہ کر رکھا ہے۔ یاد رکھیں: نارسل اکرم ﷺ مقلد تھے اور نا صحابہ کرامؓ، تقلید سے ان لوگوں کا کوئی واسطہ نہیں تھا، لہذا ان کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کریں۔ آپ کے لیے بہتر تھا کہ اپنا نام اہل الرائے و التقليد رکھتے کہ یہ آپ کے طریقہ اور منہج سے مطابقت رکھتا ہے اور آپ کے مذہب کو بھی متعین کرتا ہے، لہذا آئندہ دھیان رکھیں، تفصیل ان شاء اللہ آگے آتی ہے۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”اہل سنت والجماعت حنفی ہوں یا شافعی، حنبلی ہوں یا مالکی، سب کے نزدیک شرعی احکامات ثابت کرنے کے لیے چار دلیلیں ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت و قیاس.....“

(بارہ مسائل، ص ۷)

دیوبندی مقلدوں کا سفید جھوٹ

مندرجہ بالا عبارت میں مولوی ملتانی نے دعویٰ کیا ہے کہ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی مقلدوں کے نزدیک شرعی احکامات ثابت کرنے کے لیے چار دلیلیں ہیں۔ پتہ نہیں مولوی ملتانی نے کس پینگ میں یہ چند سطریں لکھی ہیں۔ یہ بھی بھول گئے کہ میں مقلدوں کے اصول بتا رہا ہوں یا مجتہدوں کے، بھلا کتاب وسنت اجماع و قیاس سے مقلدوں کا کیا لینا دینا، ان چار چیزوں سے دلیل لینا اور ان کو استعمال کرنا مجتہدوں کا کام ہے بچارے مقلد خصوصاً حنفی تو قرآن وسنت و اجماع و قیاس سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتا، اس کا تو صرف ایک اصول ہے ”هذا ما ادى اليه راى ابى حنيفة فاقول به“

میں اس بات کو اس لیے مانتا ہوں کیونکہ یہ میرے امام ابوحنیفہ کی رائے کے موافق ہے بھلا مقلد کو قرآن وحدیث اجماع و قیاس سے کیا سروکار— یا تو مولوی ملتانی اپنے مذہب کو جانتا نہیں یا جان بوجھ کر فریب کاری کر رہا ہے کیونکہ جو اصول ائمہ مجتہدین کے ہیں وہ مقلدوں کے بتا دیے۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ میں یہ کیا اندھیرگری کر رہا ہوں، میں ٹھہرا مقلد بھلا میرا منصب یہ کہاں کہ میں قرآن وحدیث سے استدلال کروں یا اجماع و قیاس سے دلیل پکڑوں یہ تو سراسر غیر مقلدیت ہے۔ مقلد کا کام اپنے امام کے قول اور اجتہاد پر چلنا ہے جیسا کہ خود مولوی ملتانی نے اپنے اس رسالہ میں بار بار لکھا ہے کہ

”ہمارا اعتماد امام اعظم کے فیصلہ پر ہے۔“ (دیکھئے بارہ مسائل، ص ۱۲)

نیز لکھتے ہیں

”غیر مجتہدین کے لیے اجتہادی مسئلہ میں اس مجتہد کی تقلید واجب ہے جو ان کے نزدیک باقی مجتہدین کے مقابلہ میں زیادہ ماہر ہے“
(بارہ مسائل، ص ۱۲)

اب آئیے اس کی تھوڑی سی تفصیل بھی کر دیں۔

مقلدین کے اصول

دنیا بھر کے مقلدوں کا صرف ایک اصول ہے اور وہ ہے اپنے امام کی بات ماننا، درحقیقت یہی ایک چیز ان کی دلیل ہے، قرآن و سنت اجماع و قیاس جن کو اولہ اربعہ کہتے ہیں یہ اصول علما مجتہدین کے ہیں ان سے بحث کرنا مجتہدین کا کام ہے مقلد کا کام ان سے استدلال کرنا یا ان کو اپنے لیے دلیل بنانا یا سمجھنا نہیں، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ تقلید سے نکل جائے گا اور غیر مقلد ہو جائے گا۔

و تقلید کی تعریف مسلم الثبوت اور مختصر ابن الحاجب میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

التقليد العمل بقول الغير من غير حجة (مسلم الثبوت)

رسول کے علاوہ کسی دوسرے کی بات بلا دلیل مان لینا تقلید کہلاتا ہے

فالتقليد العمل بقول غيرك من غير حجة

(مختصر ابن حاجب مع شرح ۱/۳۰۵)

کسی دوسرے کی بات بلا دلیل مان لینا تقلید ہے۔

اس تعریف سے ظاہر ہے کسی کے قول کی بے دلیل پیروی کرنے کا نام تقلید ہے

اگر وہ دلیل سے کسی کی بات مانتا ہے تو وہ مقلد نہیں اور اگر وہ مقلد ہے تو اولہ اربعہ سے اس کو کچھ لینا دینا نہیں۔

اس کی مزید وضاحت اگر چاہتے ہو تو مختصر ابن الحاجب کا ایک حوالہ اور سنو،

فرماتے ہیں

”و ليس الرجوع الى الرسول و الى الاجماع و العلمى الى المفتى و القاضى الى العدول بتقليد لقيام الحجة“

(۳۰۵/۲)

رسول کی بات ماننا یا اجماع پر عمل کرنا یا بے علم کا مجتہد کے قول پر عمل کرنا قاضی کا گواہوں کے قول پر اعتبار کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ اس کی دلیل موجود ہے (اور تقلید بلا دلیل ماننے کو کہتے ہیں)

بات اگر سمجھ میں نہیں آئی تو آؤ ہم بتاتے ہیں قول رسول اور اجماع اولہ اربعہ میں سے مستقل دلیل ہیں لہذا ان کو ماننے کا مطلب ہے کہ آپ دلیل سے عمل کر رہے ہیں اور دلیل سے کسی بات پر عمل کرنا تقلید نہیں کہلاتا، بلا دلیل ماننے کو تقلید کہتے ہیں۔ ایسا ہی عام آدمی کا مجتہد سے پوچھ کر عمل کرنا یا قاضی کا گواہوں کو معتبر مان کر ان کی گواہی پر فیصلہ کرنا تقلید نہیں کیونکہ بے علم کو اہل علم سے پوچھ کر عمل کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے ایسا ہی قاضی کو فیصلہ کرنا تمیین کے بعد تقلید نہیں کہ یہ بھی دلیل کی بنیاد پر ہے لہذا اس کو تقلید کہنا درست نہیں۔

اب یہ بات صاف ہوگئی مقلد جب تک مقلد ہے قرآن و سنت، اجماع و قیاس پر نہ خود عمل کرے اور نہ ان کو دلیل مانے کیونکہ اس کے لیے دلیل جاننا غیر ضروری ہے اور جب اس کو دلیل معلوم ہوگئی تو وہ اس مسئلہ میں مقلد نہیں رہا۔

اگر اب کچھ بھی شبہ باقی ہے تو لیجئے جناب ہم آپ کی ملاقات حنفی مذہب کی اصول کی سب سے مشہور کتاب ”التوضیح والتلویح“ سے کراتے ہیں اگر اس کی اہمیت معلوم کرنا ہو تو کسی حنفی سے نہیں، بلکہ کسی واقعی حنفی عالم سے پوچھ کر دیکھئے۔ لکھتے ہیں:

فاما المقلد فالدليل عنده قول المجتهد فالمقلد يقول هذا
الحكم واقع عندي لانه ادى اليه راى ابى حنيفه و كل ما
ادى اليه رايه فهو واقع عندي (١/٤٤)

مقلد کی دلیل اس کے امام و مجتہد کا قول ہوتا ہے (قرآن و حدیث
وغیرہ اس کی دلیل نہیں) وہ ہر مسئلہ میں یہی کہے کہ یہ مسئلہ میرے
نزدیک یونہی ہے کیونکہ یہ میرے امام کے قول کے مطابق ہے اور جو
میرے امام کے مطابق ہو وہی میرے نزدیک صحیح ہوتا ہے۔

اب اس کے بعد مزید وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی مگر پھر بھی جن
لوگوں سے ہمارا واسطہ ہے وہ جب تک اپنے زمانہ کے مولویوں کی زبان سے نہ سن لیں
نہیں مانتے بلکہ برابر بولے جاتے ہیں۔ اصول فقہ میں اگرچہ یہ بات بہت وضاحت
سے لکھی ہے کہ مقلد کا علم ادلہ اربعہ سے ماخوذ نہیں ہوتا (لم یکن علم المقلد حاصلًا
عن الادلة) (توضیح ص ۲۷)

پھر بھی یہ لوگ دنیا والوں کو قرآن و حدیث و اجماع و قیاس کی دھائی دیتے
ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب اس زمانہ کے بعض دیوبندیوں کی صراحت بھی سن لیجئے
مفتی رشید احمد صاحب پاکستان کے ایک دیوبندی عالم ہیں ان کی کتاب ارشاد
القاری الی صحیح البخاری دیوبندیوں میں مقبول عام کتاب ہے وہ اپنی اس کتاب میں اوقات
منہیہ میں نماز کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لیے قول امام
حجت ہوتا ہے نا کہ ادلہ اربعہ کہ ان سے استدلال و وظیفہ مجتہد
ہے۔“ (بحوالہ کیا فقہ حنفیہ قرآن و حدیث کا نچوڑ ہے)

مذکورہ بالا حوالا جات جیج جیج کر اعلان کر رہے ہیں کہ مقلد کا صرف ایک اصول

ہے یعنی تقلید امام۔ وہ، اولہ اربعہ یعنی قرآن و حدیث، اجماع و قیاس سے نہ استدلال کر سکتے ہیں اور نا ان کے لیے یہ اصول ہیں کیونکہ اولہ اربعہ سے استدلال کرنا اور ان کو حجت بنانا اور اصول ماننا اور برتنا صرف مجتہد کا کام ہے اور مقلد مجتہد ہوتا نہیں۔

بات صاف ہوگئی

اوپر کی بات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مولوی ملتانی نے جو اپنی کتاب بارہ مسائل میں حنفی شافعی مالکی حنبلی کے چار اصول بتائے ہیں وہ سراسر دھاندلی اور فریب کاری ہے۔ علما اصول حنفیہ و دیگر اکابر دیوبند نے صاف طور پر لکھا ہے کہ مقلد کا صرف ایک اصول ہے یا اس کی ایک ہی اصل ہے اور وہ ہے ہر حال میں تقلید امام کرنا۔ قرآن و حدیث و اجماع و قیاس سے آنکھ بند کر لینا چاہے امام کی بات بظاہر قرآن و حدیث کے مخالف ہو اور مقلد کے پاس بجز حسن ظن کے کوئی دلیل نہ ہو اس کا دل بھی مطمئن نہ ہو پھر بھی وہ ہر حال میں بات امام ہی کی مانے گا۔ یہ بات چند علما کرام اور اساطین علم اور اصحاب فقہ و فتاویٰ کے اعترافات سے بھی سن لیجئے:

مذکورہ بالا اعترافات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اولہ اربعہ کسی مقلد کے کام کے نہیں ہیں بلکہ یہ چار دلیلیں صرف مجتہد کے کام کی ہیں۔ مقلد کی صرف ایک دلیل ہے اور وہ ہے قول امام اب اگر مولوی ملتانی اپنے غیر مقلد ہونے کا اعتراف کریں تو انہیں اولہ اربعہ سے دلیل پکڑنا درست ہوگا ورنہ نہیں۔

مولوی ملتانی نے قیاس شرعی کی تعریف اور مثال میں جو ایک صفحہ لکھا ہے وہ ان کے لیے بے سود ہے اور ماہ النزاع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

”قیاس شرعی سے مراد محض قیاس آرائی نہیں جیسا کہ غیر مقلدین

حضرات نے سمجھ رکھا ہے.....“

یہی تو ہم کہتے ہیں کہ قیاس شرعی کے نام پر محض نری قیاس آرائی جس کے بل

بوتے مقلدوں نے ہزاروں مسئلہ تراش کر اماموں کے سر لگائے ہیں سراسر دھاندلی ہے، مثلاً یہ مسئلے جو فقہ احناف کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں جن کا ثبوت نہ قیاس شرعی سے ملتا ہے اور نہ ان کا ثبوت امام ابو حنیفہ ہی سے ملتا ہے۔ مقلدوں نے محض نری قیاس آرائی سے ان کو اماموں کے سر منڈھ دیا ہے۔ مجتہدین و فقہاء کو بدنام آپ کریں نام ہمارا لگا دیں۔

مسائل قیاسیہ

(۱) جس عضو پر نجاست لگی ہو وہ تین بار چاٹنے سے پاک ہو جاتی ہے۔
عالم گیری عربی کے الفاظ یوں ہیں:

إذا أصابت النجاسة بعض أعضائه و لحسها بلسانه حتى ذهب أثرها يطهر۔
(عالم گیری (۴۵/۱) مدیہ المصلی ص ۶۲، بہشتی زیور (۸۰/۲) فتاویٰ ہندیہ ترجمہ عالم گیری (۷۷/۱) مصبوعہ تیج کمار لکھنؤ)

(۲) اگر چھری نجس ہو جائے اور اس کو زبان سے چاٹ لے یا اپنا تھوک لگا کر اس کو پونچھ لے تو پاک ہو جاوے گی۔ یہ فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ (۷۷/۱)

(۳) اگر کپڑے کو زبان سے چاٹے یہاں تک کہ نجاست کا اثر جاتا رہ تو پاک ہو جاوے گا۔ یہ محیط میں لکھا ہے۔
فتاویٰ ہندیہ (۷۷/۱)

(۴) مشہور حنفی فقیہ ابوبکر الاسکاف نے فتویٰ دیا:

اگر نکسیر بند نہ ہو تو خون سے پیشانی پر سورۃ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ لکھنا جائز ہے۔

عربی عبارت یوں ہے:

والذی رعف فلا یرقأ دمہ فاراد ان یکتب بدمہ علی جہتہ شیئا من القرآن

قال ابو بکر الاسکاف یحوز

(۵) حرام چیز سے دوا کرنا اگر شفاء کا یقین ہو تو جائز ہے۔

دیکھئیے عین الہدایہ کتاب الطہارۃ (۱۱۵/۱)

یہ مسائل اور اس طرح کے ہزاروں مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں جن کی کوئی دلیل کتاب و سنت سے فراہم نہیں کی جاسکتی اس کے باوجود یہ مسائل ان ہزرات کے نزدیک ویسے ہی صحیح ہیں جیسے کتاب و سنت سے ثابت مسائل بلکہ ان مسائل کے خلاف اگر کتاب و سنت سے نصوص بھی پیش کئے جائیں تو ان حضرات کو اس کے قبول میں تامل ہوتا ہے اور ہرگز ان مسائل سے نہیں ہٹتے۔

کیا یہ نری قیاس آرائی نہیں ہے؟

مولوی ملتانی اپنی کتاب کے صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں:

۲۔ اہل سنت والجماعت بلکہ تمام عقلاء کے نزدیک ہر فن میں اس فن کے ماہرین کی رائے معتبر ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹری کے مسئلہ میں ڈاکٹر کی، انجینئرنگ کے مسئلہ میں انجینئر کی، زراعت کے مسئلہ میں ماہر زراعت کی، گرامر میں ماہرین صرف و نحو کی، لغت میں ماہرین لغت کی رائے معتبر ہوگی اور احادیث کی صحت و ضعف میں علم حدیث کے ماہرین کی رائے کا اعتبار ہوگا۔ (دیکھئے بارہ مسائل، ص ۸)

یہاں تک مولوی ملتانی نے جو کچھ کہا ہے معقول ہے اس شرط کے ساتھ کے مذکورہ ماہرین کی رائے ظاہر نصوص کتاب سنت کے خلاف نہ ہو۔

حدیث کو رد کرنے کے چند ملتانی اصول

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث کی صحت و ضعف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صحت و ضعف بحسب السند

(۲) صحت و ضعف بحسب العمل، یعنی جو حدیث معمول بہ ہے وہ صحیح

ہے اور جو حدیث متروک و غیر معمول بہ ہے وہ ضعیف ہے۔ الخ

(بارہ مسائل، ص ۸)

جواب:

(۱) مولوی ملتانی نے البتہ کے بعد جو کچھ کہا ہے محض بے بنیاد و بے ثبوت اور من گھڑت ہے۔ ابھی چند سطر پہلے لکھ رہے تھے کہ ہر فن میں اس فن کے ماہر کی بات مانی جائے گی اور یہاں چند سطر بعد ہی اس کی خلاف ورزی کر دی جب بات فن حدیث کی ہو رہی ہے تو بات محدثین کرام کی معتبر ہوگی نہ کہ مقلدین کی اور وہ بھی مولوی ملتانی جیسے مقلد کی۔

(۲) یہ اصول مقلدین نے احادیث رسول کو من مانے طریقہ پر رد کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کے لیے تراشہ ہے ورنہ آج تک کسی محدث نے یہ اصول نہیں بتایا کہ جس حدیث پر عمل نہ ہو ضعیف ہے۔

(۳) یہ کہنا کہ جس حدیث پر عمل نہ ہو وہ ضعیف ہے نہایت غلط اور ضعیف قول ہے۔ امت، رسول کی بات ماننے سے مومن و مسلمان ہوتی ہے، صحیح اور درست کہلاتی ہے۔ یہ نہیں کہ نبی کی بات کو امت مانے تو وہ بات نبی کی غلط ہو جائے گی۔ ان اندھے مقلدوں کو اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر لوگ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تو اس میں لوگوں کا قصور ہے نا کہ حدیث کا۔

(۴) اگر حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ اس وقت قبول ہوگی جب امت اس کو قبول کرے تو اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہوا کہ رسول کی بات ماننے کے لیے امت سے اجازت لینے کی ضرورت ہے اگر امت اجازت دے تو مانی جائے گی ورنہ رد کر دی جائے گی۔ یہ تو سراسر اتباع رسول کے خلاف ہے قرآن و حدیث سے متصادم ہے۔

(۵) غیر معمول بہ حدیث دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ حقیقت میں صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے۔ اگر حقیقت میں صحیح ہے تو امت پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے اس کی

صحت امت کے عمل پر موقوف نہیں کہ امت جب تک عمل نہ کرے صحیح نہ ہو اور اگر وہ حقیقت میں ضعیف ہے تو ضعیف پر عمل کرنا درست نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس صورت میں حدیث غیر معمول بہ اس لیے ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے نایہ کہ امت کے عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ ضعیف ہوگئی۔

(۲) جو حدیث معمول بہ ہے اس کے بارے میں ضروری ہے کہ تحقیق کر لی جائے وہ حقیقت میں صحیح ہے یا ضعیف۔ اگر صحیح ہے تو اس کو معمول بہ بنایا جائے اور اگر وہ ضعیف ہے تو اس کو معمول بہ بنانا درست نہیں۔

جس حدیث کو یہ مقلدین معمول بہ قرار دے کر صحیح بتا رہے ہیں اس کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ معمول بہ قرار دینے سے پہلے کیا تھی اگر وہ معمول بہ قرار دینے سے پہلے ہی ضعیف تھی تو اس کو معمول بہ قرار دینا غلط ہے اور اس کو صحیح قرار دینے والے نفس پرست ہیں۔ اپنے فرقہ کے یہاں اس ضعیف کو معمول بہ بنانے کے سبب صحیح قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ ضعیف ہے اور اس طرح معمول بہ قرار دے کر صحیح بنائی جانے والی حدیث صحیح نہ ہوگی کیونکہ اصل میں وہ ضعیف ہے اور اگر وہ اصل میں صحیح ہے تو معمول بہ ہونے سے اس میں گو صحت کا مزید گمان بڑھ گیا اگر معمول بہ نہ ہوتی تب بھی وہ صحیح ہی تھی۔ حدیث رسول اگر صحیح ہے تو وہ اپنی اصل وضع میں امت کے عمل کرنے کی محتاج نہیں ہے۔

ایک سوال کی کئی شکلیں

مولوی ملتانی اور ان کے حواریوں سے درخواست ہے کہ وہ ایسی احادیث کی ایک فہرست شائع کریں جو اصل میں ضعیف تھیں اور عمل کرنے کی وجہ سے صحیح ہو گئیں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ اب تک اس اصول سے کتنی حدیثیں صحیح ہو گئیں ہیں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ محدثین کرام نے یہ اصول کہاں لکھا ہے۔ کتاب کا نام مع اصل عبارت۔

نیز یہ بھی لکھیں کہ دیگر مقلدین مثل شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ بھی اس اصول میں احناف کے ساتھ ہیں یا نہیں؟ کتاب کے حوالے سے مع اصل عبارت کے ثبوت دیں۔
نیز یہ بھی بتائیں کہ جو حدیث احناف کے یہاں غیر معمول بہ ہو کر ضعیف کہلاتی ہیں وہی حدیث شافعیہ کے یہاں معمول بہ ہونے کے سبب صحیح کہلاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا درست ہوگا یا نہیں اور وہ حقیقت میں صحیح کہلائے گی یا ضعیف یا دونوں؟

نیز یہ بھی بتائیں کسی حنفی عالم نے آج تک ایسی احادیث پر مشتمل کوئی کتاب لکھی ہے یا نہیں اگر لکھی ہے تو کونسی اس کا نام و پتہ لکھیں اور اگر نہیں لکھی تو کیوں؟ ہمارا مشورہ ہوگا کہ مولوی ملتانی اولین فرصت میں یہ نیک کام کر جائیں تاکہ اس امت کو پتہ چل جائے کہ ان احادیث کو احناف نے اپنے یہاں معمول بہ بنا کر صحیح بنایا ہے ہم بھی اس پر ان کا شکریہ ادا کریں گے۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ یہ من مانے قواعد اور من گھڑت اصول حنفیوں نے اپنے ضعیف مسلک کو قوی بنانے اور حدیث رسول کو رد کرنے کے لیے تراشے ہیں اور اس کے بعد جو بھی کچھ مولوی ملتانی نے لکھا ہے وہ محض ان کی اپنی موٹگافیاں اور خیال آرائیاں ہیں۔ اس لیے انہوں نے ان اصول کے لیے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔

کیا رفع الیدین کی حدیث غیر معمول بہ اور ضعیف ہے؟

مولوی ملتانی لکھتے ہیں کہ:

”امام اعظم ابو حنیفہ نے امام اوزاعی کے ساتھ رفع الیدین کے مناظرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث کو ضعیف کہا تھا اور امام مالک نے رفع الیدین کی تمام حدیثوں کو ضعیف کہا ہے (المدونۃ الکبریٰ،

جلد ۷، ص ۷۹) ورنہ عبداللہ بن عمر کی حدیث سند بالکل صحیح بلکہ اصح
الاسانید ہے۔“

جواب: مندرجہ بالا عبارت میں مولوی ملتانی نے دو دعوے کیے ہیں:

(۱) مناظرہ اوزاعی میں امام ابوحنیفہ نے ابن عمر کی حدیث کو ضعیف کہا۔

(۲) امام مالک نے رفع الیدین کی احادیث کو ضعیف کہا۔

اب آئیے! ہم ان دونوں دعووں کا جائزہ لیتے ہیں:

مناظرہ اوزاعی کی حقیقت

مولوی ملتانی نے اس میں زبردست جھوٹ بولا ہے اور ایک جھوٹے افسانوی مناظرہ پر جس کا دارومدار کذا بین و دجالین پر ہے، اپنی عمارت کی بنیاد رکھی ہے۔ اگر مولوی ملتانی اس مناظرہ کی پوری تفصیل لکھ دیتا تو اس کی یہ ساری کارستانی محض مذاق بن کر رہ جاتی۔ اس لیے اس نے اس کی تفصیل نہیں لکھی اور جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ قارئین کی جانکاری کے لیے ہم اس مناظرہ کو جامع مسانید ابی حنیفہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

”اما سفیان بن عیینہ نے کہا کہ مکہ مکرمہ کے دار الحناطین، میں امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ اکٹھا ہوئے۔ امام اوزاعی نے امام صاحب سے کہا کہ آپ لوگ نماز میں بوقت رکوع رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحب نے کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ امام اوزاعی نے اس سلسلہ میں ابن عمر سے مروی شدہ مشہور حدیث بیان کی۔ امام صاحب نے اس کی تردید میں ابن مسعود سے مروی شدہ روایت بیان کی، امام اوزاعی نے کہا کہ میں نے اپنی مستدل حدیث آپ کے سامنے زہری عن سالم عن ابن عمر کی سند سے

بیان کی اور اس کے مقابلے میں آپ حماد عن ابراہیم عن علقمہ والاسود عن ابن مسعود کی سند سے مروی شدہ روایت کیوں پیش کرتے ہیں یعنی آپ کی متدل حدیث ہماری حدیث کے بالمقابل باعتبار سند کمتر ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کمتر کیوں ہے جب کہ حماد زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں۔ صرف صحابی ہونے کی فضیلت ابن عمر کو حاصل ہے اور اسود کو بھی بہت بڑی فضیلت حاصل ہے اور ابن مسعود تو ابن مسعود ہیں جنہیں بچپن سے صحبت نبوی حاصل رہی اور فقہ و قرأت میں بھی انہیں فضیلت حاصل ہے۔ اس پر امام اوزاعی لا جواب ہو کر خاموش ہو گئے۔“ (بحوالہ المحلات، جلد ۲، ص ۹۳-۹۴، مطبوعہ بنارس)

ناظرین کرام اس فرضی مناظرہ کو ایک بار پھر پڑھ لیجئے۔ اس میں وہ بات کہیں سے کہیں تک نہیں ہے جس کا دعویٰ مولوی ملتانی کر رہے ہیں کہ حدیث غیر معمول بہ ہونے کے سبب ضعیف ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ اصح الاسانید ہو اور یہ کہ امام ابو حنیفہ نے امام اوزاعی کی پیش کردہ روایت کو ضعیف کہا تھا۔ دونوں ہی باتیں اس ناخدا ترس مولوی ملتانی نے اپنی طرف سے تراش لیں اور امام ابو حنیفہ پر ایک اور الزام تراشی کر دی کہ انہوں نے امام اوزاعی کی پیش کردہ حدیث کو اس لیے ضعیف کہا کیونکہ وہ غیر معمول بہ تھی۔

حالانکہ یہ مناظرہ محض فرضی ہے۔ پھر بھی اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس بات سے بالکل الگ ہے جو یہ مولوی تراش رہا ہے۔ اس میں امام اوزاعی کی روایت کے مقابلہ میں اپنی روایت کو صرف رواۃ کے افقہ ہونے کی بنا پر قابل ترجیح قرار دیا ہے ناکہ ضعیف۔

اب آئیے یہ دیکھیں کہ مناظرہ کیا واقعاتی دنیا میں وقوع پذیر ہوا بھی یا نہیں؟

ایک فرضی داستان مناظرہ جس پر دیوبندیوں کو ناز ہے

مندرجہ بالا مناظرہ محض فرضی ہے کیونکہ یہ امام صاحب کے بہت عرصہ بعد چوتھی صدی میں ابو محمد حارثی نے وضع کیا جو مشہور کذاب ہے اور وہ اس کو اپنے استاذ محمد بن ابراہیم بن زیاد رازی طیاسی متوفی ۳۱۳ھ سے روایت کرتا ہے جو کہ حارثی ہی کی طرح کذاب و وضاع ہے اور وہ اپنے استاد سلیمان بن داؤد شاذکونی منقری متوفی ۳۳۶ھ سے روایت کرتا ہے، یہ بھی کذاب ہے گویا اس روایت کا دار و مدار ہی کذابوں پر ہے۔ ایسے کذابوں اور وضاعوں سے مروی اس حکایت کو صرف اس لیے ان مقلدوں نے قبول کر لیا کیونکہ اس سے امام صاحب کی ان کے بقول فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور رفع الیدین کی احادیث سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں باتیں ہی غلط ہیں۔ امام صاحب کی اس روایت کے ماننے سے تنقیص ہوتی ہے اور رفع الیدین کی احادیث سے چھٹکارا بھی نہیں ملتا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: حسن البیان للعلامة عبد العزيز رحيم آبادی، اللہجات، جلد ۱، ص ۹۴-۹۵

مندرجہ بالا تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ محض فرضی ہے اور اس کی بنیاد پر کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا۔

پھر اس داستان میں جو روایت ابن مسعود کی پیش کی گئی وہ موقوف ہے جب کہ امام اوزاعی کی روایت مرفوع ہے اور امام اوزاعی ان کو خاموش کر سکتے تھے کہ یہ موقوف ہے مرفوع کے مقابل نہیں آسکتی۔

لہذا ثابت ہوا کہ مولوی ملتانی کا یہ سارا کبھیڑا محض بناوٹی ہے۔

کیا امام مالک رحمہ اللہ نے روایات رفع الیدین کو ضعیف کہا ہے؟
مولوی ملتانی نے دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ امام مالک نے روایات رفع الیدین کو ضعیف کہا ہے حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں مشہور محدث اور اساطین مالکیہ میں سے ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں:

لم يرو احد عن مالك ترك الرفع فيهما الا ابن القاسم و الذي
 ناخذ الرفع حديث ابن عمر و هو الذي رواه ابن وهب و غيره
 عن مالك و لم يحك الترمذی عن مالك غيره و نقل الخطابی و
 تبعه القرطبی فی المفهم انه آخر قول مالك و اصحهما و لم أر
 للمالكية دليلاً على تركه و لا متمسكاً الا بقول ابن القاسم انتهى
 علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: امام مالک سے ترک رفع الیدین کی
 روایت صرف ابن القاسم نے بیان کی ہے اور ہم جس سے استدلال
 کرتے ہیں وہ حدیث ابن عمر ہے جس کو ابن وهب و غيره تلامیذ
 امام مالک نے امام مالک سے بیان کیا ہے۔ امام ترمذی نے بھی امام
 مالک سے اس کے علاوہ دوسرا قول نقل نہیں کیا ہے۔

مشہور محدث اور شارح حدیث علامہ خطابی و مشہور مفسر علامہ قرطبی
 نے مفہم میں لکھا ہے کہ رفع الیدین کرنے کا قول امام مالک رحمہ اللہ
 کا دوسرا اور صحیح ترین قول ہے اور مالکیہ کے پاس ترک رفع کی
 سوائے ابن القاسم کے قول کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

(دیکھئے تحفۃ الاحوذی، جلد ۲، ص ۹۱، مطبوعہ دیوبند)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کی طرف احادیث رفع کی نسبت محض
 جھوٹ ہے اور ان کا دوسرا، آخری اور صحیح ترین قول رفع الیدین کرنے کا ہے۔

رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں عملاً و سنداً

علامہ ابن القیم اپنی مشہور کتاب زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

و روی رفع الیدین عنه فی هذه المواطن الثلاثة نحواً من ثلاثين

نفسا و اتفق على روايتها العشرة و لم يثبت عنه خلاف ذلك

البتة بل كان ذلك هديه دائما علي ان فارق الدنيا

رسول اکرم ﷺ سے تین مقامات پر رفع الیدین کی احادیث تیس صحابہ کرام سے مروی ہے اور یہی وہ سنت ہے جس کو دس ان صحابہ کرام نے جن کو دنیا میں جنت کی بشارت مل چکی تھی روایت کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے جب کہ رفع الیدین کرنا ہی آپ کی عادت مبارکہ رہی یہاں تک کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (۲۱۸/۱-۲۱۹، مطبوعہ ریاض)

مشہور حنفی عالم علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

ان الرفع متواتر اسنادا و عملا لا يشك فيه و لم ينسخ و لا حلف

(نیل الفرقین، ص ۲۲)

منہ۔

”بلا شک رفع الیدین عملا و اسنادا متواتر ہے اور اس کا ایک حرف

بھی منسوخ نہیں۔“

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

ان حديث الرفع متواتر عن النبي

(الازهار المتناثرة في اخبار التواتر و التعليق المجيد ۸۹)

”یعنی رفع الیدین کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں“

اگرچہ اس سلسلے میں علما کے اقوال تو بہت ہیں لیکن فی الوقت صرف اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس تفصیل سے صاف ثابت ہوا کہ مولوی ملتانی کی دونوں باتیں محض جھوٹی اور فریب ہیں۔ نہ رفع الیدین کی احادیث ضعیف ہیں اور نہ غیر معمول بہا ہیں بلکہ یہ وہ سنت ہے جس کی روایات اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ یہی وہ سنت ہے جس کی روایت کرنے والی صحابہ کرام کی اکثریت ہے، خلفاء راشدین

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

عشرہ مبشرہ نے اس سنت کی روایات نقل کی ہیں۔

امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولهذا يقول بعض اهل العلم من اصحاب النبي ﷺ منهم ابن عمرو وجابر بن عبد الله و ابو هريرة و انس و ابن عباس و عبد الله بن الزبير وغيرهم و من التابعين: الحسن البصري و عطاء و طاؤس و نافع و سالم بن عبد الله و سعيد بن جبیر وغيرهم

وبه يقول عبد الله بن المبارك و الشافعي و احمد واسحق نبی اکرم ﷺ کے بعض صحابہ کا یہی قول و عمل ہے جس میں ابن عمر جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، انس، ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ جیسے اجلہ صحابہ کرام ہیں۔ اور تابعین میں حضرت حسن بصری، حضرت عطاء، طاؤس، نافع اور سالم بن عبداللہ اور سعید بن جبیر جیسے اساطین علم و فضل ہیں جب کہ اصحاب مذاہب میں عبداللہ بن المبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اجمعین شامل ہیں۔

تحفۃ الاحوذی میں صاحب تحفہ نے صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ و فقہاء کی ایک لمبی فہرست ذکر کی ہے۔ یہاں جس کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا مقصود ہے کہ رفع الیدین کی احادیث کو غیر معمول بہ قرار دے کر ضعیف قرار دے دینا ان اندھے مقلدوں کی محض فریب کاری ہے۔ اس ڈھٹائی پر تعجب ہے کہ جس سنت کے عامل ائمہ ثلاثہ کے مقلدین ہوں اس کو یہ دیوبندی غیر معمول بہ قرار دیتے ہیں!!

احادیث کو رد کرنے کے چند اور حیلے

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”ان دو قسموں کو یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے صحت و ضعف اسنادی اور

(بارہ مسائل، ص ۹)

صحت و ضعف واقعی“

جواب: یہ حیلہ باز دیوبندی کی فریب کاری ہے، محض احادیث رسول کو پس پشت ڈالنے اور اپنے امام کی بات ہر حال میں نبھانے کے لیے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں قسمیں خود تراشیدہ ہیں کسی محدث نے جس کا اس فن میں اعتبار ہو اس طرح کی اقسام نہیں بیان کیں۔ خود اس مولوی کے الفاظ بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ ان قسموں کو یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے اگر پہلے سے یہ قسمیں موجود ہوتیں تو تعبیر کے لیے ان کو نئے الفاظ نہ تراشنا پڑتے۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

اسی طرح ماہرین علم حدیث کی بھی دو قسمیں ہیں۔ محدثین و مجتہدین۔ محدثین کی مہارت اور ان کی تحقیق کا دائرہ حدیث کی اسناد اور الفاظ تک محدود ہے۔ یعنی وہ رِوَاۃ حدیث کے تاریخی حالات کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے سند کا درجہ متعین کرتے ہیں کہ یہ سند موضوع ہے یا غیر موضوع، صحیح ہے یا غیر صحیح۔ پھر غیر صحیح ہو کر حسن ہے یا ضعیف؟ صحت کس درجہ کی ہے اور ضعف کس درجہ کا اس طرح بعض دفعہ محدث مختلف سندوں کے ساتھ روایت کردہ حدیث میں الفاظ حدیث کے اختلاف و فرق کو بھی بیان کرتا ہے کہ فلاں راوی کی حدیث میں یہ لفظ ہے“ (بارہ مسائل، ص ۹)

جواب: یہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے محض ایک مقلد محض کی من مانی ہے۔ وہ احادیث رسول کو من مانے ڈھنگ سے رد کرنے اور ان کو ناقابل عمل ثابت کرنے کے لیے یہ اصول تراش رہا ہے۔ ورنہ محدثین کرام نے یا مجتہدین نے یہ اصول ہرگز نہیں تراشے۔ درحقیقت یہ حدیث سے پیچھا چھڑانے کے لیے نئے اصول بنائے جا رہے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

جب کے مجتہدین کی تحقیق کا دائرہ اس سے وسیع تر ہے وہ پانچ امور کی تحقیق کرتے ہیں

۱۔ ثبوت و عدم ثبوت یعنی بنیادی طور پر حدیث ثابت ہے یا نہیں۔

۲۔ احادیث کے معانی کی تشریح و توضیح

۳۔ حدیث معمول بہ ہے یا غیر معمول بہ؟ درجہ عمل میں متروک ہے یا غیر متروک۔

۴۔ حدیث سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعین یعنی وہ فرض ہے یا واجب؟ سنت ہے یا مستحب؟ مباح ہے یا مکروہ؟ مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی یا حرام؟

۵۔ اس حدیث سے متعارض دوسری احادیث کے تعارض و تضاد کو دور کرنا، ان امور خمسہ کی تحقیق کے لیے ہر مجتہد کے اپنے اپنے اصول ہیں۔ (بارہ مسائل، ص ۹)

جواب: یہ امور خمسہ جن کی تحقیق کا کام مجتہدین کرتے ہیں محض فراڈ ہے۔ سرے سے یہ تقسیم اور یہ امور مقلدوں کے خود تراشیدہ ہیں، اصول حدیث سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو کوئی مائی کا لال دیوبندی اصول حدیث کی کسی کتاب سے جس کو محدثین کرام یا مجتہدین عظام نے لکھا ہو دکھائے اور یہ تقسیمات ان میں بتلائے اور اگر آج تک کوئی کتاب ان امور خمسہ کی تحقیق کرنے والے مجتہدین نے لکھی ہو تو اس کا نام لکھے ایک ہی کا صحیح ہے۔ یہ اندھے مقلد حدیث دشمنی اور تقلید دوستی میں جو کچھ تراش رہے ہیں محض کمزری کا جالا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہے۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”ہمارے امام و مجتہد سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نے ان امور کی تحقیق کے لیے اسناد کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ کو بھی بنیاد بنایا ہے۔“

(بارہ مسائل، ص ۹)

جواب: مولوی ملتانی کا یہ محض دعویٰ ہے۔ اس دعویٰ کی کوئی دلیل آج تک نا تو آپ نے فراہم کی اور نا ہی کسی دوسرے مقلد نے فراہم کی۔ اگر یہ تمام باتیں درست ہیں تو ان تحقیقات کی بنیاد پر لکھی ہوئی کوئی ایک کتاب ہی امام صاحب یا ان کے شاگردوں کی دکھا دیجئے، امام صاحب نے تو کوئی کتاب ہی نہیں لکھی اور جو کتاب انہوں نے لکھی بھی جیسا کہ مشہور ہے الفقہ الاکبر وہ عقیدہ میں ہے۔ جس میں آپ امام صاحب کی بات مانتے نہیں اور تقلید کو عقیدہ میں حرام بتاتے ہیں۔ اور یہ کتاب نصوص شرعیہ کی بنیاد پر لکھی ہوئی تو کہی جاسکتی ہے مگر اس میں نصوص شرعیہ، احادیث و آثار صحابہ کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اگر حسن عقیدت کی بنیاد پر کوئی بات کہنا ہی صحیح ہے تو آپ جو چاہیں کہیں۔ اس دنیا میں کیا کیا نہ کہا گیا، لوگوں نے اپنے اماموں کو معصوم عن الخطا اور واجب التسلیم قرار دے رکھا ہے۔

لیکن عقیدت سے اگر قطع نظر کیا جائے تو حقیقت کی دنیا میں یہ کھوکھلے دعوے تو قرار دیے جاسکتے ہیں، ان کو واقعی حقیقی اور کسوٹی پر کھرا نہ ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ کہا جاسکتا ہے۔

جن امور کی تحقیق کا آج مقلدین دعویٰ کر رہے ہیں، امام صاحب نے یا ان کے شاگردوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تو ساری زندگی اذا صح الحدیث فہو مذہبی اور اذا جاء عن اللہ و عن الرسول فعلى العین و الراس ہی کہتے رہے۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ ان کا یہ دعویٰ ہرگز نہ تھا کہ مجھ تک ساری احادیث پہنچ گئی ہیں اور میری تحقیق آخری تحقیق ہے اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ حرف آخر ہے۔ جب کہ

اس کے برخلاف انہوں نے اپنے اقوال قدیمہ سے رجوع کر لیا اور کتب فقہ میں قول قدیم اور قول جدید کی ایک عظیم اصطلاح ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے اپنے بہت سارے اقوال سے رجوع کر لیا یعنی اس بات کا اعتراف کر لیا کہ میری پرانی تحقیق غلط تھی۔ میں اس کو چھوڑ کر اس کے مقابلہ میں دوسرے قول کو اختیار کرتا ہوں۔ اسی طرح امام صاحب کے شاگردوں نے امام صاحب کے کل مسائل میں ایک تہائی سے زائد میں اختلاف کیا اور فتویٰ بھی شاگردوں کے قول پر ہے۔ امام صاحب کی بات اس سلسلہ میں فقہ حنفی نے اور حنفیوں نے نہیں مانی۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ مولوی ملتانی کی بات محض ہوائی فائر ہے اس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ آج فقہ حنفی میں جو مسائل موجود ہیں ان میں اکثر کے بارے میں نہیں تو ایک بہت بڑے حصے کے بارے میں دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ محض بعد والوں کی موٹگافیاں ہیں۔ امام صاحب نے یہ باتیں نہ کہیں لکھیں نہ کہیں اور نہ ان کو ان باتوں سے کوئی مطلب تھا۔ بعد والوں نے لکھ کر امام صاحب کے سر لگا دی ہیں۔

چنانچہ دیکھیں علامہ شبلی نعمانی ابتداء میں حنفیت میں کس قدر مصعب اور متعصب تھے مگر حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑا، لکھتے ہیں:

علامہ شبلی کا اعتراف امام صاحب مجتہد تھے، پیغمبر نہ تھے

”یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم امام ابو حنیفہ کی نسبت عام دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابو حنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے۔ اس لیے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے، نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے شاگردوں نے بہت سے مسائل میں ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت، قضائے قاضی کا ظاہر و باطن نافذ ہونا، قتل بالمشغل، نکاح

محرمات میں حد کا نہ لازم آنا ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک
امام ابو حنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی۔“

(سیرۃ النعمان، ص ۲۸)

ایسے اعترافات ایک دو نہیں دیوں ہیں۔ خود علما احناف نے مجبوراً مانا کہ امام
صاحب کا یہ مسئلہ غلط ہے اور ہر مسئلہ میں صواب اور درستی امام صاحب کے حصہ میں ہو یہ
محض جھوٹ اور نری جہالت اور ابلہ فریبی ہے۔

اس کے باوجود مولوی ملتانی کا مذکورہ دعویٰ محض فراڈ اور فریب ہے۔ لگتا ہے
انہوں نے اندھی عقیدت اور بہری وگوگی تقلید میں آکر ایسا کہہ دیا ورنہ خود فقہ کی ہر کتاب
چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہے کہ ہزاروں مسئلوں میں امام صاحب کے پاس حدیث کا کہیں
پتہ سرا نہیں ہے۔ محض قیاس ہی قیاس ہے اور بعد والوں کے پاس وہ مقیس علیہ بھی ندارد
ہے جس پر امام صاحب نے قیاس کیا۔ وہ تو نری اندھیرگری مچائے ہوئے ہیں۔ اور امام
صاحب کے قیاسی مسائل کو مقیس علیہ بنا کر تفریع بر تفریع کا چکر چلائے ہوئے ہیں جیسا
کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی بھرپور وضاحت کی ہے۔
مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”البتہ آثار صحابہ نہ ملنے کی صورت میں انہوں نے کتاب و سنت سے
ماخوذ اپنے اجتہادی اصولوں سے اور خداداد فقاہت، فقہی مہارت اور
نہایت اعلیٰ درجہ کی اجتہادی صلاحیت سے بھی کام لیا ہے۔ پھر امام
اعظم کے تلامذہ اور مابعد کے دیگر فقہاء حنفیہ نے آثار تابعین و تبع
تابعین کو بھی شامل کر لیا ہے۔“ (بارہ مسائل، ص ۹)

جواب: امام صاحب کی فقاہت، فقہی استعداد و مہارت کو تسلیم کر لینے میں ہمیں کوئی

پریشانی نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا ہر مسئلہ درست اور صحیح ہے کیونکہ دیگر ائمہ کرام نے جو ان کے بعد ہوئے اور وہ بھی فقہی مہارت اور خداداد صلاحیت میں ان سے کسی طرح کم نہ تھے۔ خود ائمہ ثلاثہ نے امام صاحب کے ہزاروں مسکوں کو رد کیا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ صحیح بنیاد پر قائم نہیں تھے۔ اکثر میں محض قیاس ہی ان کی بنیاد تھا۔ جب کہ اس قیاس کے مقابلہ میں حدیث نبوی اور آثار صحابہ و فتاویٰ صحابہ موجود تھے۔ اس لیے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے ان کی مخالفت کی۔ اگر وہ سارے مسائل درست ہوتے جو حضرت الامام نے بیان فرمائے تھے اور ان کی دلیل درست ہوتی اور وہ کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہوتے تو یہ ائمہ کرام ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتے اور چار مذاہب کا وجود ہی نہ ہوتا۔ چار مذاہب کا وجود ان کے الگ الگ مسائل اور مخصوص فقہ اور ان میں باہم حرام و حلال کا فرق یہ سب بباغ و بیل اعلان کر رہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مسائل کی بنیاد غیر مستقیم تھی۔ ان کے بارے میں یہ دعویٰ کہ وہ احادیث و آثار صحابہ پر مبنی تھے اور درست تھے، غلط ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہرگز یہ ائمہ کرام ان کی مخالفت نہ کرتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی سوچیں اگر مولوی ملتانی کی بات درست مان لی جائے کہ امام صاحب کی ساری باتیں درست تھیں تو لازم آئے گا کہ دیگر ائمہ کی باتیں غلط ہوں اور ان کو ہم غلط کار کہیں کہ انہوں نے صحیح بات نامان کر غلط کیا اور اس سے غلط آج ہم کر رہے ہیں کہ امام صاحب کو صحیح کہنے کے ساتھ ساتھ ان ائمہ کو بھی صحیح بتاتے ہیں اور ان کو بھی حق اور برحق مانتے ہیں جب کہ ہر مسئلہ میں شریعت کے دو یا دو سے زائد اقوال اور صورتیں ہوں اور سب جائز ہوں کیسے درست ہو سکتا ہے؟

آج علما احناف کا یہ دعویٰ کرنا کہ چار مذاہب برحق ہیں، خود اس بات کو ثابت

کرتا ہے کہ تینوں اماموں کی بات غلط نہیں ہے اور ان تینوں نے جو امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی تو وہ مخالفت کرنے میں برحق تھے اور مخالفت کرنا درست تھا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مخالفت غلط بھی ہو اور حق بھی ہو۔

مقلدین کا اجماعی عقیدہ مذہبنا صواب یحتمل

الخطاء و مذہب غیرنا خطاء یحتمل الصواب

چاروں مذاہب کے لوگ یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ صحیح ہے۔ لیکن احتمال رکھتا ہے کہ وہ غلط ہو اور ہمارے مخالف کا مسئلہ غلط ہے احتمال رکھتا ہے صحیح ہونے کا۔ یعنی چاروں مذاہب کے مقلدین میں سے کسی کو بھی سو فیصد یقین نہیں کہ ہمارا مسئلہ صحیح ہے اور ہمارے مخالف کا مسئلہ غلط ہے۔ بلکہ ہر ایک یہ یقین رکھتا ہے کہ ہمارا مسئلہ صحیح ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ غلط ہو اور ہمارے مخالف کا مسئلہ غلط ہے مگر ہو سکتا ہے کہ صحیح ہو یعنی کسی بھی مقلد کو اس بات کا یقین نہیں کہ ہمارا مسئلہ سو فیصد صحیح ہے۔

جب خود علما احناف اس کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر چار مذاہب برحق کا نعرہ لگاتے ہیں تو مولوی ملتانی صاحب کی لن ترانیوں کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ رہی بات امام صاحب کے تلامذہ اور دیگر فقہاء احناف کی تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے باعتراف محققین و علما احناف امام صاحب کے کل مسائل میں ایک تہائی میں مخالفت کی ہے اور بعد والوں نے جو امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں آج تک امام صاحب کی تمام باتوں کو نہیں مانا۔ بلکہ شاگردوں کی باتوں کو درست قرار دیا اور امام صاحب کو ٹکسا سا جواب دے دیا۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ امام صاحب کے مسائل کی درستگی کی اور ان کی مزعومہ نقاہت و خدا داد مہارت کی جو دہائی مولوی ملتانی دے رہے ہیں اور جو ہوا، باندھنا چاہ رہے ہیں محض غلط اور حقیقت سے دور ہے۔

فقہ حنفی اقوال متعارضہ کا معجون مرکب ہے

امام صاحب کے شاگردوں کے بعد آنے والوں نے تو فقہ حنفی کو اور ناقابل اعتبار بنا دیا کہ اس قدر متضاد اقوال اس میں داخل کر دیئے کہ الاماں والحفیظ ہر مسئلہ میں صحیح و غلط جس قول کی سند آپ لینا چاہیں فقہ حنفی کے مجموعہ سے فراہم کر لیں آپ کو با فراغت مل جائے گا کیونکہ بعد میں فقہا احناف میں شیعہ، معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہ گمراہ فرقوں نے شمول و دخول کر لیا اور اپنے گمراہ عقیدوں اور مسکلوں کو فقہ حنفی میں داخل کر دیا جس کو آج کے لوگ فقہ حنفی اور صحیح مذہب امام ابو حنیفہ مانے بیٹھے ہیں وہ درحقیقت شیعہ، معتزلہ و دیگر فرقوں کے علما کے اقوال کا معجون مرکب ہے جس سے اصل فقہ حنفی کو ان گمراہ فرقوں کے مسائل سے الگ کرنا دشوار ہے۔

اگر آپ کو یہ بات غلط لگتی ہے تو غصہ نہ ہوں۔ خود علما احناف کے اعتراضات دیکھیں بلکہ کتب طبقات کا مطالعہ کریں۔ آپ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ فقہ حنفی ایک غیر معتبر ذخیرہ ہے اس لیے اس میں متضاد اقوال کی بھرمار ہے۔ حنفیہ کے سرخیل اور مشہور محقق ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی اپنے رسالہ **الرفع و التکمیل میں لکھتے ہیں:**

فکم من حنفی حنفی فی الفروع معتزلی عقیدۃ کالزمخشری
جار اللہ مولف الکشاف وغیرہ کمولف القنیۃ و الحاوی و
المجتبیٰ شرح مختصر القدوری نجم الدین الزاہدی و کعبہ
الجبار و ابی ہاشم و الجبائی وغیرہم و کم من حنفی حنفی
فرعاً و مرجی او زیدی اصلاً و بالجملة فالحنفیۃ لها فروع
باعتبار اختلاف العقیدۃ فمنہم الشیعۃ و منهم المعتزلہ و منهم
المرجئۃ

”یعنی حنفیوں میں کتنے ہی ایسے ہیں جو عقیدے میں کچھ اور فروغ میں کچھ اور ہیں جیسے جابر اللہ زنجیری صاحب کشاف اگرچہ فروغ میں حنفی ہیں لیکن عقیدہ میں معتزلی ہیں۔ اسی طرح صاحب قنیہ اور حاوی اور مختصر القدوری کی شرح المجتبٰی کے مولف نجم الدین الزاہدی کا حال ہے۔ اسی طرح عبد الجبار، ابو ہاشم اور جبائی جیسے لوگ بھی انہی لوگوں میں شمار ہیں۔

اس طرح کتنے حنفی ایسے ہیں جو فروغ میں حنفی ہیں لیکن عقیدے میں مرجیہ یا اصلاً زیدی شیعہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کی باعتبار اختلاف عقیدہ کئی شاخیں ہیں بعض شیعہ ہیں بعض معتزلہ ہیں اور بعض مرجہ میں سے ہیں۔“

اور ظاہر ہے کہ جب احناف کے بڑے بڑے علما کا یہ حال ہو کہ وہ صرف فروغ میں امام صاحب کے مقلد ہوں اور عقیدۃ شیعہ، معتزلی، مرجی وغیرہ ہوں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کی شیعیت، اعتزال اور عقیدہ ارجاء کا کوئی اثر ان کے مسائل پر نہ پڑے اور جب یہ لوگ ہی فقہ کی کتابوں کے مصنف، مولف، محشی اور شارح ہیں اور حنفی لوگ ان ہی کی کتابوں پر اعتماد کرتے اور ان ہی کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ فقہ حنفی امام صاحب کے اقوال و فرمودات کا مجموعہ ہے، جیسا کہ ملتانی صاحب دعویٰ کر رہے ہیں۔

صاحب دراسات الیبب نے صاف لکھا ہے:

ان الاقيسه الغير الجليلة التي كتب الحنفية مشحونة بها
غالبا لا يستند الى ابي حنيفة (ص ۲۹۱)

یعنی کتب حنفیہ کے وہ مسائل جو قیاس جلی پر مبنی نہیں جو اکثر کتب فقہ میں بھرے پڑے ہیں ان کا انتساب ابو حنیفہ کی طرف درست نہیں۔

یہی بات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ میں اور بھی صراحت سے لکھی ہے۔

ایک طرف تو مصنفین کا حال یہ ہے دوسری طرف ان کتابوں کا زمانہ تالیف امام صاحب سے بہت دور ہے اور کوئی سند نہیں لیکن ان کتابوں کے مصنفین دھڑلے سے کہہ دیتے ہیں قال ابو حنیفہ کذا۔ امام صاحب نے ایسا فرمایا چنانچہ کتب فقہ اس طرح کے دعووں سے بھری پڑی ہیں اور کوئی بھی یہ زحمت نہیں کرتا کہ امام صاحب تک اپنی سند بھی پہنچائے جس طرح محدثین ہر حدیث کی پوری سند رسول ﷺ تک پہنچاتے ہیں اور پھر بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے ایسا فرمایا۔

مشہور کتب فقہ کا زمانہ تالیف

قدوری	احمد بن محمد البغدادی	پانچویں صدی
ہدایہ	برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی	چھٹی صدی
منیہ المصلی	سدید الدین کاشغری	ساتویں صدی
کنز الدقائق	ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی	آٹھویں صدی
شرح وقایہ	عبداللہ بن مسعود	آٹھویں صدی
در مختار	محمد علاء الدین بن شیخ علی الحنفی	گیارہویں صدی
فتاویٰ عالمگیری	متعدد علماء کرام	گیارہویں و بارہویں صدی

یہ ہیں فقہ کی مشہور کتابیں اور یہ ہے ان کے زمانہ تالیف کی کہانی۔ پانچویں صدی سے گیارہویں صدی تک کے لوگ دھڑلے سے کوئی بھی بات کہہ کر امام صاحب کے نام سے مڑھ دیتے ہیں۔ اور ہر گز نہیں بتاتے کہ امام صاحب نے یہ بات کب اور

کہاں کہی ہے کس نے سنی اور کس نے اس کو امام سے روایت کیا۔
ان تمام تفصیلات کے باوجود مولوی ملتانی صاحب کی لن ترانیاں اپنے عروج پر
ہیں، لکھتے ہیں:

”امام اعظم اور ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ کی
تحقیق کے مطابق شرعی احکامات سے متعلق جو معمول بہا احادیث
تھیں اور ان سے جو احکامات شرعیہ ثابت ہوتے تھے۔ ان سب
احکامات کو انہوں نے حسن ترتیب کے ساتھ کتاب الطہارۃ سے لے
کر کتاب المیراث تک ابواب وار جمع کر دیا ہے۔ احکام شرعیہ کے
اس مجموعہ کو فقہ کہا جاتا ہے۔“ (بارہ مسائل، ص ۱۰)

جواب: جس مجموعہ کا نام آپ فقہ رکھ رہے ہیں وہ ہے کہاں اور ان کتابوں کے نام کیا کیا
ہیں؟ جن پر آج فقہ حنفی کا مدار ہے اور جن پر عمل ہے اور جس کے مطابق فتوے
دیے جاتے ہیں، جن کتابوں سے آج فتوے لکھے جاتے ہیں جو کتابیں آج مدارس
حنفیہ کے نصاب میں شامل ہیں ان میں سے تو ایک کتاب بھی نہیں ہے جو امام
صاحب یا امام صاحب کے شاگردوں نے لکھی ہو۔ یہ تو سب پانچویں صدی سے
لے کر گیارہویں صدی اور اس کے بعد کی کتابیں ہیں۔ اگر ساری معمول بہا
احادیث امام صاحب اور ان کے شاگردوں نے فقہی مجموعوں میں لکھ دی تھیں تو
علماء احناف آج ان فقہی مجموعوں کو غیر معتبر اور ناقابل اعتبار کیوں کہہ رہے ہیں۔
یہ مت کہنا کہ یہ فقہ حنفی کے مخالفین کہہ رہے ہیں بلکہ یہ علماء وہ ہیں جن کا نام نامی
اسم گرامی سارے احناف بڑے احترام سے لیتے ہیں اور ان کی شان میں قصیدہ
خوانی کرتے ہیں۔ جن کے اوپر ہرگز تعصب یا ہٹ دھرمی یا لاعلمی کا الزام نہیں
لگایا جاسکتا۔

فقہ حنفی کی معتبر کتب میں موضوعات کی بھر مار ہے

فقہ کے ان مجموعوں اور ان کی علمی حیثیت اور ان میں موجود احادیث کے متعلق مشہور حنفی عالم اپنی مشہور کتاب ”عمدة الرعاية“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

فكم من احاديث ذكرت في الكتب المعتمدة و هي موضوعة و مختلفة

یعنی بہت ساری احادیث جو فقہ کی معتبر کتب میں موجود ہیں اصل میں وہ بناوٹی اور من گھڑنت ہیں۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری بڑی وضاحت سے لکھتے ہیں:

لا عبرة بنقل النهاية و لا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من

المحدثين و لا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين

یعنی نہایت جیسی کتاب اسی طرح بقیہ شارحین ہدایہ کی کتابوں میں پائی جانے والی احادیث پر اعتماد کرنا درست نہیں کیونکہ ان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ نہ یہ خود محدثین میں سے ہیں اور نہ ہی احادیث کو کسی ایسی کتاب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، جنہوں نے احادیث کو باسند نقل کیا ہے۔

فقہ حنفی ائمہ متبوعین کی نظر میں

یہ تو تھا حال کتب فقہ کی حیثیت کا اور ان میں موجود احادیث کا جو خود علما احناف کا اعتراف ہے اب اگر تینوں اماموں کی یعنی امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک کی رائے دیکھی جائے کہ ان کا امام صاحب اور ان کے شاگردوں کی روایت کردہ احادیث کے بارے میں کیا خیال تھا تو ایک تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ دوسرے ہمارے بھائیوں کو بہت برا بھی لگے گا پھر بھی اگر کوئی دیکھنا چاہتا ہے تو البحر وحین لابن حبان، کتاب الضعفاء للنسائی، و البخاری وغیرہ دیکھیں اور اگر ان تک رسائی نہ ہو تو ”امام

محمدی“ اور للمحات للاستاذ رئیس احمد الندوی دیکھیں۔ ہم یہاں صرف دو ائمہ امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہما اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

هؤلاء اصحاب ابی حنیفة لیس لهم بصر شیء من الحدیث ما هو
الا الجرأة

یہ جو ابو حنیفہ کے شاگرد وغیرہ ہیں ان لوگوں کو حدیث میں کوئی
بصیرت نہیں۔ جو کچھ ہے وہ جرأت بیجا ہی ہے۔

(قیام اللیل للمروزی، ص ۱۳۳)

امام سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب اسعاف المبطاء برجال الموطن میں فرماتے ہیں:

قیل لمالك لما لا تاخذ عن اهل العراق فقال رايتهم يقدمون
هاهنا فياخذون عن اناس لا يوثق بهم فقلت انهم هكذا في
بلادهم ياخذون عن لا يوثق بهم

یعنی ابو مصعب کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک سے پوچھا گیا کہ آپ
عراقیوں کی احادیث کیوں نہیں لیتے؟ تو انہوں نے فرمایا: وجہ یہ ہے
کہ ان لوگوں کو میں نے دیکھا کہ جب یہ لوگ حجاز میں آتے ہیں تو
غیر معتبر لوگوں کی احادیث لے لیتے ہیں اس سے میں نے یہ سمجھا کہ
ان لوگوں کا جب یہاں یہ حال ہے تو عراق میں بھی یہی حال ہوگا
ہر ایرے غیرے سے حدیث لیتے ہوں گے۔

یہ شہادت کسی اور کی نہیں ان اماموں کی ہیں جن کی فضیلت اور فقاہت کا ایک
زمانہ قائل ہے اور آپ بھی باطل ناخواستہ ہی سہی ان کی مہارت کا اعتراف کرتے ہیں، ان
لوگوں کے اس بیان کے بعد آپ جیسے مقلد محض اور اندھے عقیدت مند کی بات کی کیا
حیثیت ہے۔ آپ جو خیالی مہارتیں اور فقاہتیں بگھار رہے تھے، علماء فقہ وحدیث کے
”بارہ مسائل ہیں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

نزدیک تو اس کی کوئی حیثیت ہے نہیں اور جب اکابر فقہا احناف کی احادیث کا یہ حال ہے اور مسلم آئمہ و بزرگان دین ان کو بیان حدیث میں ثقہ نہیں مانتے تو آپ کی مدح سرائی سے کیا ہوتا ہے۔ سوائے اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت ہو سکتی ہے کیا؟

راز کی بات بر ملا کہہ دی

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”اب احادیث کی صحت و ضعف کے بارے میں ہمارا اصول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ حضرات نے آثار صحابہ اور آثار تابعین و تبع تابعین کی روشنی و رہنمائی میں اپنے اجتہادی اصولوں کے تحت جن جن احادیث کے معمول بہ و صحیح ہونے کا فیصلہ فقہی مسائل کی صورت میں دیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی صحیح ہیں۔ اگرچہ محدثین ان کو سند کے اعتبار سے ضعیف لکھ دیں اور جن حدیثوں کو ان حضرات نے غیر معمول بہ قرار دیا ہے وہ ہمارے نزدیک ضعیف ہیں اگرچہ محدثین ان کو سنداً صحیح قرار دیں۔“

(بارہ مسائل، ص ۱۰)

جواب: اتنی سی بات کو اتنی لمبی تمہید اور طول طویل پیش بندی کے ساتھ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف صاف کہہ دیں کہ ہم کسی قاعدہ اور اصول کو تسلیم نہیں کرتے اور ہمارے نزدیک سارا ذخیرہ حدیث ناقابل قبول اور بے اعتبار اور بے سود محض ہے۔ محدثین کرام کی ساری مساعی جلیلہ اور زندگی بھر کی کوششوں کا حاصل محض بے کار ہے اور ہم عقل و خرد سے اس قدر پیدل اور دین و مذہب سے اس قدر آزاد اور کتاب و سنت سے اس قدر بیزار ہیں کہ ہمیں ان میں سے کسی کی

ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے ہمارے امام اور فقہاء کافی ہیں۔ ناہم کسی قاعدہ و قانون کو مانتے ہیں اور ناہی کسی اصول کو، ہمارے لیے قرآن و حدیث اجماع و قیاس صحیح کی کوئی ضرورت ہے اور نہ کوئی حیثیت۔ ہمارے لیے اللہ و رسول، قرآن و حدیث کا صرف اس قدر اعتبار ہے کہ اپنے علما کے اقوال و افعال و اجتہادات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے قرآن و سنت کی تاویل و تحریف اور من مانی تفسیر پیش کر کے علما کے اجتہادات کو شریعت کا حکم ثابت کر سکیں۔

آپ کے اس فرمان سے یہ بات بہت اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ دیوبندی اصلاً قرآن و سنت پر عمل نہیں کرتے بلکہ قول امام اور شاگردان امام پر ان کا عمل ہے اور یہی ایک اصول ان کے نزدیک معتبر اور معمول بہ ہے۔ قرآن و سنت کا نام محض دھوکہ دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں، ورنہ قرآن و سنت ان کے نزدیک اصل نہیں بلکہ یہ دونوں چیزیں اقوال مذہب کے تابع ہیں، لہذا ہر آیت قرآنی اور ہر وہ حدیث جو بظاہر مذہب حنفی کے خلاف ہوگی اس کو بزور تاویل، اگر ممکن ہو ورنہ مختلف حیلوں سے ناقابل عمل قرار دے کر رد کر دیں گے اور اگر کچھ ممکن نہ ہو تو قرآن و حدیث کو منسوخ قرار دے کر ناقابل عمل بنا دیں گے۔ چنانچہ علما احناف کے سرخیل مشہور اصول احناف کے مصنف علامہ کرخی اپنی کتاب اصول کرخی میں فرماتے ہیں:

ان کل خبر یحییٰ بخلاف قول اصحابنا فانہ یحمل علی النسخ
او علی انہ معارض بمثلہ ثم صار الی دلیل آخر او ترجیح فیہ بما
یحتج بہ اصحابنا من وجوہ الترجیح او یحمل علی التوفیق
(اصول کرخی، ص ۲۹)

ترجمہ: ہر وہ حدیث جو ہمارے فقہاء احناف کے قول کے مخالف ہو
گی اس کو منسوخ مانا جائے گا یا یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث اپنی جیسی

دوسری حدیث کے معارض ہے (لہذا قابل عمل نہیں) اور جب یہ معارض ہے تو دوسری دلیل دیکھی جائے گی (جو ہمارے فقہاء کے قول کے موافق ہو) یا اس حدیث کو رائج ثابت کیا جائے گا (جو ہمارے فقہاء کے قول کے موافق ہو) اس کے لیے وجوہ ترجیح تلاش کیے جائیں گے یا یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث جو بظاہر ہمارے فقہاء کے قول کے خلاف ہے۔ درحقیقت ہمارے فقہاء کے قول کے موافق ہے لیکن وجہ توفیق ہم کو معلوم نہیں۔ ہمارے فقہاء کو ضرور معلوم تھی۔ تبھی اس کے مخالف قول اختیار کیا ہے۔

اندازہ لگائیے! اتنی ساری تاویلات باطلہ اور حیلوں سے کام لینا جب اصول احناف میں مسلم ہو اور اس کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہو تو کوئی دیوبندی حنفی حدیث پر عمل کرنے کے لیے کیونکر تیار ہو جائے گا۔

ایک خاص بات

ہمارے بعض بھائی بڑے تعجب سے کہا کرتے ہیں کہ احناف کے مدرسوں میں بھی تو احادیث پڑھائی جاتی ہیں۔ آخر جو احادیث آپ لوگ پیش کرتے ہیں وہ ان کو نظر نہیں آتیں۔ احناف میں بڑے بڑے مولوی، مفتی، مفسر اور شیوخ حدیث موجود ہیں کیا ان کو یہ احادیث نظر نہیں آتیں؟

حدیث کے ساتھ احناف کا طرز عمل

وہ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ نظر تو ان کو بے شک آتی ہیں لیکن مجبور ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے اصول سے ان کو یہ بات پہلے ہی ذہن نشین کرا دی گئی ہے کہ بات ہر حالت میں آپ کو امام اور ان کے شاگردوں ہی کی ماننی ہے۔ جو احادیث ان کے

اقوال کے خلاف ہیں ان کی تاویل و تشریح، ترجیح و توفیق کے یہ طریقے ہیں جن سے ان احادیث کو رد کیا جاسکتا ہے اور ان سے پیچھا چھڑایا جاسکتا ہے۔ حنفی مدرسوں میں موجود مدرسین طلباء کو جب ابتداء سے یہ اصول ذہن نشیں کرا دیتے ہیں تو ان کے دل و دماغ میں حدیث ماننے کا داعیہ کیونکر پیدا ہوگا۔ ہمارے ان بھائیوں کی غلط فہمی دور ہونی چاہیے کہ حنفی مولوی حدیث عمل کے لیے پڑھتے ہی نہیں بلکہ اس کی گردن مروڑنے کے لیے پڑھتے ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ حدیث کے ساتھ احناف کا یہ طرز عمل ہے بلکہ قرآن کے ساتھ بھی یہی لائق اور برتاؤ ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن عبید اللہ الکرخی قرآن کے متعلق لکھتے ہیں:

”ان كل آية تخالف قول اصحابنا فانها تحمل على النسخ او

على الترجيح و الا ولى ان تحمل على التاويل من جهة التوفيق“

(اصول الکرخی، ص ۲۸)

یعنی ہر وہ آیت جو فقہا احناف کے خلاف نظر آئے تو اس کو منسوخ مانا جائے گا یعنی یہ کہا جائے گا کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہے کیونکہ اگر منسوخ نہ ہوتا تو ہمارے فقہا اسکے خلاف کیوں فرماتے یا فقہاء کے قول کو آیت کے مقابلے رائج قرار دینے کی کوشش کی جائے۔ اور بہتر تو یہ ہوگا کہ اس کی ایسی تاویل کر لی جائے کہ فقہاء کے قول کے موافق ہو جائے۔

دیکھا آپ نے قرآن کو منسوخ مانا جائے گا، قول فقہا کو منسوخ نہیں مان سکتے۔ قول فقہا کو رائج قرار دیا جائے گا، قرآن و حدیث کو رائج قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قول فقہا کی تاویل کر کے اس کو قرآن و حدیث کے موافق نہیں مانا جائے گا بلکہ قرآن و حدیث کی تاویل کر کے اس کو فقہاء کے قول کے موافق کیا جائے گا۔

سچ کہا ہے شاعر نے

تاویل بن کے اقرب بالکفر ہوگی
کچھ بھی نہیں ہے شیخ ترے علم و فن سے دور

اگر اس طرح کے اصول دیکھنا ہوں تو اعلام الموقعین^{للشیخ} ابن القیم الجوزیہ اور نتائج التقليد از محمد اشرف سندھو بلوکی اور فتاویٰ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی میں دیکھیں۔ جس میں ان حضرات نے متعدد اصول لکھے ہیں جن سے احناف نے حدیث و قرآن کو رد کرنے کے حیلے تراشے ہیں اور وہ ان کے یہاں معمول بہا ہیں

ایک جگہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:
”و فی الحقیقت اگر مقلدین مذہب تفحص کنند می یا بند کہ ایں بلائے تقلید ایشان را بحدے کشیدہ کہ قول ہر یکے از احاد فقہاء در مقابل حدیث می آرند و ترجیح می دہند و ایں از قبیل است کہ علما را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدائے“ (فتاویٰ عزیز جلد ۱، ص ۱۷۶)
یعنی حقیقت یہ ہے کہ اگر مقلدین مذہب اگر صحیح معنی میں غور کریں تو ضرور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس بلائے تقلید نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ میں ہر فقیہ کے قول کو پیش کر دیتے ہیں بلکہ اس قول کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔
ان کی اس روش سے ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے علما کو پیغمبری کے درجہ پر پہنچا دیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے درجہ پر۔

اس کی مزید وضاحت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور کتاب حجتہ اللہ البالغۃ سے سنئے۔ شاہ صاحب مشہور فقیہ و محدث امام عز الدین بن عبدالسلام سے نقل فرماتے ہیں
و من العجب العجیب ان الفقہاء المقلدین یقف احدهم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث لا یجد لضعفه مدفعا و هو مع ذلك

يقلمه فيه و يترك من شهد الكتاب و السنة و الاقيسة الصحيحة
لمذهبهم حمودا على تقليد امامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب
و السنة و يتاولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده
(حجة الله البالغة)

یہ کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے جب کوئی اپنے امام کی
دلیل کی کمزوری پر واقف ہوتا ہے اور کسی طرح بھی اس کمزوری کو دور کرنے کی سبیل نہیں
پاتا پھر بھی اسکی تقلید کرتا رہتا ہے اور جو بات قرآن و سنت اور قیاس صحیح سے ثابت ہو اس
کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ صرف تقلید پر جمود اور اس سے ہر حال میں چپے رہنے کے سبب ہوتا
ہے۔ اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنے امام کی بات پر بلا دلیل جما رہتا ہے بلکہ قرآن و سنت کو رد
کرنے کے لیے مختلف قسم کے حیلے بہانے تراشتا ہے اور دور از کار تاویلات کے ذریعہ
اپنے امام کی بات کی تائید کرنے میں لگا رہتا ہے۔

شاہ صاحب جو مقلدین اور المجدیث کے مسالک کے شناور اور ان کی حقیقتوں
پر نظر رکھنے والے تھے اور صحیح معنی میں کار تجدید کر رہے تھے کتنے واضح طور پر اس طرز عمل
پر تنقید کرتے ہوئے مقلدین کی اس روش پر تنبیہ کرتے ہیں۔

اور اس طرز عمل اور غلط روش کو یہودیانہ روش بتلاتے ہیں۔ چنانچہ الفوز الکبیر
میں لکھتے ہیں:

اگر نمونہ یہود خواہی بنی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند و خوگر فتنہ تقلید
سلف و معرض از کتاب و سنت و تعق و تشدد باستحسانے عالمے را مستند
ساختم از کلام شارح معصوم بے پرواہ شدہ باشند و احادیث موضوعہ و
تالیفات فاسدہ را مقتدائے خود ساختہ باشند تماشا کن کاہم ہم

(الفوز الکبیر باب اول فصل اول)

اگر تم یہودیوں کا نمونہ آج کے زمانے میں دیکھنا چاہتے ہو تو علماء سوء کو دیکھ لو جو دنیا

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

کے طلب گار ہیں اور پہلوں کی روش کے خوگر ہیں کتاب و سنت سے روگردانی ان کا وطیرہ ہے۔ اپنے مذہب کے کسی عالم کے قیاس و استحسان کو مستند مان کر شارع معصوم ﷺ کی احادیث سے بے نیازی کے ساتھ ساتھ من گھڑنت احادیث اور فاسد و فرسودہ کتابوں کو اپنا پیشوا بنانے والے ان کو دیکھو۔ ان میں اور یہود میں کوئی فرق نہیں گویا کہ یہ وہی ہیں۔ اندھے مقلدوں کی اس غلط روش پر جہاں ان علما کرام کو تعجب ہے وہیں ان علما کو بھی اس پر حیرت ہے جو علما دیوبند کے مقتدا ہیں۔ لیکن اس غلط روش پر کبھی کبھی ان کا ضمیر ملامت کرتا ہے جس سے مجبور ہو کر اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ:

علامہ عبدالحی فرنگی محلی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے:

قد تعصبوا فی الحنفیۃ تعصبا شديدا و التزموا بما فی الفتاوی التزماسا شديدا و ان وجدوا حدیثا صحیحا او اثرا صحیحا علی خلافہ و زعموا انه لو كان هذا الحدیث صحیحا لآخذہ صاحب المذہب و لم یحکم بخلافہ و هذا جهل منهم (الکبیر ص ۱۳۵)

کچھ لوگ حنفیت میں سخت متعصب واقع ہوئے ہیں اور کتب فتاویٰ میں جو مسائل درج ہیں ان پر سختی سے کار بند رہتے ہیں چاہے اس کے مخالف حدیث صحیح و اثر صریح ہی کیوں نہ مل جائے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو امام صاحب ضرور اسکو لیتے اور اس کے مخالف حکم نہ دیتے۔

دیوبندیوں کے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ بات اور بھی وضاحت سے لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

”بعض مقلدین اپنے ائمہ کو معصوم عن الخطاء و مصیب و جوبا و مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح،

مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس کے دیگر نہ ہو
 پھر بھی بہت سے علل و خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل
 بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے اور قول امام کو نہ چھوڑیں گے۔“

(فتاویٰ امدادیہ، جلد ۴، ص ۹۰، مطبوعہ دہلی)

اس صاف و صریح اعتراف سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے
 کہ جو بات امام عز بن عبدالسلام، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی،
 علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے لکھی وہی بات دیوبندیوں کے حکیم الامت نے بھی برملا کہہ دی
 یعنی احادیث کو رد کرنے کے لیے خود ساختہ قاعدہ بنانا اپنانا اور ان پر جسے رہنا، پرانے
 لوگوں کا ہی طریقہ نہیں تھا۔ آج کے مقلدین بھی یہی کر رہے ہیں اور حدیث کو رد کرنے
 کے لیے خود ساختہ اصول تراشنے کا عمل مقلدین کی ابتدائی صفوف سے اس دم تک رائج
 ہے اور یہ کوئی دوسروں کا الزام یا بہتان نہیں غیر متلدوں کا اتہام نہیں بلکہ خود مقلدوں
 نے اس بات کا اعتراف کیا ہے اور اس کو غلط بتلایا ہے۔

ہمارے کرم فرما مولوی ملتانی کی مذکورہ بالا عبارت ایک بار پھر پڑھ لیجئے اور
 بتائیے کہ یہ ساری کارستانی اور عبارت آرائی کیا وہی حرکت نہیں ہے جس پر ان کے اکابر
 نے تنقید فرمائی ہے اور اس کو قرآن و سنت کو رد کرنے کا عمل بتلایا ہے۔

احناف کے نزدیک صرف وہ حدیثیں صحیح ہیں جو کتب احناف میں
 ہیں اور احناف کی معمول بہا ہیں، باقی سب ضعیف ہیں

اب مختصر دوبارہ مولوی ملتانی کی عبارت کی طرف آتے ہیں۔

مولوی ملتانی نے اس طول طویل اقتباس میں جو بات کہی ہے وہ یہ ہے:

”فقہ حنفی کے فقہی مسائل کی صورت میں جو ذخیرہ امام صاحب اور

ان کے تلامذہ کا موجود ہے اور وہ جن احادیث پر مشتمل ہے صرف وہی احادیث صحیح ہیں ان کے علاوہ وہ احادیث جو احناف کے یہاں معمول بہ نہیں ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

محدثین کرام کے حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے یہاں جو احادیث غیر معمول بہا ہیں وہ ضعیف ہیں چاہے سارے محدثین ان کو صحیح کہیں۔ (بارہ مسائل، ص ۱۰)

یہ دو قاعدے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف وہ احادیث صحیح ہیں جو فقہ حنفی میں معمول بہ ہیں۔ باقی سب ذخیرہ حدیث محض دریا برد کرنے کے لائق ہے۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مؤطا و مسند احمد وغیرہ سب کتابیں بے کار محض ہیں اور ان کے علاوہ بھی جن محدثین نے کتابیں لکھیں ہیں اور علم حدیث اور علم اصول حدیث پر کام کیا وہ بیکار ہے۔

اس پر تبصرہ قدرے تو ہو چکا ہے باقی اگر کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ چند سوال یہاں درج کیے جاتے ہیں جو یقیناً اس حنفی عقیدہ کی سنگینی کو سمجھنے کے لیے مفید ہوں گے۔ ان شاء اللہ

مولوی ملتانی سے دس سوال

- ۱۔ یہ قاعدہ آج تک اصول حدیث پر لکھی گئی کن کتابوں میں درج ہے۔
- ۲۔ جن چار مذاہب کو آپ برحق ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں کیا ان کا عمل صرف ضعیف احادیث پر ہے کیونکہ وہ مسائل جن میں ان کی رائے آپ کے خلاف ہے وہ مسائل حق ہیں یا باطل۔ اگر حق ہیں تو کیونکر کہ صحیح حدیث کے خلاف ہیں اور اگر باطل ہیں تو باطل پر عمل کر کے ان کی نماز و روزہ، حج، زکاۃ کا کیا ہوگا۔ کیا وہ

قبول ہوں گے یا محض بے سود اور بیکار اور اگر وہ ساری زندگی بے سود ارکان اسلام پر عمل کرتے رہیں تو کیا وہ مسلمان بھی رہے یا نہیں؟

۳۔ جن فقہاء و علما احناف نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہمارے مسئلہ کی بنیاد ضعیف حدیث پر ہے اور ہمارے مخالف کے پاس حدیث صحیح موجود ہے۔ ان کے بارے میں کیا خیال ہے کیا وہ آپ کے اس نو ایجاد عقیدہ اور قاعدہ سے نابلد تھے یا جان بوجھ کر انہوں نے یہ غلطی کی۔

۴۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی شارحین ہدایہ کی کتابوں کو بے اعتبار اور ضعیف و موضوع احادیث پر مشتمل قرار دیتے ہیں کیا وہ اپنے اس کہنے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ علامہ زیلعی نے ہدایہ کی احادیث پر نصب الراية میں جو تنقید فرمائی ہے وہ درست ہے یا غلط؟

۵۔ آج تک کسی حنفی نے احادیث کا کوئی ایسا مجموعہ تیار کیا ہے جو احناف کے نزدیک معمول بہ ہو اور اسی بنیاد پر ان کو صحیح کہا گیا ہو۔ اگر کیا ہے تو وہ کہاں ہے۔ اس کا مصنف اور نام کیا ہے اور کتنے حنفیوں نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

۶۔ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین جن احادیث پر عامل ہیں یا ان کے یہاں وہ معمول بہ ہیں وہ احادیث بھی صحیح کہلانے کی مستحق ہیں یا نہیں۔ اگر وہ بھی صحیح کہلانے کی مستحق ہیں تو آپ کا یہ کہنا کہ جو احادیث ہمارے یہاں معمول بہا ہیں وہی صحیح ہیں کیسے درست ہو سکتا ہے اگر ان کے یہاں معمول بہا احادیث اس قاعدہ سے صحیح نہیں قرار دی جاسکتیں تو کیوں یہ اختیار آپ کو ہو اور ان کو نہ ہو ایسا کیوں ہے اور کس قاعدہ پر مبنی ہے۔

۷۔ ائمہ ثلاثہ نے جو امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے مسائل پر تنقیدیں کی ہیں

اور یہ ثابت کیا ہے کہ احناف نے صحیح حدیث کے مقابلہ میں ضعیف حدیث پر مدار عمل رکھا ہے۔ وہ ائمہ اس تنقید میں درست ہیں یا غلط اگر درست ہیں تو آپ کا قاعدہ غلط اور اگر غلط ہیں تو مقلد محض ہو کر اتنے بڑے اماموں پر غلط کار ہونے کی تہمت لگانا ان ائمہ کی شان میں گستاخی ہے یا نہیں؟

۸۔ اگر امام ابوحنیفہ کی معمول بہ احادیث سب درست ہیں تو صاحبین نے امام صاحب کے ایک تہائی مسائل میں مخالفت کیوں کی اور مخالفت کرنے کے سبب وہ احادیث جو امام صاحب کے مسئلہ کی بنیاد تھیں صحیح رہیں یا غلط ہو گئیں۔ اگر صحیح رہیں تو صحیح احادیث کو چھوڑ کر صاحبین نے اچھا کام کیا یا غلط پھر صاحبین نے جن احادیث و آثار سے استدلال کیا ان کو کیا کہا جائے صحیح یا غلط؟

۹۔ آپ تو مقلد ہیں آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ فقہ حنفی کی معمول بہ ساری روایتیں صحیح ہیں اور غیر معمول بہ غلط ہیں۔ یہ بات قرآن میں ہے حدیث میں ہے اجماع سے ثابت ہے یا قیاس سے اگر اولہ اربعہ سے ثابت ہے تو وہ بیان کریں اور اگر اولہ اربعہ سے ثابت نہیں ہے تو بے دلیل ہے اور بے دلیل بات کی کیا حیثیت ہے۔ اگر کہو کہ ہم نے اس کو اجتہاد سے معلوم کیا ہے تو تم مجتہد نہیں ہو۔ اس لیے تمہارے یا کسی دوسرے مقلد کے اجتہاد کی کوئی حیثیت ہے ہی نہیں کیونکہ مقلد مجتہد ہونے نہیں سکتا۔ اور اگر یہ کہو کہ یہ اجماع سے ثابت ہے تو اجماع کب ہوا۔ کس نے کیا مقلدوں نے یا مجتہدوں نے۔ مقلدوں کے اجماع کی کوئی حیثیت نہیں اور مجتہدوں نے اجماع کیا نہیں تو اجماع کا دعویٰ غلط ہوا اور غلط بات سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔

۱۰۔ آپ نے جو غلط بات کہی تھی اس سے سارا ذخیرہ احادیث ناکارہ اور ساری کوششیں علم حدیث کے سلسلہ میں بے سود ٹھہرتی تھیں۔ اس سے آپ خود بھی مطمئن نہ تھے۔ اس لیے ایک سوال آپ نے بھی کیا کہ پھر محدثین کی تحقیق سند کا کیا فائدہ اور پھر

اس کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ تحقیق سند سے وضاع اور کذاب لوگ جھوٹی احادیث بنانے سے رک جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ اب کوئی جھوٹی حدیث بنائے یا نا بنائے کیا فرق پڑتا ہے۔
 قہمیں تیار ہو گئیں، لاکھوں مسئلے بن گئے، آئندہ کوئی جھوٹی حدیث نہ بنائے اس کی روک تھام اگر ہو بھی جائے لیکن جو جھوٹی اور بناوٹی حدیثیں فقہ حنفی میں شامل ہو گئیں۔ جن کی بنیاد پر ہزاروں مسئلہ بنا ڈالے گئے۔ ان کا کیا ہوگا کیونکہ فقہ حنفی بے شمار ضعیف و موضوع روایتوں کے ذخیرے پر مشتمل ہے۔ جس کو آپ نے اپنی فراخ دلی سے صحیح ہونے کا سارٹیفکیٹ دے دیا جب کہ خود علما احناف کو اعتراف ہے کہ فقہ حنفی میں ضعیف ہی نہیں، موضوع من گھڑت اور جعلی حدیثوں کا اچھا خاصہ حصہ موجود ہے۔ جس کا کچھ تذکرہ ہم ازیں قبل کر آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے اس عظیم قول کو نقل کرتے ہوئے کچھ تو عقل سے کام لیا ہوتا کہ فقہ حنفی کا سارا ذخیرہ ان کے قول کی روشنی میں یوں ٹھہرتا ہے کہ جس کے من میں جو آیا وہ کہا، کیوں کہ سلسلہ سند کی ضرورت سمجھی نہیں۔ اس لیے جس حنفی کو کوئی بات اچھی لگی اس نے وہ بات لکھ کر قال ابو حنیفہ لکھ دیا اور آج تک لوگ کہتے چلے آ رہے ہیں کیونکہ سند کا اہتمام ہے نہیں۔ اس لیے کوئی یہ پوچھتا ہی نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے ایسا کہا ہے اس کا ثبوت کیا ہے۔ تم تو بہت بعد میں پیدا ہوئے امام صاحب کی کوئی کتاب نہیں، تمہارے پاس نہ کوئی دلیل، نہ سند تم نے کیسے کہہ دیا کہ امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے۔

سوالات تو اور بھی ہیں فی الحال انہی پر اکتفا کرتا ہوں تلک عشرۃ کاملۃ۔

مولوی ملتانی کی تضاد بیانی
 لکھتے ہیں:

حدیث کی صحت و ضعف کے بارے میں مجتہدین و فقہاء کے فیصلے کو ترجیح دینے

اور مقدم سمجھنے کی چند وجوہ ہیں:

”ہر شعبہ کے متعلق مسئلہ میں اس شعبہ کے ماہرین کا فیصلہ زیادہ وزن رکھتا ہے، محدثین کا شعبہ تحقیق سند ہے جب کہ مجتہدین و فقہاء کا شعبہ تحقیق عمل ہے یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ یہ حدیث معمول بہ ہے یا نہیں؟ یہ حدیث زیر عمل آسکتی ہے یا نہیں؟ مجتہدین کا کام ہے، لہذا سند کی صحت و ضعف میں محدثین کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ لیکن حدیث معمول بہ ہے یا نہیں؟ یعنی معیار عمل کے اعتبار سے حدیث صحیح ہے یا ضعیف۔ اس کے متعلق مجتہدین و فقہاء کا فیصلہ معتبر ہوگا۔“

(بارہ مسائل، ص ۱۰)

ہماری گذارشات

جب ہر شعبہ کے متعلق مسئلہ میں اس شعبہ کے ماہرین کا فیصلہ زیادہ وزن رکھتا ہے تو ذرا مولوی ملتانی ہی بتائیں کہ حدیث و محدثین، فقہ و فقہاء کے تعلق سے ان کا بیان یا فیصلہ زیادہ وزن رکھ سکتا ہے یا کسی مقلد محض اور اندھے عقیدت مند اور متعصب کا فیصلہ۔ جو بات آپ نے لکھی ہے ہمیں تسلیم ہوگی مگر اسی صورت میں کہ آپ یہ بات کسی محدث یا کسی مجتہد سے نقل کریں اور جب تک کوئی فیصلہ محدثین یا مجتہدین کے دربار سے صادر نہ ہو، محض آپ کی ہٹ دھرمیاں کیسے قبول کی جاسکتی ہیں۔ آپ کی تضاد بیانی بھی قابل تعجب ہے کہ آپ خود لکھتے ہیں کہ ہر شعبہ سے متعلق ماہرین شعبہ کا فیصلہ وزن رکھتا ہے اور آپ خود ہی اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ جو بات آپ نے لکھی ہے وہ نہ تو محدثین سے ثابت کی اور نہ مجتہدین سے اور خود آپ نہ محدث ہیں نا ہی مجتہد۔ ایسے میں آپ کے فیصلہ کا کیا وزن ہو سکتا ہے؟ آپ خود ہی بناتے ہیں اور خود ہی مٹا دیتے ہیں۔

ملتانی کی محدثین و مجتہدین کی شان میں گستاخی

مولوی ملتانی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کرام کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ سند کی تحقیق کریں۔ باقی متن حدیث معنی و مفہوم حدیث سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں ہے اور مجتہدین و فقہا کا کام یہ ہے کہ وہ اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ یہ حدیث معمول بہ ہے یا نہیں؟ ان کو اس بات سے کچھ لینا دینا نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، واپسی ہے یا موضوع۔

محدثین و فقہا کی خدمت کو کس قدر بہتر انداز میں خراج عقیدت پیش کیا ہے، نامحدثین اس لائق ہیں کہ ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور نا فقہا کرام اس لائق ہیں کہ ان سے کسی مسئلہ کی دلیل چاہی جائے اور وہ کسی مسئلہ کی دلیل پیش کر سکیں کیونکہ حدیث سے وہ سراسر نابلد ہیں۔ یہ ان کا اختصاص ہی نہیں وہ اس حیثیت سے حدیث سے نرے جاہل ہیں۔

اس کو کہتے ہیں: نادان کی دوستی، ان نادانوں نے نہ محدثین کو ام کی خدمات کو کوئی اہمیت دی اور نا ہی فقہا کرام کی خدمات کو۔ بلکہ دو الگ الگ گروہ قرار دے کر بظاہر فقہا کو زیادہ کار آمد قرار دیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ فقہا جب حدیث کو جانتے ہی نہیں تو اس کی بنیاد پر وہ کسی حکم کا پتہ کیسے لگا سکتے ہیں؟ کیونکہ کسی حکم کی بنیاد قرآن و حدیث ہوتی ہے اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں اجماع کو دیکھا جاتا ہے اگر شروط معتبرہ پڑھیک اترتا ہے تو اس کو حکم کی بنیاد بنالیا جاتا ہے۔ رہا قیاس تو اس کا دار و مدار تو قرآن و حدیث پر ہی ہے۔ جب کہ فقہا حدیث کو جانتے ہی نہیں تو قیاس کس پر کریں گے کیونکہ مقیس علیہ کے بارے میں وہ ناواقف ہیں اور جب تک حدیث کی صحت یا اس کا ضعف ثابت نہ ہو جائے۔ اس پر کسی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

تجرب تو اس بات پر ہے کہ مولوی ملتانی صاحب جیسے لوگ دونوں فریق کو ناقص قرار دے رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ محدثین و فقہاء کی شان میں گستاخی ہے۔
 ہو سکتا ہے کوئی یوں کہے کہ مولوی ملتانی نے جو بات کہی ہے وہ بات ازیں قبل دیگر لوگوں نے بھی کہی ہے۔ تو اطلاعا عرض ہے کہ یہ بات جس نے بھی کہی ہے نہایت غلط کہی۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بات محدثین کرام یا مجتہدین عظام میں سے کسی نے نہیں کہی۔ یہ صرف متعصب مقلدوں کی اپنی من مانی ہے۔ اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو دلیل پیش کرے کہ مشہور محدثین کرام مثلاً امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، ابن خزیمہ، ابن معین، سفیان ثوری، اسحق بن راہویہ وغیرہ میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہم صرف سند کو جانتے ہیں، باقی باتیں ہم نہیں جانتے۔ مسائل کا استنباط ہمارے بس کی بات نہیں، یہ کام فقہاء کرتے ہیں۔

یا فقہاء کرام میں سے مثلاً امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام نخعی، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر وغیرہ نے کہیں ایسا کہا ہو کہ ہم حدیث کو نہیں جانتے ہمارا کام صرف یہ ہے کہ پتا لگائیں کہ یہ حدیث معمول بہ ہے یا نہیں۔ اگر مندرجہ بالا ائمہ حدیث و فقہ سے یہ بات صحیح سند سے نہیں پیش کی جا سکتی تو مولوی ملتانی کی بات محض جھوٹ اور فراڈ مانی جائے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ مولوی ملتانی اینڈ کمپنی محض ادعائی پروپیگنڈے کا شکار ہے اور عام مسلمانوں کو دھوکہ دے رہی ہے۔

ایک اور بات

مشہور محدثین کرام مثلاً اصحاب کتب ستہ ہی کو لے لیجئے۔ کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ان کا کام صرف سند تک محدود ہے۔ جس کے سر میں آنکھیں ہیں اور دماغ میں کچھ بھی گودا ہے اور علم سے کچھ بھی تعلق ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ محدثین، حدیث کے جملہ

فنون کے ماہر اور فقہ و فتاویٰ پر گہری نظر رکھنے والے ہیں۔ انہوں نے محض حدیثیں جمع نہیں کی ہیں بلکہ احادیث کی صحت و ضعف سے بھی بحث کی ہے۔ سند و متن پر بھی اپنی رائے دی ہے اور حدیث سے مستنبط مسائل کا استخراج بھی کیا ہے۔ یہی نہیں حدیث کے مخالفین کی تردید بھی کی ہے اور اپنی بات کو مدلل بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ کس کس نے اس پر عمل کیا ہے۔ امام بخاری، امام ترمذی، ابوداؤد ہی کو دیکھ لیں۔ مولوی ملتانی کی بات محض گوز فیل سے زیادہ اہمیت کی حامل نظر نہیں آئے گی۔ یاد رہے حدیث معمول بہ ہے یا نہیں؟ اس سوال کی کئی شکلیں ہیں۔

۱۔ حدیث معمول بہ ہے اور صحیح ہے۔

۲۔ حدیث معمول بہ ہے مگر صحیح نہیں ہیں۔

۳۔ حدیث صحیح ہے مگر معمول بہ نہیں ہے۔

۴۔ حدیث ضعیف ہے اور معمول بہ نہیں ہے۔

اگر حدیث معمول بہ ہے اور صحیح بھی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ صحیح

حدیث کا معمول بہ ہونا ضروری ہے۔

اگر حدیث معمول بہ ہے مگر صحیح نہیں ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو قرآن

خارجیہ اس پر عمل کے متقاضی ہیں یا نہیں۔ اگر قرآن خارجیہ موجود ہیں اور اس پر عمل کے متقاضی ہیں تو عمل حدیث پر نہیں ان قرآن خارجیہ پر ہے جو قرآن کے کسی حکم کے تحت ہیں یا اصول کلیہ کے ماتحت ہیں۔ اور اگر حدیث صحیح نہیں اور قرآن خارجیہ بھی اس کے مؤید نہیں تو اس پر عمل کی بنیاد رکھنا غلط ہے۔ وہ حدیث معمول بہ ہونے سے صحیح نہیں کہلائے گی۔

تیسری صورت میں اگر حدیث صحیح ہے مگر معمول بہ نہیں تو دیکھنا ہوگا کہ وہ

خصوصیات نبوت یا خصوصیات اشخاص سے تو نہیں یا وہ منسوخ تو نہیں یا اس سے اصح حدیث اس کے معارض تو نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بات ہے تو وہ حدیث صحیح ہونے کے باوجود قابل عمل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر مندرجہ بالا باتوں میں سے کوئی بات نہیں اور کوئی شرعی دلیل اس کے مقتضاء پر عمل سے مانع نہیں تو اس پر عمل ضروری ہے چاہے کسی نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ کیونکہ جب اس کا قول و فعل رسول یا تقریر رسول ہونا ثابت ہو گیا اور کوئی خارجی شرعی دلیل اس پر عمل سے مانع نہیں اس پر عمل نہ کرنا اطاعت رسول سے روگردانی کرنا ہے۔ حدیث پر عمل کے لیے ضروری نہیں ہے کہ کسی نے اس پر عمل کیا ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ حکم رسول ہو اور بس۔

اور اگر چوتھی شکل ہے کہ حدیث ضعیف ہے اور معمول بہ نہیں تو یہ عین حکم شرعی ہے جب اس کی صحت کا یقین ہم کو حاصل نہیں تو اس پر عمل کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی اس پر عمل کر رہا ہے یا لوگوں میں وہ معمول بہ ہے تو ان کے عمل سے حدیث صحیح قابل عمل نہ ہو جائے گی اور نا اس کا ضعف عمل کرنے سے دور ہوگا۔

تخفیف حدیث و محدثین

قارئین کرام!

مولوی ملتانی کا مذکورہ بالا پیرا گراف ایک بار پھر پڑھئے، کیا آپ کو نہیں لگتا کہ محدثین کرام کی ساری مساعی جلیلہ اور بے لوث خدمات، مولوی ملتانی کے اصول کے مطابق محض بیکار، بے سود اور محض لایعنی ہیں کیونکہ ان کے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں فقہاء جس کو معمول بہ بتادیں چاہے محدثین کرام اس کو ضعیف یا موضوع کہتے رہیں بات فقہاء کی مانی جائے گی اور محدثین کو نکا سا جواب دے دیا جائے گا۔ دیوبندی مقلدین کی اس روش نے نہ صرف محدثین کرام و حدیث نبوی کی شان

کو بنا لگایا ہے بلکہ خود اپنے اکابر کا منہ چڑھایا ہے کیونکہ جن لوگوں نے حدیث سے شغل رکھا چاہے وہ احناف ہی میں شمار ہوتے ہوں، انہوں نے فقہاء کی احادیث پر بے لاگ تبصرے کیے ہیں اور صاف لکھا ہے کہ ان لوگوں کا حدیث کے بارے میں کوئی اعتبار نہیں۔

فقہائے احناف کی کتابوں کا حال خود علمائے احناف سے

(۱) ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ علمائے احناف میں جو مقام رکھتے ہیں وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ وہ حدیث و فقہ سے واقف و حقیقت کتب فقہ کے شناور تھے۔ اپنی مشہور کتاب ”موضوعات کبیر“ کے صفحہ ۷۷ میں من قضی صلاة من الفرائض کے تحت لکھتے ہیں:

باطل قطعاً ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية و لا بقية

شرح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين و لا اسندوا

الحديث الى احد من المخرجين

یعنی یہ روایت یقینی طور پر باطل ہے، صاحب نہایہ شرح ہدایہ کے مؤلف یا دیگر شارحین ہدایہ کے مؤلفین کے نقل کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ نہ یہ لوگ خود محدث تھے اور نہ کسی ایسے محدث سے باسند جس نے اپنی کتاب میں احادیث کو باسند نقل کیا ہو۔ یہ لوگ نقل کرتے ہیں:

(۲) حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی ملا علی قاری کی اس عبارت کی وضاحت

میں فرماتے ہیں:

و هذا الكلام من القارى افاد فائدة حسنة و هي ان الكتب

الفقهية و ان كانت معتبرة في نفسها بحسب المسائل الفرعية و

كان مصنفوها ايضا من المعتمدين و الفقهاء الكاملين لا

يعتمد على الاحاديث المنقولة فيها اعتمادا كلياً و لا يحزم

بورودھا و ثبوتھا قطعاً بمجرد وقوعھا فیہا فکم من احادیث
ذکرت فی الکتب المعتمدة و ہی موضوعه مختلفه

یعنی ملا علی قاری کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ کتب فقہیہ اگرچہ فردی مسائل
کے نقل میں معتبر ہیں اور ان کے مصنفین فقہائے معتبرین اور کالمین سے تھے مگر ان کی نقل
کردہ احادیث پر کلی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے اور نہ بعض احادیث کو ان کتابوں میں دیکھ کر ان
احادیث کے ثابت اور صحیح ہونے کا یقین کرنا چاہیے کیونکہ کتب فقہ میں بہت سی احادیث
ایسی ہیں کہ معتبر کتابوں میں ہونے کے باوجود محض جھوٹی بناوٹی اور من گھڑت ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی تو مولوی ملتانی کے بالکل برعکس فرماتے ہیں
، چنانچہ اجوبہ فاضلہ میں لکھتے ہیں:

من ههنا نصوا علی انه لا عبرة للاحادیث المنقولة فی
الکتب المبسوطة ما لم یظهر سندھا او یعلم اعتماد ارباب
الحديث علیها و ان کان مصنفها فقیها جلیلا یعتمد علیہ
فی نقل الاحکام و حکم الحلال و الحرام الا ترى صاحب
الهدایة من أجلة الحنفیة و الرافعی شارح الوجیز من
أجلة الشافعیة مع کونهما من یشار الیہما بالانامل و
یعتمد علیہ الأماجد و الأماثل قد ذکرنا فی تصانیفہما ما لم
یوجد له اثر عند خبیر بالحديث کما لا یخفی علی من
طالع تخریج احادیث الهدایة للزیلعی و تخریج احادیث
شرح الرافعی لابن حجر العسقلانی و اذا کان حال هؤلاء
الأجلة هذا فما بالك بغيرهم من الفقهاء الذین یتساهلون
فی ایراد الأخبار و لا یتعمقون فی سند الآثار .
یعنی یہی وجہ یہ ہے کہ علما نے صاف صاف لکھا ہے کہ ان احادیث کا

کوئی اعتبار نہیں جو فقہ کی بڑی بڑی کتابوں میں نقل کی گئی ہیں جب تک کہ ان کی سند ظاہر نہ ہو، یا محدثین کا ان پر اعتماد کرنا معلوم نہ ہو۔ اگرچہ ان کتابوں کے مصنفین بڑے پایہ کے فقیہ ہی کیوں نہ ہوں جن پر نقل احکام و حکم حلال و حرام میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ کیا تم صاحب ہدایہ کو نہیں دیکھتے جو حنفیوں میں جلیل القدر اور بڑی شان کے مالک ہیں۔ اسی طرح رافعی شارح ”وجیز“ جو شافعیوں میں جلیل القدر ہیں باوجودیکہ یہ دونوں اس مرتبہ پر فائز ہیں کہ ان کی طرف اشارے کیے جاتے ہیں اور ان پر قوم کے صغیر و کبیر بھروسہ کرتے ہیں پھر بھی ان دونوں نے اپنی کتابوں میں ایسی حدیثیں درج کر رکھی ہیں کہ ان کا کوئی نشان عارفین حدیث کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ بدیں وجہ جس نے زیلعی کی تخریج ہدایہ اور ابن حجر عسقلانی کی تخریج شرح رافعی کبیر کو دیکھا ہے اس پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے اور جب بڑے بڑوں کا یہ حال ہے تو بھلا ان فقہاء کا کیا حال ہوگا جو حدیث پیش کرنے میں متباہل ہیں اور سند وغیرہ پر بالکل غور نہیں کرتے۔“

جب بڑے بڑے فقہاء کا یہ حال ہے کہ حدیث کے سلسلہ میں ان کی معلومات ناقص ہی نہیں محض روایتی ہی ہیں اور خود وہ علما جو احناف کے سرخیل ہیں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کتب فقہ حدیث کے سلسلہ میں ناقابل اعتبار ہیں اور ان پر کسی طرح اعتماد کرنا درست نہیں۔ حدیث کی صحت و ضعف کے بارے میں محدثین ہی معیار ہیں تو پھر ملتانی جیسے متعصب اصاغر کی بات کس حد تک قابل قبول ہو سکتی ہے اور کیسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کی صحت و ضعف کے بارے میں مجتہدین و فقہاء کے فیصلہ کو ترجیح ہوگی۔

(۲) دوسری بے تکی بات ملتانی صاحب نے یہ لکھی ہے کہ اسناد کی تحقیق کے باوجود عمل بالحدیث کے لیے خود محدثین نے بھی مجتہدین و فقہاء کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے، چنانچہ ہر محدث ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کا مقلد ہے۔“

ایک لطیفہ

کہتے ہیں کسی جگہ بحث ہو رہی تھی کہ زمین گول ہے یا چپٹی؟ اس پر ایک صاحب نے دعویٰ کیا کہ زمین گول ہے ان سے پوچھا گیا اس کی دلیل کیا ہے؟ کہنے لگے چاول لمبا ہوتا ہے، لوگوں نے کہا چاول لمبا ہونے سے زمین کا چپٹا ہونا کیسے لازم آیا بولے: ضرور لازم آیا۔“

دیے ہی ہمارے ملتانی صاحب ہیں، دعویٰ یہ ہے کہ حدیث پر صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانے کے لیے فقہاء و مجتہدین کا قول راجح ہے۔ محدثین کا نہیں دلیل دی کیونکہ محدثین خود ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں۔

بھلا اس عقل کے اندھے سے کوئی پوچھے کہ جب یہ لوگ مقلد ہیں تو اپنے اماموں کے برخلاف فیصلہ کیوں کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں حدیث صحیح ہے، یہ کہتے ہیں ضعیف ہے وہ کہتے ہیں: حدیث ضعیف ہے، یہ کہتے ہیں: صحیح ہے۔ یہ کیسی تقلید ہے کہ مقلد مقلد کے فیصلے کو چیلنج کر رہا ہے فیصلہ کس کا قابل قبول ہوگا محدث کا یا مجتہد کا؟ اس کی دلیل یہ کیسے ہوگئی کہ محدث مقلد ہے لہذا (حدیث کے حکم میں) فیصلہ مجتہد کا مانا جائے گا۔ تعجب تو یہ ہے کہ خود کہتا ہے کہ ہر شعبہ میں فیصلہ اس شعبہ کے ماہر کا مانا جاتا ہے۔ پھر ضد یہ ہے کہ حدیث کے بارے میں فیصلہ محدث کا نہیں فقیہ کا مانا جائے گا۔ مارو گھٹنا پھوٹے سراسی کو کہتے ہیں۔

کیا مشہور ائمہ حدیث مقلد تھے؟

ملتانى صاحب نے نواب صدیق الحسن خاں صاحب کی کتاب ”الخط“ سے علما کرام کی نسبتوں کا حوالہ دیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ لوگ مقلد تھے اور ایک غیر مقلد نے اس نسبت تقلید کی صراحت کی ہے۔ نواب صاحب جیسے عالم کے سر یہ الزام تھوپنا کہ وہ امام بخاری و مسلم جیسے اساطین کو مقلد کہتے ہیں، حق تو یہ ہے کہ ملتانی صاحب کی سراسر دھاندلی اور دھوکہ دہی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نواب صاحب کا مقصود ہی نا سمجھے ہوں اور یوں ہی بغیر کتاب پڑھے دیکھا دیکھی دھول میں لٹھ مار بیٹھے ہوں۔ بہر حال ہم اس دعویٰ کی حقیقت بتاتے ہیں۔

(۱) چونکہ ملتانی صاحب مرض تقلید میں گرفتار ہیں۔ اس لیے وہ سب کو مریض ہی خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مثل ہے ”برسات کے اندھے کو ہرا ہرا ہی نظر آتا ہے“۔ وہی حال ان مریضان تقلید کا ہے۔ ان کو ہر شخص مقلد ہی نظر آتا ہے۔ تعجب ہے جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں تقلید و مقلدوں کی دھجیاں بکھیر دیں ان کو بھی یہ لوگ مقلد ہی باور کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے مقلد ہونے کا صاف صاف انکار کیا ان کو بھی مقلد شمار کرا رہے ہیں۔ حنفیوں میں علامہ طحاوی کا بڑا مقام ہے لیکن وہ متعدد مسائل میں امام ابو حنیفہ کے مسائل کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور ان سے الگ رائے رکھتے ہیں۔ ایک صاحب نے ایک بار اس بارے میں ان سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم مجھے امام ابو حنیفہ کا مقلد خیال کرتے ہو۔ نہیں جانتے کہ تقلید کرنا متعصبوں اور کند ذہن بلیدوں کا کام ہے ”لا یقلد الا عصبی او غبی“ اور یہ جملہ مصرع میں بہت مشہور ہوا یہاں تک کہ ضرب المثل ہو گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (لسان المیزان لا بن حجر)

بہر حال یہ نسبت جو ان لوگوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے تقلیدی نسبت نہیں ہے بلکہ

اکثر ایسا ہوا کہ جو جس علاقے میں تھا اور وہاں کے لوگ جس فقیہ یا امام کے فتویٰ پر عامل تھے یا مشہور تھے اس کو اسی نسبت سے مشہور کر دیا گیا۔

لطیفہ

ہندوستان کے بارے میں عرب کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں کے سب لوگ ہی حنفی ہیں لہذا ہندوستان کے بڑے علما کو حنفی ہی خیال کرتے ہیں، چنانچہ سعودیہ میں ایک بار ہم کئی ساتھی ایک ٹور میں گئے، کیونکہ یہ ٹور علما و طلبا کا تھا اور مقصد بھی واقعات سیرت کو سمجھنا تھا۔ ایک بار کسی مسئلہ پر بحث چلی۔ ایک استاد نے ہم سے اس کے بارے میں پوچھا ہم نے جواب دیا۔ وہ کہنے لگے: لیس هذا اختيار الاحناف بل المسئلة عندهم كذا وكذا ہم نے جواب دیا المسئلة عندهم كما قال الاستاذ ولكن لسنا من الاحناف کہنے لگے: الست من الهند ہم نے کہا نعم ولكن ليس كل من فى الهند من الاحناف۔ اس پر ان کو بڑا تعجب ہوا۔ اس سے بھی بڑھ کر تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایک مصری استاد جو خود حنفی میاں رکھتے تھے حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری صاحب تحفہ کو حنفی خیال کرتے تھے۔ اتنا ہی نہیں تحفہ کے ایک ناشر نے کتاب کے پیش لفظ میں ان کو حنفی ہی لکھا ہے۔

اب اس کو کیا کہا جائے۔ ان مقلدوں کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک یہ ہر شخص کو مقلد باور نہ کرا دیں۔

۲۔ علامہ ابن الحسن الحنبلی القاسی اپنی مشہور ونفیس کتاب ”الفکر السياسی فی تاریخ الفقہ الاسلامی (مطبوعہ مدینہ منورہ)“ میں زیر عنوان تراجم المجتہدین فی القرن الثالث والرابع غیر ما تقدم اصحاب کتب سته امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ رحمہم اللہ اجمعین و دیگر محدثین کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

و نسبتہم للتقلید غیر مضرة اما لعدم ثبوتها أو لكونهم
بلغوا رتبة الاجتهاد فتقلیدهم فی بعض المسائل بمعنی
موافقة الاجتهاد لا یعد تقلیدا و المقلدون الذین نسبوهم
للتقلید یکترون بهم سوادهم واللہ اعلم

یعنی ان حضرات کا تقلید کی طرف منسوب ہونا چنداں مضرنہیں کیونکہ
اول تو اس نسبت کا کوئی ثبوت نہیں دوسرے وہ لوگ مرتبہ اجتہاد کو پہنچ
گئے تھے۔ پس ان کا بعض ائمہ سے بعض مسائل میں موافق ہونا
بسبب تقلید نہیں، رہی بات ان حضرات کو مقلدوں میں شمار کرنے کی
تو مقلدین ان حضرات کو اس لیے مقلد شمار کرتے ہیں کہ ان کو ان
حضرات کے ذریعہ اپنی تعداد بڑھانا مقصود ہے ورنہ حقیقت سے اس
کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں:

وکان صاحب الحدیث ایضاً قد ینسب الی احد المذاهب
لکثرة موافقته کالنسائی و البیہقی ینسبان الی الشافعی
(جلد ۱ / ص ۱۵۳)

یعنی کثرت موافقت کے سبب کبھی کبھی اہل حدیث عالم کو بھی مذاہب
اربعہ میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ امام
نسائی، امام بیہقی رحمہما اللہ کو شافعی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے
حالانکہ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

جب شاہ صاحب جیسا جامع المعقول و المنقول حدیث و فقہ کا ماہر نسائی و بیہقی

کو اور ان کی نسبت کو تقلیدی نسبت نہیں مانتا تو ملتانی جیسے خوردوں کی جو محض مقلد ہیں یہ بات کیسے چل سکتی ہے کہ یہ حضرات مقلد تھے۔

آخر میں ایک حوالہ اور دوں گا۔ علامہ عبدالحی فرنگی محلی جو فقہ و حدیث و تاریخ میں اپنے ہم عصر حنفی علما میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے لکھتے ہیں:

و قد نقل عن ابی بکر القفال و ابی علی و القاضی حسین
من الشافعية أنهم قالوا السنا مقلدين للشافعي بل وافق
رائنا رايه و هو الظاهر من حال الامام ابی جعفر
الطحاوی فی اخذه بمذهب ابی حنیفة (النافع الكبير
لعبد الحئی الکنوی)

یعنی ابوبکر قفال، ابوعلی اور قاضی حسین جن کا شمار شافعیہ میں ہوتا ہے سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم امام شافعی کے مقلد نہیں ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق پڑ گئی۔ علامہ عبدالحی فرنگی محلی فرماتے ہیں: اور یہی بات امام ابو جعفر طحاوی کے سلسلہ میں بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی رائے امام ابو حنیفہ کے موافق پڑ گئی اس لیے وہ حنفی کہلائے۔

مولوی ملتانی اور ان کے ہم نواؤں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ نسبتیں دیکھ کر ساری دنیا کو مقلد نہ شمار کیا کریں۔ کیونکہ یہ نسبتیں کبھی موافقت کی بنا پر ہوتی ہیں۔ کبھی اصول استخراج مسائل میں یکسانیت کے سبب ہوتی ہیں اور کبھی یہ نسبتیں استاد و شاگردی کی ہوتی ہیں اور کبھی محض علاقہ کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کتب طبقات میں متعدد علما و فقہاء کے نام متعدد طبقات میں لکھے ہوئے ہیں۔ حنفی ان کو حنفی باور کراتے ہیں

اور شافعی ان کو شافعی کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”مسئلہ قرأت کی حقیقت اور الزامات کا جائزہ“ ملاحظہ فرمائیں (صفحات ۳۱۵-۳۵۷)

جب حال یہ ہے تو مولوی ملتانی کا یہ کہنا کہ ہر محدث ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کا مقلد ہے محض غلط ہے اور اس کے لیے نواب صاحب کا حوالہ استعمال کرنا توجیہ القول بمالایرضی بہ القائل کے مصداق ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم محدث کے مقابلہ میں فقیہ یا مجتہد کا قابل ترجیح ہے یہ بات بلا دلیل ہے۔ اور یہی مولوی ملتانی صاحب کا دعویٰ ہے لہذا وہ بھی بلا دلیل ہے اور دعویٰ بلا دلیل قابل قبول نہیں۔

احناف کے نزدیک صحیح حدیث کونسی ہے؟

۳۔ تیسری وجہ مولوی ملتانی نے فقہاء کے حکم کو ترجیح کی یہ بتائی ہے۔ ”محدثین کا سند کے اعتبار سے کسی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ اجتہادی ہوتا ہے جس کی بنیاد رواۃ کے تاریخی حالات ہوتے ہیں اور مجتہدین کا عمل بالحدیث کے اعتبار سے حدیث کے ضعف یا صحت کا فیصلہ بھی اجتہادی ہوتا ہے لیکن اس کی بنیاد آثار صحابہ و آثار تابعین و تبع تابعین ہوتے ہیں۔ دیکھ لیجئے کس کے فیصلہ کی بنیاد مضبوط ہے۔“ (بارہ مسائل، ص ۱۱)

جواب: ملتانی صاحب چونکہ حدیث اور محدثین سے ناواقف ہیں اس لیے محدثین کرام کے کام کی نوعیت نہ وہ جانتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ راوی کے تاریخی حالات ہی حدیث پر حکم لگانے کے لیے کافی نہیں ہوتے۔ اگر بات اتنی سی ہی ہوتی تو حدیث کی دو ہی قسمیں ہوتیں: صحیح یا ضعیف۔ حالانکہ حدیث کی ساٹھ سے زائد قسمیں ہیں، پھر محدثین کا عمل تخریج، حدیث کے تمام طرق کا جمع کرنا، متابعات

اور شواہد کا جمع کرنا اور پھر متعدد طبقات میں اس کی صورتیں کیا رہیں، ایک استاذ کے دیگر تلامذہ کے یہاں اس روایت کی صورت کیا ہے، نیز معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اس کی صورت کیا ہے۔ ان تمام باتوں سے گزر کر وہ حکم لگاتے ہیں کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے۔ صرف اتنا نہیں ہے کہ کسی سند میں کوئی راوی آگیا جو ضعیف ہے اور اس پر حکم لگا دیا۔

رہی بات مجتہدین اور فقہاء کی تو وہ بقول ملتانی صاحب اس بنیاد پر حکم لگاتے ہیں کہ آثار صحابہ و تابعین و تبع تابعین اس بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔ اگر موافق ہیں تو حدیث صحیح ہوگی اور اگر ناموافق ہیں تو حدیث ضعیف ہوگی۔

”جب کہ آثار صحابہ تابعین و تبع تابعین کا مطلب ہے ان کے فرمودات، ان کے فتاویٰ، ان کے رجحانات۔ اور جب مولوی ملتانی تبع تابعین کے آثار کو بھی حدیث پر حکم لگانے کے لیے بنیاد قرار دے رہے ہیں تو اس کا سیدھا سا مطلب ہوا کہ جب امام صاحب کے فتوے کے موافق حدیث ہو تو صحیح ہے اور ناموافق ہو تو وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں احناف کا کہنا ہے کہ وہ تابعی ہیں جب کہ دیگر محققین کے نزدیک وہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ ایسی صورت میں سیدھا مطلب یہی نکلتا ہے کہ حدیث اگر ہمارے امام کے موافق ہوگی تو صحیح ہوگی ورنہ وہ ضعیف ہوگی، اسی کو انہوں نے کئی جگہ مختلف طریقے سے کہا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”ہمارا اعتماد امام اعظم کے فیصلہ پر ہے۔“

(بارہ مسائل، ص ۱۲)

ہمارا اصول یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ حضرات نے

آثار صحابہ اور آثار تابعین و تبع تابعین کی روشنی و رہنمائی میں اپنے اجتہادی اصولوں کے تحت جن جن احادیث کے معمول بہ صحیح ہونے کا فیصلہ فقہی مسائل کی صورت میں دیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی صحیح ہیں، اگرچہ محدثین ان کو سند کے اعتبار سے ضعیف لکھ دیں اور جن حدیثوں کو ان حضرات نے غیر معمول بہا قرار دیا ہے وہ ہمارے نزدیک ضعیف ہیں اگرچہ محدثین ان کو سنداً صحیح قرار دیں۔

(بارہ مسائل، ص ۱۰)

اب بات بالکل صاف ہوگئی کہ مولوی ملتانی احناف کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو سوائے من مانی کے اور کسی اصول پر یقین نہیں رکھتے۔ محدثین کرام و دیگر ائمہ فقہ و حدیث کے فیصلے ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ سارے ذخیرہ حدیث کو انہوں نے ناصرف مشکوک کر دیا ہے بلکہ اس سے استفادہ محال بنا دیا ہے۔ ان کے ائمہ معصوم ہیں، ان کے اپنے اصول ہیں وہ کسی اصل کے پابند نہیں۔ خواہ مخواہ دیگر مسلمانوں کو بھرم میں ڈال رہے ہیں۔ وہ نہ قرآن و سنت کے پیرو ہیں اور نہ ہی محدثین کی پیروی کو ضروری خیال کرتے ہیں، ان کے لیے ان کے ائمہ کے فرامین کافی ہیں۔ بقول حالی:

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے

فتاوؤں پہ بالکل مدار عمل ہے ہر اک رائے قرآن کا نعم البدل ہے

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی

خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم کبھی ہوں نہ سیدی روایت سے خوش ہم

جسے عقل رکھے نہ ہر گز مسلم اسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم

سب اس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں

سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

اس مختصر بحث سے یہ بات صاف ہوگئی کہ مولوی ملتانی نے مجتہدین کے فیصلہ کو ترجیح دینے کے لیے جو وجوہ بتائی ہیں وہ سراسر غلط ہیں، کیونکہ اولاً تو یہ ان کی من گھڑت ہیں، دوسرے اس کا مآل و منشا سوائے اسکے کچھ نہیں کہ بات ان کے فقہاء کی چلے، رسول اکرم کی بات کو اہمیت حاصل نہ ہو، رسول کی بات پر عمل کرنے کے لیے صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین سے اجازت لینا ضروری ہے۔ جب تک یہ لوگ اس پر اپنی مہر نہ لگائیں رسول کی بات صحیح اور قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ اور اس طرح انہوں نے قرآن و احادیث کے وہ واضح نصوص جو اطاعت رسول کے سلسلہ میں وارد ہیں ٹھکرا دیئے۔

مجتہدین کے فیصلہ کو ترجیح کی چوتھی وجہ اور اس کا جواب

مولوی ملتانی صاحب نے حدیث کے صحت و ضعف کے بارے میں محدثین کرام کے بجائے فقہاء و مجتہدین کے فیصلے کو ترجیح ہوگی اس کو لکھتے ہوئے چوتھی وجہ یہ لکھی:

”خود محدثین کو اعتراف ہے کہ جس حدیث کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ وہ ضروری نہیں نفس الامر میں بھی صحیح ہو اور جس حدیث کو انہوں نے غیر صحیح قرار دیا ہے ضروری نہیں کہ وہ نفس الامر میں اسی طرح ہو، کیونکہ بعض دفعہ وہ حدیث نفس الامر میں صحیح اور سچی ہوتی ہے۔“

(بارہ مسائل از مولوی ملتانی، ص ۱۱)

جواب: (۱) ملتانی صاحب کیا فقہاء کو اعتراف نہیں ہے کہ جس حدیث کو ہم نے صحیح مانا ضروری نہیں کہ نفس الامر میں بھی وہ صحیح ہو اور جس کو انہوں نے غیر صحیح قرار دیا ضروری نہیں کہ وہ نفس الامر میں بھی وہ غیر صحیح ہو کیونکہ اکثر اس کے برخلاف ہو جاتا ہے۔ ائمہ کرام ایک حدیث کی بنیاد پر کوئی مسئلہ بتلا دیتے ہیں پھر پتہ چلتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسری حدیث صحیح ہے اور یہ حدیث جس پر اب تک صحیح سمجھ کر عمل کیا گیا ضعیف ہے۔ کیونکہ ائمہ کرام کے یہاں قول قدیم، قول جدید،

راج، مرجوح، مفتی بہا غیر مفتی بہا، شیخین کے اقوال، صاحبین کے اقوال اور ان کے درمیان میں کبھی کبھی اختلافات کس بات کو بتاتے ہیں اسی کو نا کے پہلے جس حدیث کی بنیاد پر فتویٰ دیا گیا وہ درست نہ تھی اب فتویٰ بدل گیا۔

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے فرمایا جب کوئی صحیح حدیث مل جائے تو مجھے بھی بتایا کرو تا کہ میں اپنے اجتہاد اور فتویٰ کی اس پر بنیاد رکھ سکوں، خصوصاً امام احمد بن حنبل کے یہاں ایک ہی مسئلہ میں کئی کئی قول مروی ہیں وجہ کیا ہے۔ یہی کہ حدیث پر حکم مختلف اوقات میں مختلف ہوتا ہے۔ لیکن آپ کو اس سے کیا لینا دینا۔

(۲) مقدمہ ابن الصلاح اگر آپ نے دیکھا ہے تو اس کا مطلب بھی کسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ آپ کے کہنے سے تو لگتا ہے کہ محدثین کرام کو اپنے لگائے ہوئے حکم پر اعتماد ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ شک میں رہتے ہیں ہو سکتا ہے وہ نفس الامر میں کچھ اور حکم رکھتی ہو۔

اگر بات یہی ہے تو کسی بھی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہا ہی نہیں جاسکتا نا صحیحین بخاری و مسلم کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سب احادیث صحیح ہیں اور موضوعات کبیر، موضوعات صغیر، الموضوعات لابن الجوزی، الموضوعات للصفوانی وغیرہ وغیرہ کتب ضعاف و موضوعات کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ موضوع ہیں کیوں کہ ہو سکتا ہے نفس الامر میں وہ کچھ اور ہو۔

ملتانی صاحب نے فقہاء و مجتہدین کو آگے بڑھانے کے چکر میں سارے ذخیرہ حدیث بلکہ سارے اساس دین ہی کو غیر معتبر قرار دے دیا۔ یہ نا کہا جائے کہ انہوں نے تو صرف مقدمہ ابن الصلاح کا ذکر کیا ہے۔ اگر الزام ہے تو غلامہ ابن الصلاح پر ہونا چاہیے نا کہ ملتانی صاحب پر۔ کیونکہ مقدمہ میں ابن الصلاح نے وہ بات نہیں کہی جو ملتانی صاحب فرما رہے ہیں انہوں نے تو صرف اتنی بات لکھی تھی کہ کبھی کبھی کوئی محدث کسی

حدیث پر کوئی حکم لگاتا ہے اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ حکم آخر ہے کیونکہ وہ جو حکم لگاتا ہے کسی خاص مسئلہ کی وجہ سے لگاتا ہے۔ مان لو اس نے کسی حدیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا تو یہ ضروری نہیں کہ نفس الامر میں بھی وہ حدیث ضعیف ہو کیونکہ ہو سکتا ہے حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو اور وہ سند صحیح ہو تو حکم بدل جائے گا جس محدث نے ضعیف کا حکم لگایا تھا وہ حکم اس سند کے اعتبار سے لگایا ہو جو اس کے پاس تھی دوسرے محدث نے اس پر جو حکم لگایا وہ دوسری صحیح سند کی بنا پر لگایا لہذا پہلی سند کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے اور نفس الامر میں وہ حدیث صحیح ہے کہ اس کی دوسری صحیح سند موجود ہے۔

محدثین کرام متابعات و شواہد، و تخریج حدیث کے بعد اکثر حکم لگاتے ہیں اور کبھی کبھی جب تک حدیث کا درجہ پورا نہیں ہو جاتا وہ یوں کہتے ہیں ہذا حدیث ضعیف بہذا السند، یا سندہ ضعیف اور کبھی کہتے ہیں ضعیف الا انہ اعتضد بغیرہ، یا ضعیف ولہ طرق عدہ یرتقی بہ الی درجہ الحسن۔ یہ سارے الفاظ کس لیے ہیں اسی لیے کہ حکم نفس الامر کے مطابق ہو جائے۔

یہ بہت نفیس بحث ہے النکت لابن الصلاح، والسخاوی دیکھئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملتانى صاحب یا تو دھوکہ کھا گئے ہیں یا دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن ایسا ممکن نہیں اصول حدیث سے واقفیت رکھنے والا اس دھوکہ میں نہیں آسکتا۔ صحیحین کی احادیث نہ صرف صحیح ہیں بلکہ نفس الامر میں بھی صحیح ہیں اور اس پر فقہاء اور محدثین سب کا اتفاق ہے۔

مولوی ملتانى صاحب کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کچھ دن کسی ایسے شخص سے اصول حدیث پڑھ لیں جو تقلیدی عقیدت میں اندھانہ ہو۔

پانچویں وجہ

پانچویں وجہ مجتہدین کے فیصلہ کو بمقابلہ محدثین رائج قرار دینے کی یہ لکھی ہے

”پھر ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ نے حدیثوں کو صحیح و معمول بہ قرار دیا ہے
وہ ان کے زمانے تک سند کے اعتبار سے بالکل صحیح تھیں۔“

(بارہ مسائل، ص ۱۱-۱۲)

جواب: یہ وجہ دیگر وجوہات کی طرح بے بنیاد اور کٹڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہے۔ آپ نے اپنے اس دعویٰ میں دو باتیں ذکر کی ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے کچھ حدیثوں کو صحیح و معمول بہ قرار دیا ہے۔ اور وہ ان کے زمانے تک سند کے اعتبار سے بالکل صحیح تھیں۔ ان دونوں دعوؤں کی دلیل کیا ہے؟ بلا دلیل کچھ بھی دعویٰ کر دینا مناسب نہیں ہے۔ جس طرح آپ نے دعویٰ کیا ہے ویسے ہی کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام صاحب نے کسی حدیث کی تصحیح نہیں کی اور نہ ان تک پہنچنے والی احادیث کی سند ہی صحیح تھی۔ ظاہر ہے دعوے کے جواب میں دعویٰ کر دینا آسان ہے۔ آپ کے مقابلہ میں جو شخص دعویٰ کر رہا ہے آپ اس سے دلیل نہیں پوچھ سکتے کیونکہ خود آپ نے اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل فراہم نہیں کی ہے بلکہ یہ محض عقیدت مندانہ بیان بازی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ:

”ان کے زمانے کے عرصہ بعد اگر نیچے آکر ان میں سے بعض

احادیث کی سندوں میں ضعف پیدا ہو گیا تو بعد والے ضعف کی وجہ

سے امام اعظم کا مسئلہ اور حدیث کی صحت کا فیصلہ متاثر نہ ہوگا۔“

جواب: اس میں کیا شک ہے کہ بعد کے ضعف سے امام صاحب پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن

بھولے بھیا پہلے یہ ثابت کرو کہ

۱۔ جس حدیث کو محدثین کرام بوجہ ضعف فی السند ضعیف قرار دے رہے ہیں۔ امام

صاحب کو بسند صحیح پہونچی تھی اور یہ تبھی ثابت ہو سکتا ہے جب کہ امام صاحب کی

کوئی کتاب ہو جس میں اس حدیث کو بسند صحیح انہوں نے نقل کیا ہو یا کسی دوسرے

محدث نے امام صاحب کی سند سے بطریق مرفوع متصل نقل کیا ہو۔ پھر بعد میں

کسی راوی کے ضعیف ہونے کے سبب روایت میں ضعف پیدا ہوا ہو، جب تک آپ یا کوئی دیوبندی ثابت نہ کر دے اس کا یہ کہنا کہ ضعف بعد میں طاری ہوا محض دھینگا مشتی ہے، اہل علم کے یہاں جس کی حیثیت گوز فیل سے زیادہ نہیں۔

۲۔ یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ آج مقلدین اپنے مسائل کے لیے جن احادیث سے استدلال کر رہے ہیں امام صاحب نے انہی احادیث سے استدلال کیا تھا، تاکہ یہ کہنا درست ہو کہ ضعف بعد میں طاری ہوا اور جب آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے تو آپ کا یہ اصول محض لالچنی اور فضول ہے۔

۳۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ امام صاحب نے اسی حدیث سے استدلال کیا تھا تو بھی یہ اس بات کی گارنٹی نہیں کہ حدیث صحیح تھی جب تک وہ سند اس کو صحیح ثابت نہ کر دیں، کیونکہ امام صاحب کا یہ اصول مسلم ہے کہ وہ آراء رجال کے مقابلے میں ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے تھے جیسا کہ صاحب درمختار نے لکھا ہے

انه كان يقول ضعيف الحديث احب الى من آراء الرجال
یعنی آراء رجال کے مقابلے میں مجھے ضعیف حدیث پسند ہے۔

جب امام صاحب خود ضعیف حدیث سے استدلال کر رہے ہیں تو آپ جیسے مقلدوں کا یہ کہنا کہ انہوں نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ سب صحیح ہیں، سراسر فراڈ ہے غلط ہے بے بنیاد ہے (تفصیل کے لیے: مسئلہ قرأت کی حقیقت، ص ۱۵۰ دیکھئے)

مولوی ملتانی کا نادر شاہی فرمان

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”غیر مجتہدین کے لیے اجتہادی مسئلہ میں اس مجتہد کی تقلید واجب ہے جو ان کے نزدیک باقی مجتہدوں کے مقابلے میں زیادہ ماہر ہے

اور اس کے اجتہاد میں نسبتاً باقیوں کے درستی غالب ہے، خواہ یہ اجتہادی مسئلہ حدیث کے ضعف و صحت کا ہو یا نماز و روزہ وغیرہ کا شرعی مسئلہ ہو، یا احادیث کے معانی کی تشریح ہو۔

“(بارہ مسائل، ص ۱۲)“

جواب: محترم جس مجتہد کی تقلید آپ واجب بتلا رہے ہیں اس کی دلیل قرآن و حدیث سے کیا ہے؟ جب تک آپ اس کے لیے کوئی دلیل اور بنیاد فراہم نہیں کرتے آپ کا یہ نادر شاہی فرمان قابل قبول نہیں ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک عام آدمی کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ فلاں مجتہد زیادہ ماہر ہے۔ اور اگر محض غلبہ اکثریت سے دھوکہ کھا کر وہ کوئی فیصلہ کرے گا تو محض ظن ہوگا ”والظن لا یغنی عن الحق شیئاً“ آپ نے ازیں قبل خود ہی لکھا تھا کہ ہر فن میں اس فن کے ماہر کی بات قابل قبول ہوتی ہے، اب آپ الگ الگ فنون کے لیے ایک ہی آدمی کی تقلید کو واجب قرار دے رہے ہیں۔ یہ آخر کیا دھاندلی ہے وہ قانون یہاں کیوں نہیں چلتا؟ آپ کا یہ نادر شاہی فرمان بلا دلیل ہونے کے سبب مردود ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

”غیر مجتہدین کو نہ مجتہدین کی تحقیق پر اعتراض کرنے کا حق ہے اور

نہی ان کو مجتہدین کے مقابلے میں جاہلانہ اجتہاد کی اجازت ہے، بغیر

الہیت اجتہاد کے دعویٰ اجتہاد کوئی پاگل ہی کر سکتا ہے۔ نہ عقل مند!“

جواب: بالکل بجا فرمایا! آپ کی یہ تحریر آپ کے پاگل ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ نا تو آپ مجتہد ہیں اور نا ہی محقق۔ اس کے باوجود احکام ایسے نافذ فرما رہے ہیں جیسے آپ مسند ارشاد پر متمکن نہیں بلکہ شرع میں آپ کو بھی کچھ دخل ہے۔ غیر مجتہد مجتہد کے کسی فیصلہ پر اعتراض کا حق نہیں رکھتا۔ یہ کس دلیل کے

تحت آپ فرما رہے ہیں۔ حضرت عمر مجتہد تھے خلیفہ راشد تھے ایک معمولی بڑھیا نے کھڑے ہو کر نہ صرف ان کے حکم پر اعتراض کیا بلکہ اس کو رد کر دیا کہ اللہ تعالیٰ مہر میں جب قطار دینے کی بات کر رہا ہے تو آپ اس کو محدود کیسے کر سکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ یا کسی صحابی نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم غیر مجتہد ہو مجتہد کی بات پر اعتراض کرنے کا تم کو حق نہیں ہے۔ نہ اس کو کسی نے پاگل بتایا شاید اس وقت دیوبندی نہیں تھے اور ان کے امام بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اس لیے کسی نے اعتراض نہیں کیا ورنہ دیوبندی موجود ہوں اور اعتراض نہ ہو ممکن نہیں۔ اس وقت چونکہ مجتہد کو معصوم نہیں سمجھا جاتا تھا شاید اس لیے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ بہر حال مولوی ملتانی کا یہ نادر شاہی فرمان محض باطل و مردود ہے۔

فائدہ یا فساد زدہ

مولوی ملتانی نے ایک فائدہ جو بے فائدہ ہی ہے دوبارہ لکھا۔ اس فائدہ کے آخر میں بلا دلیل لکھتے ہیں:

”غیر مجتہدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسائل اجتہاد یہ کی تینوں قسموں میں اس مجتہد کی تقلید کریں جو ان کے نزدیک کتاب و سنت کا زیادہ ماہر ہے اور اس کے اجتہاد میں نسبتاً باقی مجتہدین کے درستی غالب ہے۔ اس کے علاوہ ان کے لیے عمل کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہ عقلاً جائز ہے نہ شرعاً۔“ (بارہ مسائل، ص ۱۲-۱۳)

مولوی ملتانی نے اپنے اس نادر شاہی فرمان کی دلیل ذکر نہیں کی۔ کسی ایک مجتہد کی تقلید کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے یا حدیث نے اجماع سے یہ حکم نکلا ہے یا قیاس سے؟ پہلے اس کی دلیل ذکر کریں پھر اس پر غور کیا جائے کیونکہ یہ بالکل طریقہ سلف صالحین کے خلاف ہے۔ قرآن تو کہتا ہے: فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون اگر تم

کسی چیز کا حکم نہیں جانتے تو چاہیے کہ کسی عالم سے اس کا حکم معلوم کر لو۔ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ اس آیت میں تو تقلید کا حکم ہے، تو اطلاقاً عرض ہے کہ یہ آیت کریمہ تقلید شخصی کی دھجیاں بکھیرنے والی ہے اور اس آیت کے ہوتے تقلیدیوں کی مغالطہ سازی کارگر نہیں ہوتی۔ کیونکہ آیت میں کسی ایک سے نہیں کسی بھی وقت کسی بھی اہل علم سے پوچھنے کا حکم ہے جس سے تقلید شخصی جاتی رہی اور آیت کریمہ کا آخری حصہ بالبینات و الزبر تقلید کے رہے سہے تار و پود بکھیرنے کے لیے کافی ہے۔

لہذا مولوی ملتانی کا یہ کہنا کہ کوئی دوسرا طریقہ عقلاً و شرعاً جائز نہیں محض باطل، عاقل اور بلا دلیل ہے۔

صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں جب کسی امر کا حکم معلوم نہیں ہوتا تھا تو وہ کسی بھی عالم سے اللہ و رسول کا حکم معلوم کر لیتے تھے، وہ تقلید شخصی نہ تھی عقلاً و شرعاً، یہی طریقہ مناسب اور بہتر ہے، تفصیل کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جتہ اللہ البالغہ و عقد الجید و الانصاف دیکھئے۔ یا ایقظ ہم اولی الابصار کا مطالعہ کریں۔ علی الاقل طریق محمدی، سبیل الرسول یا ارشاد محمدی یا اعلام الموقعین دیکھئے۔ وہاں بہ دلائل یہ باتیں مذکور ہیں۔

غیر مقلدین سے گفتگو کے آداب

مولوی ملتانی نے اب تک جو پینترے بازیاں اختیار کیں اور جو کچھ اب تک قرآن و سنت کو بے وزن کرنے کی کوششیں فرمائیں ان کے تعلق سے ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اب یہاں آکر مولوی ملتانی صاحب کا روئے سخن ہماری بجائے اپنے اندھے مریدوں اور متعصب عقیدت مندوں کی طرف پھر گیا ہے اور ایک ایسی کتاب میں جس کو اہل حدیث کو چیلنج دینے کے لیے لکھا گیا ہے اس میں اپنے مریدوں کو اپنی مکاریوں بھری ترکیبیں مغالطوں بھری باتیں اور تنازعات کو جنم دینے والی اسکیمیں لکھی ہیں تاکہ

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

اہلحدیثوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے وہ ان ترکیبوں کو استعمال کریں اور ان کو پھنسا کر اپنا الو سیدھا کریں۔

اسلام کی ساری تعلیمات میں یہ تعلیم اپنوں یا غیروں کسی کے لیے نہیں ہے کہ مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے اوجھے ہتھکنڈے استعمال کرو۔ نا قرآن نے یہ طریقہ اختیار کیا اور نا رسول اکرم نے اس طرح کی کوئی صورت اپنی دعوتی زندگی میں اپنائی۔ امامان دین کا معاملہ بھی سیدھا سادا اور ذہن کو اپیل کرنے والا تھا۔ صحابہ کرام سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ رسول اکرم کا کوئی قول یا فعل یا آپ کے زمانے میں کیے جانے والے فعل پر آپ کی خاموشی کو بطور دلیل بیان کر دیتے اور اگر سائل اس میں کسی طرح کی مین میخ نکالتا تو اس کو روکتے اور رسول اللہ کی پیروی کی تلقین کرتے۔

لیکن جب گمراہ فرقوں کے ذریعہ منطق و فلسفہ کا چلن مسلمانوں میں ہوا تو یہ لوگ بھی ان ہی قواعد کو قرآن و سنت سے پیچھا چھڑانے کے لیے استعمال کرنے لگے۔ مغالطے بازیاں اور سفسطہ کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ علوم قرآن و سنت کے حاملین کا وادی اور بے وقوف کہلائے جانے لگے اور ان یونانی فلاسفہ کے نکالے ہوئے علوم کے ماہرین کو عزت و احترام سے دیکھا جانے لگا۔ یہاں تک کہ مناصب اور عہدے بھی انہی لوگوں کے لیے خاص ہو گئے۔ اور اس طرح قرآن و سنت سے لوگ دور ہوتے گئے یہاں تک کہ بعض مقلدین نے ظاہر قرآن و سنت کو ماننا اس پر عمل کرنا کفر کا باعث قرار دے دیا۔ مشہور تفسیر جلالین کے محشی صاوی نے یہ بات جلالین کے حاشہ پر بلا شرم و حیا کے دھڑلے سے لکھ دی۔ حالانکہ ان علوم کے ماہرین نے اس بات کو بار بار لکھا ہے کہ جن قضایا کے ذریعہ کسی چیز کو ثابت کیا جاتا ہے اسی طرح کے قضایا کے ذریعہ اس کو غلط بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ مشہور عالم و فلسفی ابن رشد نے منطقی قضیوں کی مدد سے فلاسفہ کے

خلاف ان کی تردید میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ”تہافتہ الفلاسفہ“ رکھا۔ یہ کتاب ایک زمانہ تک بہت مشہور اور بے نظیر مانی گئی۔ یہاں تک کہ علامہ غزالی نے انہی قواعد و اصول کی مدد سے اس کے رد میں اپنی مشہور کتاب ”تہافتہ تہافتہ الفلاسفہ“ لکھی اور دنیا والوں کو یہ بتلادیا کہ ان اصول و قواعد کو جن کو یونانیوں نے ترتیب دیا ہے حرف آخر مان کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کی بنیاد پر کھڑی کی گئی عمارت کو گرایا نہیں جاسکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہی جیسے اصول و قواعد سے یہ اصول توڑے جاسکتے ہیں۔

مگر آج تک ہمارے مقلدین بھائی ان کو وحی آسانی سے کم نہیں سمجھتے اور جب قرآن و سنت کی بات آتی ہے تو فوراً ان اصول پارینہ کا سہارا لے کر مقابلہ آرائی کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بقول حالی

وہ تقویم پارینہ یونانیوں کی وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکہ کی ٹٹی
 یقین جس کو ٹھہرا چکا ہے نکمّا عمل نے جسے کر دیا آ کے روٹی
 اسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ
 کوئی بات اس میں نہیں کم زیادہ
 اب اس فلسفہ پر جو ہیں مرنے والے شفا اور بحسبیطی کے دم بھرنے والے
 ارسطو کی چوکھٹ پہ سر دھرنے والے فلاطون کی اقتدا کرنے والے
 وہ تیلی کے بیلوں سے کچھ کم نہیں ہیں
 پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں

بہر حال، مولوی ملتانی کا یہ مغالطوں بھرا درس جو وہ اپنے عقیدت مندوں اور اندھے مقلدوں کو دے رہے ہیں ان کی بیچارگی کی انتہا ہے۔ وہ یہ سمجھ چکے ہیں کہ سلف صالحین کی روش پر گامزن اس کارواں کو روکنا مشکل ہے اور آزادی فکر کی اس تحریک کو

دبانہ دشور ہے۔ ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں نوجوان اور دین پسند اپنی گردن سے تقلید کے قلابہ کو اتار کر کتاب و سنت کی ایمان بخش فضا میں جینے کے لیے نکل پڑتے ہیں جس سے ان بچاروں کو بہت نقصان ہوتا ہے۔

بہر حال ہم آج ”گفتگو“ کے ان آداب پر قدرے تبصرہ کرتے ہوئے ان کی حقیقت قارئین کے سامنے ظاہر کریں گے۔

(۱) نمبر ایک کے تحت ایک الزام تراشا ہے کہ غیر مقلدین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و دیگر فقہاء کے بارے میں نہایت گستاخانہ اور محاصمانہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ جس کے رد عمل میں ان کو غصہ آجاتا ہے۔ گستاخانہ انداز پر ہم یہی کہہ سکتے ہیں ”لعنة الله على الكاذبين“ اور ربی بات غصہ کی تو اس کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ غیر مقلدین کا انداز غلط ہوتا ہے بلکہ اس کا سبب مقلد علماء کی بے چارگی و لا چاری ہوتا ہے۔ جب غیر مقلدین کی بات کا جواب بن نہیں پڑتا تو جھنجھلاہٹ میں اول فoul بکنے لگتے ہیں اور جب حدیث کے مقابلہ میں ان کے فقہاء کی بات رد کی جاتی ہے تو اس کا نام گستاخی رکھ دیا جاتا ہے۔ حلم و وقار جس کی تلقین مولوی ملتانی نے اپنے مریدوں و عقیدت مندوں کو کی ہے کاش اس کا عشر عشر ہی ان کے اندر پایا جاتا۔ کرناٹک کے مختلف مقامات پر مقلدین دیوبند کی بھیڑ نے جس طرح کا اخلاق پیش کیا ہے اور جو ہڑبوںگ مچائی ہے اس کے نظارے کئی جگہ دیکھے گئے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان کی بے اعتدالیوں اور غیر شریفانہ حرکتوں سے متفر ہو کر متعدد انصاف پسند حضرات تقلیدی راہ سے بے زار ہو کر کتاب و سنت سے وابستہ ہو گئے۔ فالحمد لله على ذلك

(۲) اس کتاب میں جو علم و موقف آپ نے جماعت اہلحدیث کا لکھا ہے وہ غلط اور سراسر غلط ہے جس کی وضاحت ہو گئی ہے اس لیے جو مفروضے آپ تراش رہے

ہیں وہ محض چھٹکارے کے لیے ہیں اور پیچھا چھڑانے والی بات ہے اور کچھ نہیں۔
 (۳) یہ کہنا کہ اہلحدیث ایک بات پر قائم نہیں رہتے۔ سراسر افترا پردازی ہے۔ بلکہ یہ
 آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنے والی بات ہے۔ ہم اس پر صاد کرتے ہیں کہ جس مسئلہ پر
 بحث طے ہو اس سے عدول نہ کیا جائے۔

(۴) بے علم یا کم علم آدمی دلائل پیش کرنے کے بجائے شور مچا کر اونچی آواز کر کے تیز
 تیز بول کر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے..... جیسا کہ متعدد مقامات پر مقلدین کو
 ایسا کرتے دیکھا گیا ہے اور فی الوقت جو طائفہ افاکین دیوبند نے تیار کیا ہے
 اس نے تو شرافت و وقار کی تمام حدیں توڑ دی ہیں۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

(۵) ”دانش مندوں کا قول ہے کہ عالم کو قائل کرو دلائل سے اور جاہل کو قائل کر دو سوال
 سے۔“

”یقیناً یہ کسی دیوبندی بزرگمہر کا قول ہوگا۔ لکھتے ہیں ”عالم میں علم و

شعور و ذہنی وسعت ہوتی ہے۔“

جس کا ہمارے مخاطبین میں فقدان ہے۔

”جاہل آدمی شعور و آگہی سے خالی ہوتا ہے اس میں دلائل کو سمجھنے اور

سمجھ کر سوچنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس پر

سوال کیا جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو عاجز پا کر بات مان لے۔“

لیکن حضرت جی جن لوگوں سے آپ کا واسطہ ہے وہ عاجز ہو کر آپ کی بات نہیں

مان سکتے آپ ان کو قرآن و حدیث سے دکھائیں تو فوراً مان جائیں گے۔

”چوں کہ آج کل اکثر غیر مقلدین جاہل ہیں۔“

مقلدوں میں جہالت کی جو گرم بازاری ہے اس کے مقابلہ میں بیچارے غیر مقلدین کی

حیثیت ہی کیا ہے۔؟

”لیکن چند اردو رسالے پڑھ کر انہوں نے عالم ہونے کا روپ دھارا

ہوا ہے۔“

لیکن ان اردو پڑھے لکھوں کے سامنے آپ کے حواس مختل کیوں ہونے لگتے ہیں؟

”اور جو چند غیر مقلدین کچھ پڑھے ہوئے ہیں وہ بوجہ ضد و تعصب

جاہلوں کی روش اختیار کر چکے ہیں۔“

اپنا گناہ ہمارے سر لگا رہے ہو۔

”اس لیے اب غیر مقلد عالم ہو یا غیر عالم سب کو قائل کرنے کے

لیے ضروری ہے کہ سوالات کا طریقہ اختیار کیا جائے اور سوالات وہ

کیے جائیں جو کتاب و سنت میں صراحۃً مذکور نہ ہوں مگر پیش آتے

رہتے ہوں۔“

یہ طریقہ بھی اختیار کر دیکھو بہر حال ناکامی کا منہ آپ ہی کو دیکھنا ہے۔

”میں اہلحدیث کیوں نہیں ہوا اس میں تینیس لاجواب سوال ہیں اور

حضرت مولانا محمد امین صفدر دامت برکاتہم کے مجموعہ رسائل میں

سیکڑوں سوالات موجود ہیں۔ غیر مقلدوں کے ڈھول کا پول کھولنے

کے لیے یہ بہترین طریقہ ہے۔“

کس کے ڈھول کا پول کھلتا ہے اس کا جواب تو آنے والا زمانہ دے گا۔ ہاں آپ کے

فرضی سوالات اور مولوی صفدر کے سوالات آج کسی ایک اہلحدیث کو خفی بنانے

میں ناکام رہے ہیں۔ ہاں ہر سال سیکڑوں دیوبندی کتاب و سنت کی صداقت کے

سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور حلقہ بگوش کتاب و سنت ہو جاتے ہیں اور تقلید کا قلاوہ

اپنی گردن سے اتار پھینکتے ہیں۔ اس کا کوئی حل تلاش کریں۔

(۶) اس کے تحت انہوں نے اپنے عقیدت مندوں کو بڑے گر کی باتیں بتائی ہیں۔ ان میں سے ایک نوٹ بہت اہم ہے۔ وہ ہے:

”غیر مقلد اہل سنت والجماعت کی دلیل کا ضعف اور اپنی حدیث کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کریں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک امتیوں کی تقلید شرک ہے لہذا وہ امتیوں کے اقوال کی تقلید شرک ہونے سے بچیں گے۔“ (بارہ مسائل ص ۱۵)

جواب: ازیں قبل اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اہلحدیث تقلید کو مطلقاً شرک نہیں کہتے اور مولوی ملتانی کی مغالطہ آمیزی کی قلمی ہم وہیں کھول چکے ہیں۔ یہاں ایک دوسری بات جو مولوی ملتانی نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ محدثین کرام کا کسی حدیث کو صحیح کہنا اور ہمارا اس کو مان لینا تقلید ہے۔ اسی طرح فلان ضعیف یا فلان ثقہ، محدثین کا جرح و تعدیل رواۃ میں کہنا اور ہمارا اس کو مان لینا تقلید ہے اور چونکہ تقلید شرک ہے اس لیے کوئی اہلحدیث کسی حدیث کو محدثین کے اقوال کی بنیاد پر صحیح یا ضعیف نہیں کہہ سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس سے تقلید اور شرک سے توبہ کرائی جائے گی اور اس کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ کسی حدیث کو محدثین کے اقوال کی بنیاد پر صحیح اور ضعیف کہہ سکے۔

(بارہ مسائل، ص ۱۴-۱۵)

مولوی ملتانی کا یہ مغالطہ اور دھوکہ دہی ہے۔

اولا یہ جان لیں کہ تقلید کو شرک بتانے کی بات بے بنیاد ہے جس کو ہم بے بنیاد ثابت کر چکے ہیں ایک بار پلٹ کر دیکھ لیں۔ رہی دوسری بات کہ محدثین کی بات ماننا تقلید ہے تو یہ مولوی ملتانی کی جہالت اور خود اپنے علماء کی کتابوں اور علماء اصول کے ارشادات سے ناواقفیت کی واضح دلیل ہے کیونکہ محدثین کی بات اس سلسلہ میں ماننا نہ تقلید

ہے اور نہ اس کو مان کر کوئی مقلد ہوتا ہے۔

چنانچہ اصول فقہ حنفی کی درسی کتاب مسلم الثبوت میں تقلید کی تعریف کے بعد یوں لکھا ہے:

”ليس الرجوع الى الرسول و الاجماع و العامى الى المفتى و

القاضى الى العدول بتقليد لقيام الحجة“

اس عبارت میں صاف کہا گیا ہے کہ رسول کی بات ماننا یا اجماع کو ماننا یا کسی عامی کا مفتی کی بات کو ماننا یا قاضی کا گواہوں کی بات ماننا تقلید نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں سے پوچھنے پر دلیل موجود ہے۔ اور تقلید بغیر دلیل بات ماننے یا ایسے آدمی کی بات ماننے کو کہتے ہیں جس کی بات دلیل نہ ہو۔

پس اہلحدیث کا کتب اسماء الرجال کو راویوں کی توثیق کے لیے دیکھنا تقلید نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے حاکم گواہوں کی توثیق کے لیے معتبر آدمیوں سے دریافت کرتا ہے۔ پس جیسے حاکم گواہوں یا معتبر آدمیوں کا مقلد نہیں کہلاتا اسی طرح اہلحدیث بھی مقلد نہیں کہلا سکتے۔ اور جو ان کو مقلد بتلاتا ہے وہ جاہل ہے۔ اپنے اصول سے ناواقف ہے اور اس نے اپنی جہالت کا نام علمیت سمجھ رکھا ہے۔ یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ محدثین کی بات ماننا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا یہ ضعیف ہے نہ تقلید ہے اور نہ اس کو تقلید کہتے ہیں۔

اور اگر ملتانی اینڈ پارٹی کو اس پر ضد ہے کہ یہ تقلید ہے تو وہ اپنے تقلید شخصی کے دعوے سے برأت کا اظہار کریں کیونکہ عالم سے پوچھنا اور اس کا مسئلہ بتلانا اور عام آدمی کا اس کو تسلیم کر لینا اگر تقلید ہے تو پھر ہر ایک آدمی ایک نہیں ایک دن میں ہزاروں کی تقلید کرتا ہے اور ظاہر ہے اس کو کوئی تقلید نہیں کہتا۔ لہذا مولوی ملتانی کا اس کو تقلید بتلانا غلط ہے۔ مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین کو گفتگو کے دوران اپنے مذکورہ بالا تین اصولوں کا پابند

کیا جائے۔“ الخ (بارہ مسائل، ص ۵۱)

ہم ازیں قبل یہ ثابت کر چکے ہیں کہ تین اصول زبردستی مولوی ملتانی نے اہلحدیث کے سر لگائے ہیں۔ وہ ان کی بھول نہیں شاطرانہ اور غیر عادلانہ چال ہے۔ اور یہ زبردستی کے اصول تمہید میں اس لیے لگائے گئے ہیں کہ ان کے اوپر اس مغالطہ آمیزی کی عمارت تعمیر کی جائے۔ اور جب یہ اصول مولوی ملتانی کی تشریح کے ساتھ اہلحدیث کے اصول ہیں ہی نہیں تو ان کی بنیاد پر اہلحدیث کو روکنے کا یا ان کو کسی من مانے طریقہ کا پابند کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اہلحدیث امتی کا قول نہ پیش کریں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس سے تقلید ثابت ہو جاتی ہے؟ حالانکہ اس کو تقلید کہتے ہی نہیں اور نہ یہ تقلید کی تعریف میں داخل ہے۔ تو اس کو تقلید قرار دینا مولوی ملتانی کی محض دھاندلی ہے جیسا کہ ہم اصولیین سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تقلید نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ تقلید شخصی ہی مابہ النزاع ہے۔ نیز وہ تقلید جو قرآن و سنت کے معارض نہ ہو اور جو موافق ہو اس میں کسی کو کوئی نزاع نہیں۔

مولوی ملتانی اینڈ پارٹی یاد رکھے

اہلحدیث پر یہ پابندی اس وقت لگائی جاسکتی ہے جب آپ دو باتوں کی پابندی کریں۔

اول: سوائے امام ابوحنیفہ کے کسی اور کا قول و فعل آپ بھی پیش نہ کریں۔

دوم: آپ دلائل پیش کر کے غیر مقلد نہ بنیں کیونکہ دلائل سے بحث کرنا مجتہد کا

کام ہے یا غیر مقلد کا؟ رہا مقلد تو

وظیفہ ان يقول هذا ما ادى اليه راي امامي فاقول به كما صرح

بہ علماء الاصول اب اگر مولوی ملتانی دیگر علما کے اقوال پیش کرتے ہیں اور اپنے کو

امام ابوحنیفہ کا مقلد بتلاتے ہیں نیز قرآن و سنت سے دلائل پیش کر کے غیر مقلد بنتے ہیں تو

اہلحدیث پر پابندی لگانا کہ وہ اقوال الرجال پیش نہ کریں محض غلط ہے اور یہ اپنے دلائل

کے کمزور ہونے کا کھلا ہوا اعتراف ہے ورنہ وہ اس سے کیوں ڈرتے ہیں؟ یہ نہ کہنا کہ آپ غیر مقلد ہیں تقلید آپ کے نزدیک غلط ہے اس لیے آپ کو کسی کا قول پیش کرنا درست نہیں،

کیوں کہ اولاً تو یہ تقلید نہیں، ورنہ آپ ہزاروں کے مقلد ثابت ہوں گے۔ ثانیاً علماء محدثین نے یا اہلحدیث نے کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ ہم دیگر علما کے اقوال پیش نہیں کریں گے۔ بلکہ محدثین کرام ہمیشہ سے قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ دیگر علما وفقہاء کے اقوال پیش کرتے رہے ہیں، اس کو تقلید کے منافی نہیں گردانا گیا، لہذا اس پر پابندی لگانے کی بات کرنا آپ کی لاچاری کا اظہار ہے۔

مولوی ملتانی علم مناظرہ سے ناواقف ہیں

مولوی ملتانی کا سارا رسالہ علم مناظرہ کے اصول وقواعد کو نظر انداز کر کے نئے اصول وقواعد متعین کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اس علم کے اصول کو نہ خود اپنایا اور نہ فریق مخالف کو اس کو اپنانے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ من مانے، من چاہے اصول خود تراش لیے ہیں جو علم مناظرہ کے اصول وقواعد سے میل نہیں کھاتے۔ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں صرف ایک بات برسبیل تذکرہ ذکر کی جاتی ہے۔ علم مناظرہ میں ہر فریق کو اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ فریق مخالف کے مسلمات کو پیش کر کے اسکے خلاف حجت قائم کرے۔ چاہے اس کے یہاں اس پر عمل ہو یا نہ ہو چاہے وہ خود اس کو ماننا ہو یا نہ ماننا ہو۔ کیونکہ اس سے فریق مخالف پر حجت قائم ہو جاتی ہے کہ وہ جب فلاں شخصیت کو مانتا ہے اور اس کے حکم کو واجب القبول سمجھتا ہے تو اس زیر بحث مسئلہ میں اس کی بات کیوں نہیں ماننا کہ اس کے موقف کے خلاف ہے؟

دیگر علما و ائمہ کے اقوال پیش کرنے پر پابندی وہ اس لیے لگانا چاہتے ہیں کہ

اہلحدیث اپنے مسائل کو جب خود علما حنفیہ سے ثابت کرتے ہیں تو مولوی ملتانی جیسے لوگوں کو جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس مسئلہ کی وجہ سے وہ اہلحدیث پر لعن طعن کر رہے ہوتے ہیں وہ مسئلہ بہت سے علما احناف کا بھی ہے۔ پھر جن احادیث کو علما اہلحدیث ضعیف یا صحیح کہتے ہیں بہت سے علما احناف بھی ان کو ضعیف یا صحیح کہتے ہیں۔ ایسے میں مولوی ملتانی جیسے لوگوں کے لیے جواب دہی مشکل ہو جاتی ہے اور وہ جو اپنے من مانے طریقے سے احادیث پر حکم لگاتے ہیں وہ سارا بنانا کھیل بگڑ جاتا ہے۔

بس یہی بات ہے ان من مانے اصول و قواعد کے پیچھے کہ مولوی ملتانی کو اپنے مسائل کی کمزوری معلوم ہے وہ نہیں چاہتے کہ اہلحدیث عالم وہ اقوال پیش کرے جس سے ان کا بنانا کھیل بگڑ جائے اور ان کے مذہب کی کمزوری عوام پر کھل جائے۔

رہی بات قیاس و رائے کی تو ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ قیاس مقابل نص یقیناً شیطنت ہے۔ جیسا کہ اجلہ علما و فقہا نے اس کو بیان کیا اور ابن ماجہ شریف و دیگر کتب کے حوالے سے اس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ رائے اگر محض رائے ہے اور اس کے پیچھے کوئی دلیل نہ ہو تو اس کے غلط ہونے میں کیا شک ہے۔ لیکن اگر قرآن و سنت کی تشریح کی جائے تو اس کا نام رائے رکھنا محض مولوی ملتانی کی شیطنت ہے۔ اس کو منع کرنے کا حکم ان کو کس نے دیا ہے۔ اور یہ اہلحدیث کا مسلک کب ہے؟ علما اہلحدیث نے اپنے موقف کی تائید میں اور قرآن و سنت کی تشریح میں لاکھوں صفحات لکھے ہیں اور یہ ان کا پرانا موقف ہے اور وہ اس پر کاربند ہیں۔ ان لاکھوں صفحات سے نظر چڑالینا اور من مانے طریقہ سے ان سے ایک غیر مسلم چیز منوانے پر اصرار کرنا یہ سراسر مولوی ملتانی کے موقف کی کمزوری کی دلیل ہے۔ جماعت اہلحدیث نے سیکڑوں مناظرے دیوبندیوں اور بریلویوں سے کیے ہیں۔ ان مناظروں میں کبھی ایسی شرائط نہیں رکھی گئیں۔ آخر کیوں؟ کیا

پرانے دیوبندی اکابر یہ باتیں نہیں جانتے تھے جو مولوی ملتانی آج بیان کر رہے ہیں یا جانتے تھے مگر اس کے باوجود اس طرح کی شرائط نہیں عائد کرتے تھے اور ہمیشہ مناظرے علم مناظرہ کے اصول و قواعد کی روشنی میں ہوتے رہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس لیے تجربہ کے بعد مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کو اپنے موقف کی کمزوری کا احساس ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ فریقین کے مسلمہ اصول و قواعد کے تحت بحث کر کے ہم ہمیشہ گھائلے میں رہتے ہیں لہذا اب سے من مانے قواعد و اصول تراشنے جائیں جن کی وجہ سے ہماری جیت یقینی ہو جائے۔ لگتا ہے بات ایسی ہی ہے ورنہ یہ نئے قواعد تراشنے اور نئی نئی شرطیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اگر ہم ان کی یہ شرط مان لیں تو ہمیں بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ ہم کہیں کہ مولوی ملتانی صاحب آئیے ہاتھ ملا لیں نہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں اور نہ آپ جو کچھ آپ ہم سے چاہتے ہیں وہی ہم آپ سے چاہتے ہیں ہر مسئلہ کے لیے آپ امام صاحب کا بلا واسطہ فیصلہ سناتے جائیں نہ آپ کو اس کی تشریح کا حق ہے اور نہ کسی دوسرے مقلد کی تشریح پیش کرنے کا حق ہوگا۔ آپ کو کسی مقلد کی یا اپنی تشریح کو فقہ میں شامل کرنے کا حق نہ ہوگا۔ آپ کی رائے کاغذ پر لکھ لی جائے گی اور مطالبہ کیا جائے گا کہ آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایسا صاف صریح حکم پیش کریں جس کا ترجمہ وہی ہو جو آپ کا دعویٰ ہے اور کاغذ پر لکھا ہوا ہے اگر آپ اس کے لیے تیار ہیں تو ہم بھی تیار ہیں:

ادھر آ پیارے ہنر آزمائیں

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

اگر آپ اس کے لیے تیار نہیں ہیں تو آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ الحمد للہ پر من مانی پابندیاں لگائیں اور خود اس پر عمل کرنے کو تیار نہ ہوں۔

مولوی ملتانی کی بعض مغالطہ آمیز مثالیں اور ان کا جائزہ لکھتے ہیں

مثال (۱) میں نے ایک غیر مقلد مولوی صاحب سے کہا کہ آپ حدیث

کی تعریف کریں۔ اس نے یوں تعریف کی الخ (بارہ مسائل، ص ۱۵)

جواب: مولوی ملتانی نے یہاں جو کچھ لکھا ہے ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ مثال محض ان کے ذہن کی پیداوار ہے اور اپنے طور پر وہ تیس مار خاں بننے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ محض مغالطہ ہے ان کا اہلحدیث سے جو مطالبہ تھا وہ بھی غلط تھا اور محدثین کی تعریف کو قبول کرنے کا نام انہوں نے تقلید رکھا۔ وہ بھی غلط ہے ازیں قبل ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں۔ آخر میں اہلحدیث کا خاموش ہو جانا لاعلمی کی وجہ سے تھا یا عاجز رہ جانے کی وجہ سے یا جواب جاہلانہ باشد خموشی کی وجہ سے؟ پتا نہیں چلا۔ ہو سکتا ہے اس نے آخری شق پر عمل کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی ہو۔ بہر حال

مولوی ملتانی کے ایک تربیت یافتہ تیس مار خاں ہمارے یہاں آئے، بولے: ایک بات پوچھنا تھی، ہم نے کہا پوچھئے: بولے حدیث کے کیا معنی ہیں؟ ہم نے کہا: کس کے نزدیک؟ بولے: کیا مطلب؟ ہم نے کہا: تعریف مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہوتی ہے۔ بولے: سمجھا نہیں ہم نے کہا آخر اس قدر نا سمجھی آپ پر کیوں طاری ہے؟ بولے: کیا مطلب؟ ہم نے کہا: بھولے بھیا بات اصل یہ ہے کہ یہ سوال جس نے آپ کو پڑھایا ہے اس نے ادھورا پڑھایا ہے۔ ابھی آپ نادان ہیں کم سمجھ ہیں اور نکل پڑے اہلحدیث سے الجھنے کے لیے۔ کہنے لگے: نہیں الجھنے کی تو کوئی بات نہیں لیکن آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا: بھولے بھیا حدیث کا معنی مطلب اہل لغت کے نزدیک الگ ہوتا ہے اور اہل فقہ

کے نزدیک الگ اور اہل اصول کے نزدیک اس کا معنی کچھ اور ہوتا ہے۔ جب کہ اہل حدیث کے یہاں اس کا معنی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس لیے ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ حدیث کے معنی کس کے نزدیک پوچھنا چاہتے ہیں۔ اہل لغت کے نزدیک۔ اہل اصول کے نزدیک، اہل حدیث کے نزدیک، احناف کے نزدیک، اب آپ جس کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہوں بتائیں تاکہ جواب دیا جائے۔ بیچارے بڑے پریشان ہوئے۔ ان کو جو سبق پڑھایا گیا تھا وہ ادھورا تھا آگے بولتے کیا۔ کہنے لگے: یہ تو سب ہم جانتے نہیں؟ آپ یہ بتائیے کہ آپ کے نزدیک حدیث کے کیا معنی ہیں؟ ہم نے پوچھا: آپ ہم کو کیا سمجھتے ہیں؟ کہنے لگے کیا مطلب؟ ہم نے کہا: آپ جو سمجھتے ہوں اسی کے اعتبار سے جواب دیا جائے۔ بیچارے پھر الجھ گئے۔ کہنے لگے: آپ کچھ بھی ہوں ہمیں تو آپ سے حدیث کا معنی معلوم کرنا ہے۔ ہم نے ان کو زیادہ حیران کرنا مناسب نہ مانا۔ اس لیے ان سے کہا: حدیث کے معنی ہوتے ہیں ”بات“ بولے کیا؟ ہم نے کہا: حدیث کے معنی بات کے ہوتے ہیں۔ اس کو جب کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اس کے معنی اسی کی مناسبت سے متعین ہو جاتے ہیں۔ کہنے لگے: آپ خواہ مخواہ مجھے الجھا رہے ہیں۔ ہم نے کہا: ہم تو آپ کو الجھن سے نکال رہے ہیں الجھا کہاں رہے ہیں۔ آخر اپنے مدعا پر آگے کہنے لگے: جو معنی آپ نے بتائے ہیں اس کی دلیل قرآن یا حدیث سے دیجئے؟

ہم نے کہا: آپ کب غیر مقلد ہونے؟ کہنے لگے: کیا مطلب؟ ہم نے کہا: دلیل مانگنا غیر مقلدوں کا کام ہے آپ تو خیر سے مقلد تھے بلا دلیل مانتے تھے آپ کو کس نے غیر مقلد بنا دیا۔ کہنے لگے: نہیں تو میں تو غیر مقلد نہیں ہوں۔ میں تو آج بھی مقلدوں میں سے ہوں۔ میں نے کہا: تو پھر آپ کو دلیل کی کیا ضرورت آپ تو آج تک بلا دلیل مانا کرتے تھے آج دلیل کیوں طلب کرنے لگے؟ یا تو آپ اپنے کو غیر مقلد کہیے اور دلیل

مانگئے یا مقلد رہے اور دلیل مانگنا بند کر دیجئے۔ بہت پریشان ہوئے تھوڑی دیر چپ رہ کر کہنے لگے: ہم جس کی تقلید کرتے ہیں اس سے دلیل نہیں مانگتے اس کی بات بلا دلیل مانتے ہیں۔ آپ کی تو تقلید کرتے نہیں لہذا آپ سے دلیل مانگنا غیر مقلدیت کیسے ہو گیا؟ ہم نے کہا: آپ کس کے مقلد ہیں؟ کہنے لگے: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے۔ ہم نے کہا: ٹھیک پھر آپ اپنے مولویوں سے دلیل مانگتے ہیں۔ کہنے لگے: نہیں۔ ہم نے کہا: کیوں؟ جب آپ مسئلے آج کے مولویوں سے پوچھتے ہیں تو کیا دلیل مانگتے ہیں؟ کہنے لگے: نہیں۔ ہم نے کہا: کیوں؟ کیا ان کی تقلید کرتے ہیں۔ بولے: نہیں۔ آج کے مولویوں کی تقلید نہیں کرتے۔ ہم نے کہا: جب بات آج کے مولوی کی مانتے ہیں مسئلہ ان سے پوچھتے ہیں تو تقلید امام اعظم کی کس طرح کرتے ہیں اور کس بات میں؟ کیونکہ امام اعظم کی نانو کوئی کتاب ہے جس میں دیکھ کر ان کی تقلید کریں اور نہ وہ آج موجود ہیں کہ ان سے پوچھ کر عمل کریں۔ کہنے لگے: آپ مجھے پھنسا رہے ہیں میری بات کا جواب تو دے نہیں رہے ہیں۔ ہم نے کہا: آپ کی بات کا جواب ہی تو دے رہے ہیں۔ آپ ایک طرف اپنے آپ کو مقلد بتلا رہے ہیں دوسری طرف غیر مقلد بن کر دلیل مانگ رہے ہیں۔ آپ پہلے طے کر لیں کہ آپ کیا ہیں مقلد یا غیر مقلد؟ تبھی آپ کو جواب دیا جائے۔ کہنے لگے: آپ تو غیر مقلد ہیں آپ غیر مقلد کی حیثیت سے دلیل دیجئے۔ ہم نے کہا: غیر مقلد نہیں الہمدیث ہیں۔ آپ ہمیں غیر مقلد کیوں کہتے ہیں؟ کہنے لگے: جو تقلید کرے وہ مقلد ہوتا ہے جو تقلید نہ کرے وہ غیر مقلد ہوتا ہے۔ کیا آپ تقلید کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: آپ کو غیر الہمدیث کہا جائے تو آپ کو اچھا لگے گا۔ کہنے لگے: ہم حدیث کو مانتے ہیں آپ ہمیں غیر الہمدیث کیوں کہیں گے؟ ہم نے کہا: جب ہم الہمدیث ہیں تو آپ ہمیں غیر مقلد کیوں کہتے ہیں؟ کہنے لگے: جو تقلید کرے وہ مقلد ہوتا ہے جو تقلید نہ کرے وہ غیر

مقلد ہوتا ہے۔ اس کو آپ برا کیوں مانتے ہیں؟ ہم نے کہا: جو حدیث کو مانے وہ اہلحدیث اور جو حدیث کو نہ مانے وہ غیر اہلحدیث پھر آپ کو غیر اہلحدیث کہا جائے تو آپ کو برا کیوں لگے گا؟ کہنے لگے یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم نے کہا: بات کیوں نہیں ہوئی۔ کیا آپ ہندو ہیں؟ کہنے لگے: نعوذ باللہ ہم کیوں ہندو ہوتے؟ ہم نے کہا: جب آپ ہندوں نہیں ہیں تو آپ کو اگر غیر ہندو کہا جائے تو صحیح ہوگا آپ اس کو پسند کریں گے؟ کہنے لگے: کیا آپ ہمیں غیر ہندو کہیں گے ہم نے کہا چونکہ آپ ہندو نہیں ہیں آپ کو غیر ہندو کہنا درست ہوگا۔ کہنے لگے: ہم مسلمان ہیں تو آپ ہمیں غیر ہندو کیوں کہیں گے؟ مسلمان کہئے۔ ہم نے کہا: جب ہم اہلحدیث ہیں تو آپ ہمیں غیر مقلد کیوں کہتے ہیں؟ اگر اہلحدیث کو غیر مقلد کہنا درست ہے تو آپ کو غیر ہندو کہنا کیوں نہ درست ہوگا؟ بڑے جزبہ ہوئے کہنے لگے: چھوڑیئے یہ آپ کیا لے کر بیٹھ گئے ہم نے تو آپ سے حدیث کے معنی پوچھے تھے وہ بتائیئے۔ ہم نے کہا: بتا تو دیئے۔ کہنے لگے: قرآن و حدیث سے کوئی دلیل دیجئے جو آپ کہہ رہے ہیں اس معنی کی دلیل دیجئے۔ ہم نے کہا: دلیل تو ہم دے دیں لیکن آپ اقرار کریں کہ آپ غیر مقلد ہو گئے ہیں۔ کہنے لگے: کیوں اس کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے کہا: ضرورت یہ ہے کہ مقلد کو دلیل مانگنا یا دلیل کا سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ جب وہ دلیل جان جائے گا تو مقلد نہیں رہے گا غیر مقلد ہو جائے گا۔ دلیل مانگنا غیر مقلدوں کا کام ہے تاکہ مقلدوں کا۔ کہنے لگے یہ آپ کی بات زبردستی کی ہے۔ ہم نے کہا: آپ ذرا اپنے مولویوں کی تعریف دیکھ لیں کہ تقلید کی تعریف کیا کرتے ہیں۔ ان کی تعریف کی رو سے عدم دلیل تقلید کی بنیادی شرط ہے۔ اگر دلیل جان کر کے بات مانی جائے تو اس کو تقلید نہیں کہتے ”قبول قول الغیر من غیر دلیل یا من غیر حجة“ کا معنی یہی ہے۔ لہذا آپ پہلے اقرار کریں کہ آپ غیر مقلد ہیں تاکہ میں اپنی بات کی دلیل

دوں ورنہ مقلد رہتے نہ آپ کو دلیل مانگنا چاہیے اور نہ مجھے بتانا چاہیے۔ بہت پریشان ہوئے۔ کہنے لگے: مان لیجئے، میں غیر مقلد ہوں اب آپ دلیل دیجئے۔ میں نے کہا مبارک ہو، اب دلیل سنئے۔ قرآن کہتا ہے:

وَإِذَا أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا

اس آیت کریمہ میں رسول کی بات کو حدیث کہا گیا ہے۔ بڑے خاموش ہوئے پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلے گئے آج تک دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔

قارئین کرام آپ نے مثال نمبر ایک میں ملتانی صاحب کی غیر اصولی گفتگو کا حال سن لیا اور وہ جو مغالطے عام آدمی کو دیتے ہیں ان کی کیفیت بھی پڑھ لی دراصل ملتانی صاحب نے اپنے طور پر چند مفروضے تراش لیے ہیں اور عام آدمی کو اس میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کسی عالم کے پاس جانے یا اس سے پوچھنے کی ہمت ان بیچاروں کو نہیں ہوتی ورنہ وہی حال ہوگا جو اس بیچارے کا ہوا جو ان کی کتاب پڑھ کر ہمارے پاس منہ مارنے آیا تھا۔

مثال نمبر 2 کا مغالطہ

مولوی ملتانی نے اس نمبر میں ایک الہدیت مناظر کے ساتھ کی ہوئی اپنی شرارت کا تذکرہ کیا ہے لیکن ظاہر ہے یہ محض بناوٹی اور خانہ زاد ہے، کسی الہدیت مناظر کے سامنے اس طرح کی بچکانہ باتیں نہ چل سکتی ہیں اور نہ ان کو جرات ہی ہو سکتی ہے کہ اس کے سامنے اس طرح کی غیر اصولی اور بے ڈھنگی باتیں کریں۔ لکھتے ہیں:

”ایک غیر مقلد مناظر سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ سنت کی تعریف کریں،

وہ صاحب کہنے لگے: سنت اور حدیث ایک چیز ہے۔ میں نے یہ

الفاظ کاغذ پر لکھ لیے اور مناظر صاحب سے کہا کہ آپ قرآن کی کوئی

آیت یا حدیث پڑھیں جس میں صراحت ہو سنت اور حدیث ایک

چیز ہے۔ وہ کہنے لگا یہ بات قرآن میں ہے نا حدیث میں۔“

(بارہ مسائل، ص ۱۶)

جواب: ایک دیوبندی مناظر آمین کے مسئلہ پر الجھنے لگا کہنے لگا! کیا یہ سنت ہے؟ ہم نے کہا: ہاں سنت ہے، بولا: سنت کی تعریف کریں ہم نے کہا! آپ جانتے ہیں سنت کی تعریف یا نہیں، کہنے لگا: اس سے آپ کو کیا لینا دینا ہے؟ ہم نے کہا اس سے بہت کچھ لینا دینا ہے۔ آپ بتائیے آپ سنت کی تعریف جانتے ہیں یا نہیں؟ اگر جانتے ہیں تو پوچھتے کیوں ہیں اور اگر نہیں جانتے تو آپ جاہل ہیں اعتراف کریں کہ میں سنت کی تعریف سے جاہل ہوں، کہنے لگا: میں جانتا ہوں جاہل نہیں ہوں، ہم نے کہا، تب پوچھتے کیوں ہو تم مناظر ہو یا مکابر؟ کہنے لگا مناظر ہوں، میں نے کہا مناظر کا یہ کام نہیں ہے یہ تو مکابر کا کام ہے، کہنے لگا: آپ مجھے بتائیں گے؟ مناظر کیا ہوتا ہے اور مکابر کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا جب سنت میں آپ کو بتاؤں گا تو مناظر و مکابر بتانے میں کیا پریشانی ہے۔ آپ اگر مناظر ہیں اور سنت کی تعریف جانتے ہیں تو بتانے کی ضرورت نہیں اور اگر مکابر ہیں مجادل ہیں یا سنت کی تعریف نہیں جانتے ہیں تو آپ جاہل ہیں، دونوں صورتوں میں آپ سے بات کرنا مناسب نہیں کیونکہ مجادلہ، و مکابرہ، شریروں اور گمراہوں کا کام ہے۔ کہنے لگا آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا: آپ کو یہ اقرار کرنا ہوگا کہ آپ سنت کی تعریف نہیں جانتے۔ کہنے لگا: میں جانتا ہوں مجھے یہ اقرار کرنے کی ضرورت نہیں، میں نے کہا: تو پوچھتے کیوں ہو؟ کہنے لگا: آپ کے امتحان کے لیے میں نے کہا تم ممتحن ہو یا مناظر کہنے لگا: مناظر ہوں پھر امتحان کا کیا مطلب، مناظر کا کام امتحان کب ہوتا ہے اور کس نے لکھا ہے کہ مناظر کو امتحان لینا چاہیے، کہنے لگا: آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں، میں نے آپ سے صرف

سنت کی تعریف پوچھی تھی وہ بتائیے میں نے کہا، میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ جانتے ہیں یا نہیں اگر جانتے ہیں تو بتانا بیکار ہے اور اگر آپ جاہل ہیں آپ سے مناظرہ بیکار، آپ صرف اپنی جہالت کا اقرار کر لیں ہم آپ کو سنت کی تعریف بتا دیتے ہیں، کہنے لگا: اس کا صاف مطلب ہے کہ آپ سنت کی تعریف نہیں جانتے، میں نے کہا: کس لفظ کا یہ مطلب ہے، کہنے لگا اگر آپ جانتے ہیں تو بتانے میں کیا پریشانی ہے میں نے کہا:

جب نہیں جانتے تو جہالت کا اقرار کر لینے میں کیا پریشانی ہے؟

سنت کی تعریف

کہنے لگا: آپ عجیب آدمی ہیں میں نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگا میں ایک ذرا سی بات پوچھ رہا ہوں اس میں اس قدر وقت لگا دیا میں نے کہا: عجیب تو تم بھی ہو۔ کہنے لگا: کیسے؟ میں نے کہا ذرا سی بات ہے کہ اقرار کر لو کہ میں سنت کی تعریف نہیں جانتا، مگر بھاگے بھاگے پھر رہے ہو ہار کر کہنے لگا چلئے اچھا میں اقرار کرتا ہوں کہ میں سنت کی تعریف نہیں جانتا۔ میں نے کہا: اب سنو۔ سنت طریقہ کو کہتے ہیں۔ کہنے لگا کس کے طریقہ کو کہتے ہیں میں نے کہا: تب یوں پوچھو سنت رسول اللہ کس کو کہتے ہیں؟ کہنے لگا وہی پوچھتا ہوں، میں نے کہا تم صرف سنت پوچھ رہے تھے سنت رسول کا لفظ تم نے کب استعمال کیا، کہنے لگا: مطلب تو وہی تھا، میں نے کہا تو پھر جواب میں بھی وہی سمجھ لو کہ سنت رسول کا مطلب ہے رسول کا طریقہ۔ کہنے لگا: اچھا چھوڑیے جو آپ نے کہا ہے اس کی دلیل دیجئے۔ میں نے کہا کہ سنو، ”علیکم بسنتی“ کہنے لگا آگے کچھ اور بھی تو ہے؟ میں نے کہا: ہے، تو کہنے لگا کیا ہے، میں نے کہا ”و سنة الخلفاء الراشدین المہدین“ کہنے لگا اس میں سنت کے کیا معنی ہیں میں نے کہا یہاں بھی سنت کے معنی طریقہ ہیں کہنے لگا جب رسول کی سنت بھی سنت ہے اور خلفاء کی سنت بھی سنت ہے تو آپ کس کی سنت پر عمل کرتے ہیں،

میں نے کہا: جب تک سنت رسول ملتی ہے تو اس کے علاوہ کسی طرف نہیں دیکھتے، لیکن اگر سنت رسول نہ ملے تو پھر سب سے پہلے سنت خلفاء اربعہ کو دیکھتے ہیں۔

کہنے لگا اچھا حدیث کے معنی کیا ہیں؟ میں نے کہا جانتے ہو یا نہیں؟ کہنے لگا کہ آپ مان لیجئے میں نہیں جانتا، میں نے کہا اگر اقرار ہے تو سنو حدیث کہتے ہیں بات کو، کہنے لگا، دلیل اس کی کیا ہے قرآن یا حدیث سے دیں، میں نے کہا بے شک سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَإِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِ حَدِيثًا ۝“ کہنے لگا کیا مطلب؟ میں نے کہا یہاں اللہ نے نبی کی بات کو حدیث کہا ہے، کہنے لگا اس کا مطلب ہے آپ فعل کو اور تقریر کو حدیث نہیں مانتے۔ میں نے کہا وہ کیسے کہنے لگا: آپ نے تو صرف قول کو حدیث بتایا ہے، میں نے کہا تمہارے سمجھنے کا فرق ہے رسول کی بات قولی ہو یا فعلی یا تقریری بہر حال رسول کی بات ہے یعنی حدیث ہے گھبرا کر کہنے لگا: پھر حدیث و سنت میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا وہی فرق ہے جو کسی کی بات یا اس کے طریقہ میں ہوتا ہے پسینے آگئے ہونٹ سوکھ گئے کہنے لگا اچھا پھر ملیں گے میں نے کہا جب چاہو ملو آج تک دوبارہ درشن نہیں ہوئے۔

مولوی ملتانی نے اس نمبر میں جو کچھ نقل کیا ہے وہ اگر ملتانی یا اس کا کوئی حواری ہم سے پوچھے تو ہم اس کو جواب دیں گے کسی غیر مقلد نے کیا جواب دیا اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ دیوبندیوں کی عادت ہے بیچارے کم پڑھے لکھے لوگوں سے الجھتے ہیں اور علماء کے پاس جانے سے کتراتے ہیں اس نمبر سے متعلق چند امور ہم واضح کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

ملتانی اینڈ پارٹی اہلحدیث سے سنت یا حدیث کی تعریف کا مطالبہ قرآن یا حدیث سے با دلیل کرتی ہے جبکہ یہی بات جب ان سے پوچھی جاتی ہے تو وہ فقہاء کی تعریفات سے جواب دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اس نمبر کے آخر میں لکھا ہے کہ

تعریفات قرآن و سنت میں نہیں ہوتیں ماہر فن کرتے ہیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ اہل حدیث سے قرآن و حدیث سے با دلیل ثابت کرنے کا مطالبہ کرنا اور خود امام ابو حنیفہ سے تعریف نہ ثابت کرنا اور یوں کہنا کہ تعریفات قرآن و حدیث میں نہیں ہوتیں دو باتوں کو ثابت کرتا ہے۔

۱۔ مولوی ملتانی اینڈ پارٹی بلکہ سارے دیوبندی تقلید شخصی سے منحرف ہیں اور جب ضرورت پڑتی ہے امام ابو حنیفہ کا ساتھ چھوڑ کر دوسروں کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، جبکہ دعویٰ تقلید شخصی کا ہے، اور اگر یہ کہیں کہ ہم فقہاء سے تعریفات نقل کرتے ہیں لیکن امام صاحب کی تقلید سے نہیں نکلتے اور نا فقہاء کے مقلد ہی ہو جاتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ اہل حدیث اگر تعریفات کسی دوسرے سے نقل کرتا ہے تو اس کو اس کی تقلید کا طعنہ کیوں دیا جاتا ہے؟ یہ اچھا انصاف ہے کہ آپ کریں تو ٹھیک اور ہم کریں سو پاپ۔

۲۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ فقہاء حدیث و سنت کی جو تعریف کرتے ہیں وہ قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ فقہاء اپنی طرف سے یہ تعریفات گھڑ لیتے ہیں، اس کا کچھ ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں، حالانکہ ایسا کہنا سراسر قرآن و حدیث پر الزام اور فقہاء پر اتہام ہے۔

مولوی ملتانی نے چار احادیث بھی ذکر کی ہیں اور اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ ان احادیث کو نہیں مانتے، آخر کیوں؟ کیا انکار حدیث دیوبندیت کا پسندیدہ عمل ہے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ہم حدیث کو مانتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ ان احادیث کے انکار کا سبب کیا ہے اگر وہ یہ کہیں کہ یہ سنت نہیں ہے اس لیے ہم اس کو نہیں مانتے، تو بات وہی ہوئی کہ آپ سنت ہی کو مانتے ہیں حدیث کو نہیں مانتے لہذا برملا اعلان کرنا چاہئے کہ ہم منکر حدیث ہیں صرف سنت کو مانتے ہیں اور سنت بھی اسکو مانتے ہیں جس کو ہمارے

فقہاء عمل کے لیے اختیار کریں ورنہ سنت نہیں مانتے۔ تو اس کا حاصل مطلب تو یہی ہوا کہ ہم رسول کا کہا یا کیا نہیں مانتے، صرف اپنے فقہاء کا کہا مانتے ہیں؟

رضاعت کبیر کا مسئلہ

رہی بات اس کی کہ الہمدیث حدیث اور سنت کو ایک مانتے ہیں اور یہ امور ان کے اعتبار سے سنت ہوئے تو عرض ہے کہ یہ تو اپنی اپنی اصطلاحات کا فرق ہے اور اصطلاحات کے سلسلہ میں کسی طرح کا مناقشہ غلط ہے۔

رہی بات ان احادیث کے بارے میں الہمدیث موقف کی تو رضاعت کبیر (بڑے آدمی کو دودھ پلا کر بیٹا بنا لینا) بطور شدت حاجت و ضرورت شدیدہ کے آپ نے صرف ایک خاتون کے لیے ایسی حالت میں کہ وہ شخص بچپن سے ان کے یہاں پلا بڑھا بچوں کی طرح رہا سہا اور پھر اس خاتون کی شادی ہو جانے کے سبب اس کے شوہر کو سالم کا گھر میں آنا جانا اور ان کی بیوی کا پردہ نہ کرنا ناگوار، گزرا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی پریشانی رسول اکرم کی خدمت میں پیش کی آپ نے اس پورے معاملہ کو دیکھ کر اس خاتون کی پریشانی محسوس کر کے ان کو خاص کر یہ اجازت مرحمت فرمادی کہ تم ان کو اپنا رضاعی بیٹا بنا لو تا کہ تمہارے شوہر کو اس کا آنا جانا ناگوار نہ ہو ورنہ آپ نے دیگر احادیث میں صاف فرمادیا کہ رضاعت اسی صورت میں معتبر ہے جب کہ دودھ اس کی غذائے اصلی ہو۔ اور اس کی بھوک کو منادے، یہ ایک خاص حالت ہے، اس کو لیکر الہمدیث سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ ایسا کیوں نہیں کرتے اور اس سنت کے تارک ہیں سخت جہالت اور عوام کو دھوکہ دینا ہے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی بات کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کو لیکر غوغا کرنا سراسر بدعتی پر مبنی ہے، اس حدیث کے آدھے حصہ کو خود احناف مانتے ہیں اور آدھے کا

انکار کرتے ہیں، چوتھائی سر کے مسح کی بات اسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں اگر یہ حدیث ربع راس کے لیے دلیل بن سکتی ہے اور اس سے دلیل لی جاسکتی ہے تو باقی حدیث پر عمل نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا یہ (أَفْتَوْهُ مَنُونٌ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ) پر عمل نہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو سوچیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

ہمارا موقف اس بارے میں یہ ہے کہ ضرورت کے سبب آپ نے کھڑے ہو کر ایسا کیا، اگر اسی طرح کی مجبوری ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔ اللہ نہ کرے ایسی ضرورت کسی کو لاحق ہو، ہاں اگر ہو جائے تو کھڑے ہو کر پیشاب کر سکتا ہے، اگر اہلحدیث کو کوئی مجبوری لاحق ہوتی ہے تو ایسا کرتے ہیں، اس کے برخلاف عملاً احناف کے عوام اور بابوقسم کے لوگوں کا اسی پر عمل ہے، برصغیر ہند و پاک میں ہر جگہ اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اب اگر یہ پوچھیں کہ اہلحدیث بلا ضرورت ایسا کیوں نہیں کرتے، تو ایسا اس لیے ہے کہ آپ کا عمل اکثر بیٹھ کر پیشاب کرنے کا تھا جیسا کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، اسی طرح آپ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا ”یا عمر لا تبل قائماً“ جس کو ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے، لیکن سند اس کی ضعیف ہے، اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ”ثلاث من الجفاء“ فرمایا گیا ہے اور اس میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو اجڈ پن شمار کیا گیا ہے گو علامہ بدر العینی شارح بخاری صحیح قرار دیتے ہیں، طبرانی اوسط، اور بزار نے بھی روایت کیا ہے جس میں بزار کے رجال کو رجال الصحیح قرار دیا گیا ہے۔

اس سے بات صاف ہوگئی کہ ملتانی کا اہلحدیث سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مطالبہ کرنا اور یوں کہنا کہ وہ اس سنت کو چھوڑے ہوئے ہیں نری جہالت اور سراسر اجڈ پن ہے۔

وضو کے بعد بوسہ لینے کا مسئلہ

وضو کے بعد بوسہ لینے کی بابت مولوی ملتانی کی خامہ فرسائی بھی اسی قبیل سے ہے، تعجب تو اس بات پر ہے کہ محدثین پر یا اہلحدیث پر الزام تراشی تو کردی یہ نہ سوچا کہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح بھی ہے، جب محدثین یا اہلحدیث اس کو صحیح ہی نہیں مانتے تو اس پر عمل نہ کرنے پر الزام تراشی کیسی یہ ملتانی کی نری جہالت ہے۔

بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا

رسول اکرمؐ کی نواسی حضرت امامہ کی بابت جو کچھ مولوی ملتانی نے لکھا اور اس کی بنیاد پر ان کا مطالبہ ہے کہ اہلحدیث اپنی بچیوں کو مسجد میں کیوں نہیں لاتے ہیں اور ان کو اٹھا کر نماز کیوں نہیں پڑھتے، یعنی ان کو ایسا کرنا چاہئے تو عرض ہے کہ اہلحدیث کے یہاں یہ صرف بیان جواز کے لیے ہے۔ آپ کے یہاں کتب فقہ میں کتے کے پلے کو اٹھا کر نماز پڑھنے کا جواز لکھا ہوا ہے، سوال یہ ہے کہ آپ اپنی ان فقہی باتوں پر عمل کیوں نہیں کرتے، کتے کے پلے کو گود میں لیکر نماز کیوں نہیں پڑھتے۔

ربی ہماری بات تو ہمارے یہاں انسانی بچہ کو لے کر نماز پڑھنا جواز کے درجہ میں ہے جو کام رسولؐ نے کیا اس کے جواز میں ہمیں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ صحابہ کرام نے رسولؐ کو ایسا کرتے دیکھا کسی نے اعتراض تو کیا نہیں، ہاں عمل بھی ان کا اس پر منقول نہیں ہے، اسی طرح اہلحدیث یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ کام غلط ہے کیوں کہ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے لیکن عمل بھی نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل منقول نہیں، ہاں جواز موجود ہے۔

مولوی ملتانی نے بزعم خویش جو اعتراضات و مطالبات گھڑے ہیں اس کی حقیقت ہم اس سے قبل واضح کر چکے ہیں اور ان کا مطالبہ کرنا کہ اس پر کوئی آیت یا حدیث پیش کرو، جس کا یہی معنی بنتا ہو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ مطالبہ بیجا ہے۔

اس نمبر کے آخر میں سنت کی جو تعریف مولوی ملتانی نے کی ہے وہ خود کتب فقہ

احناف کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ سنت کی تعریف میں علماء احناف نے یہ بات لکھی ہے کہ سنت وہ کام ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجی اختیار کی ہو، اور بعض لوگوں نے قید بھی لگائی ہے کہ سنت وہ کام کہلائے گا جس پر بھیجی بطور عبادت برتی ہو، اگر کوئی کام بطور عادت کیا وہ سنت نہیں۔ مولوی ملتانی نے جو تعریف لکھی ہے وہ ان کی من مانی ہے پھر ان کو چاہئے تھا کہ اس پر امام ابو حنیفہ کی کسی کتاب کا حوالہ دیتے کہ امام نے فلان کتاب میں یہ تعریف کی ہے لیکن جو حرکت ملتانی نے کی وہ سراسر غلط ہے، یہ حرکت اس کی من مانی ہے۔

مثال نمبر ۳ کے تحت جو لکھا ہے کہ کلمہ طیبہ اسی ترتیب کے ساتھ اکٹھا قرآن میں دکھادیں یا صریح صحیح مرفوع متصل حدیث میں دکھادیں جس میں آپ نے صحابہؓ کو یہ کلمہ سکھایا ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس قسم کے سوال سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں کلمہ طیبہ ہی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے؟ اور اس طرح آپ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد یعنی اقرار توحید و رسالت ہی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور اس طرح آپ مسلمانوں کو شک و شبہ میں ڈالنا چاہتے ہیں، اگر یہی آپ کا مقصد ہے تو پھر اسلام کو دشمنوں کی ضرورت نہیں یہود و نصاریٰ بے کار میں اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں جب کہ خود اسلام میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اسلام کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے۔

من از بیگان گان ہرگز نہ نالم

کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

آج کا مسلمان اگر یہ سنے گا کہ کلمہ طیبہ ہی اس ترتیب سے قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے تو اس پر کیا گزرے گی، اور پھر جو لوگ اسلام میں نئے تقاضوں کا نام

لے کر تبدیلیوں کی بات کر رہے ہیں ان کے لیے تو یہ اچھا موقع مل گیا کہ جب قرآن و حدیث میں اس ترتیب سے وہ کلمہ موجود نہیں ہے تو آخر یہ ترتیب کس نے دی، جب کوئی اور یہ تبدیلی کر سکتا ہے تو ہم بعض مسائل میں تبدیلی کیوں نہیں کر سکتے۔

افسوس ہے ان نام نہاد دیوبندیوں پر جو اسلام کا نام لے کر اپنے فقہاء کی بات منوانے کے چکر میں سارے اسلام ہی کو مشکوک قرار دے دے رہے ہیں، اور ایسے فتنوں کا دروازہ کھول رہے ہیں جو ایک بار اگر کھل گیا تو آسانی سے بند نہ ہوگا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس سوال کرنے والے نے کیا یہ سوچا کہ اہلحدیث سے اگر یہ مطالبہ کیا جائے اور وہ خدا نخواستہ نہ دکھاسکیں تو میرا کیا ہوگا کوئی مجھ سے اگر یہی سوال کر دے تو میں کہاں سے دکھاؤں گا ہو سکتا ہے کہ یہ کہیں کہ ہم تو کہہ دیں گے کہ اس کی ترتیب ہمارے فقہاء کے یہاں موجود ہے تو سوال یہ ہے کہ فقہاء کے یہاں ترتیب کہاں سے آئی ہے جو بات قرآن و حدیث میں نہیں اس کو فقہاء کیا ایجاد کرنے یا بنانے کی طاقت رکھتے ہیں، اور شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے اور اس کا شریعت میں مقام کیا ہے۔ اگر کوئی مقلد یہ کہنے لگے کہ تقلید کی برکت ہے کہ فقہاء کے یہاں یہ چیزیں ملتی ہیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتیں، تو عرض یہ ہے کہ فقہاء کی تقلید فروعات میں کی جاتی ہے یا اصول میں، اگر عقیدہ میں بھی تقلید درست ہے تو اس کا حوالہ دیا جائے یا اعلان کیا جائے کہ ہم فروع و اصول میں فقہاء کے مقلد ہیں اگر یہ کہہ دیں کہ اس میں اصول میں تقلید کی بات کہاں سے آئی تو عرض ہے کہ عقیدہ توحید و عقیدہ رسالت ہی جب عقیدہ سے خارج ہونگے تو اور کونسی بات عقیدے کی ہوگی کہ یہ اصل اصول ہے۔

پھر ایک بات اور بھی پیدا ہوگی کہ فقہاء احناف ماتریدی، معتزلی اور بعض اشعری کہلاتے ہیں اس کا کیا معنی ہے آخر امام ابوحنیفہ کی تقلید عقیدہ میں چھوڑ کر متکلمین کے مذہب

پر کیوں عمل ہے؟ کیا امام صاحب کا عقیدہ درست نہیں یا احناف ہی کا عقیدہ غلط ہے۔
 رہی بات اس کلمہ کو ترتیب سے دکھانے کی تو یہ لیجئے ثبوت حاضر ہے۔

کلمہ طیبہ کا ثبوت

ناظرین کرام! مولوی ملتانی جیسے نا عاقبت اندیش دیوبندی مولویوں کے کہنے میں آکر بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی اس غلط فہمی میں گرفتار ہو گئے کہ کلمہ طیبہ قرآن و سنت میں موجودہ ترتیب سے موجود نہیں ہے اور اس بات کو سچ مان کر گئے ڈیگیں ہانکنے اور چیلنج کرنے چنانچہ رائے چوٹی ساؤتھ انڈیا کا ایک دیوبندی مفتی بنام ثاقب جگہ جگہ اس پر چیلنج بازی کرنے لگا حد تو یہ کہ شہر گرم کنڈا، نزد مدن پٹی آندھرا پردیش کی مسجد فاطمہ میں بروز اتوار ۲۷ نومبر ۲۰۰۵ء کو یہی چیلنج کیا جب کہ مناظرہ کے لیے گئے ہوئے علماء اہلحدیث شام تک اس کا انتظار کرتے رہے مگر بلوں میں دیکا رہا جب علماء اہلحدیث وہاں سے چلے گئے۔ تو ایک بزرگ و معمر عالم کو جو نماز مغرب اور بعض احباب سے ملاقات کی خاطر رک گئے تھے ان کو زبردستی ریغال بنا کر بزور پستول ان سے خود اپنے ہاتھ سے ایک عبارت لکھ کر اس پر زبردستی دستخط کروالیے اور پھر اس تحریر کو بذریعہ پوسٹر اور اخبار الجمعیت تمام ہندوستان میں مشتہر کر کے اہلحدیث علماء کو بدنام کیا اور دیوبندی شرافت کے وہ وہ نمونے دکھائے کہ الامان و الحفیظ آخر جماعت اہلحدیث بنگلور نے اس کے جھوٹ کا پردہ فاش کیا تب جا کر اس کو کچھ شرم آئی۔

اس مفتی نے ایک اشتہار اس عنوان کا بھی نکالا کہ اہلحدیث کلمہ طیبہ کو موجودہ ترتیب سے قرآن و سنت سے ثابت کریں ورنہ تقلیدی روش اختیار کر کے ہمارے ساتھ آجائیں اس نے چیلنج کیا کہ قرآن و سنت میں کلمہ طیبہ موجودہ ترتیب سے ثابت نہیں ہے آخر جماعت نے ایک اشتہار ”کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ حدیث نبوی میں موجود ہے چیلنج کرنے والا مفتی جھوٹا اور جاہل ہے۔ نکالا اس وقت ہم اس اشتہار کو نقل

کرتے ہیں تاکہ سند رہے اور اس طرح کی اوجھی حرکتیں کوئی اور نہ کرے ساتھ ہی مولوی ملتانی کے سوال کا جواب بھی ہو جائے گا۔

ایک لاکھ روپے کا انعام

کلمہ طیبہ

لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ

حدیث نبوی میں موجود ہے۔ چیلنج کرنے والا مفتی جھوٹا اور جاہل ہے الحمد للہ والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه وبعد برادران اسلام! کافی مدت سے راپنچوٹی کا مفتی معصوم ثابت جگہ جگہ یہ کہتے پھر رہا ہے کہ کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ (دونوں جزء اکٹھا) قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے۔ اس کے حلقہ میں شاید کوئی ایسا نہیں ہے جو اسے یہ سمجھاتا کہ اس طرح کا مطالبہ کر کے یہ باور کرانا کہ اسلام کی بنیاد ہی قرآن مجید و حدیث سے ثابت نہیں ہے کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔ اس سے ایک طرف عام مسلمانوں کے دلوں میں شک و شبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو دوسری جانب غیر مسلموں کو یہ شوشہ ملے گا کہ دیکھو اسلام کا بنیادی کلمہ ہی قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ ان کے ایک مفتی ہی کا اس پر چیلنج ہے۔

شہر مرکمنڈا (نزد مدن پٹی/آندھرا پردیش) کی مسجد فاطمہ میں بروز اتوار ۲۷ نومبر ۲۰۰۵ء ایک دینی پروگرام میں بھی اس نادان مفتی نے اپنے اس چیلنج کا اعادہ کیا کہ دونوں جزء ملی ہوئی شکل میں یہ کلمہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی نہیں ہے۔ قیامت تک بھی اس کو کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔

اس مجلس میں موجود ایک معمر و معزز بزرگ سے اس نے مطالبہ کیا کہ بتاؤ کلمہ طیبہ کہاں ہے؟ انہوں نے حتی المقدور سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ دو دن کا وقت مقرر کر لو کتابیں لے آئیں گے اور تمہارا مطالبہ پورا کریں گے مگر اس مفتری نے ہرگز نہ مانا بعد ہوا کہ ابھی اسی وقت دکھانا پڑے گا، دو دن نہیں دو لمحہ بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔ پھر اس ظالم نے اپنے مقلدوں کے ذریعہ ان پر سختی کی انہیں گویا ریغمال بنا لیا اور خود ایک عبارت لکھوا کر اس پر جبراً دستخط کروایا اور

بعض جگہ اس پرچی کو تقسیم کر کے عامۃ المسلمین کے ایمان کو بگاڑنے کی بھی کوشش کی ہے۔

قارئین کرام! ان مذموم حرکتوں سے اس مفتری نے جہاں اپنی حد درجہ جہالت و ضلالت، بددینی و بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے وہیں اس نے دین اسلام کی سچائی و حقانیت کو بھی مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اسلام کا اولین کلمہ ”کلمہ طیبہ“ کے متعلق اس طرح کا انکار اور پھر اس پر چیلنج بہت ہی خطرناک اور قبیح ترین حرکت ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

”کلمہ طیبہ“ کی اہمیت و عظمت سے ہر مسلمان کا دل معمور ہے۔ یہ کلمہ اصل الاسلام ہے پورے دین اسلام کی بنیاد اسی کلمہ طیبہ پر قائم ہے۔ اسی کلمہ کی وجہ سے آدمی دائرہ اسلام میں رہتا ہے۔ ایسے عظیم ترین کلمہ کو مشکوک بنانا پورے دین اسلام کو مشکوک و مشتبہ بنانے کے برابر ہے۔ اب آئیے! اس مفتری کی جہالت دیکھیں: یہ کلمہ طیبہ ایک نہیں دسیوں کتب احادیث میں بعینہ موجود ہے ہم بخوف طوالت صرف ایک حدیث یہاں نقل کرتے ہیں۔

کلمہ طیبہ کا ثبوت

صحیح بخاری کے شارح امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ”الاصابة فسی تمييز الصحابة“ میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال: انطلق ابوذر و نعيم بن عم ابی
ذر و انا معهم يطلب رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو
مستتر بالجبل فقال ابوذر: يا محمد! اتيناك لنسمع ما تقول،
قال: اقول ”لا اله الا الله محمد رسول الله“ فآمن به ابوذر و

صاحبه۔ انتہی

یعنی حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر اور ان کے
پچازاد بھائی نعیم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔
اس وقت آپ ایک پہاڑی میں چھپے ہوئے تھے، حضرت ابوذر نے کہا: اے محمد! ہم آپ کے پاس
آئے ہیں تاکہ آپ کی دعوت کیا ہے سنیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ”میری دعوت ہے: لا اله الا
اللہ محمد رسول اللہ پس حضرت ابوذر اور ان کے ساتھی ایمان لے آئے۔

(الاصابة فى تمييز الصحابة لابن حجر العسقلانى فى ترجمة نعيم الغفرى ، ج ۶، ص ۳۶۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ، بیروت ، لبنان)

اس کے علاوہ اور بھی بے شمار روایتیں مختلف کتب حدیث میں وارد ہیں جن میں کلمہ طیبہ کا ثبوت واضح طور پر موجود ہے۔ مثلاً فتح الباری شرح صحیح البخاری ، تفسیر طبری ، تفسیر ابن کثیر ، تفسیر در منثور ، معجم طبرانی اوسط ، معجم طبرانی صغیر اور مجمع الزوائد وغیرہ۔ ان شاء اللہ ان تمام احادیث کو ایک رسالہ کی شکل میں مفصل شائع کیا جائے گا تاکہ اس طرح کے جاہل مفتیوں کے فتنوں سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھا جاسکے۔

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کس قدر صاف و صریح اور دن کے سورج کی طرح چمکتی ہوئی دلیل موجود ہے۔ مگر اس مفتی کی جہالت دیکھئے کہ اس کو کلمہ طیبہ کی حدیث معلوم نہیں ہے پھر بھی مفتی بنا بیٹھا ہے۔ اگر ذرا بھی اس میں شرم ہوتی تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرتا اس طرح چیلنج کر کے اپنی جہالت کا پرچار کرتے نہ پھرتا۔

جب اس کو کلمہ طیبہ کی دلیل معلوم نہ تھی تو ”لا ادری“ کہہ کر سکوت اختیار کرتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو صاف کہہ دیتے کہ ”لا ادری“ یعنی ”مجھے نہیں معلوم“ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دس مسائل میں ”لا ادری“ کہا ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ شامی) مگر اس مفتی نے لاعلمی کے باوجود چیلنج کر کے یہ بتا دیا کہ یہ اماموں کا نام صرف دھوکہ دینے کے لیے لیتا ہے۔ خود ان کی بات نہیں مانتا۔ یہ مفتی/مفتی نے اپنے اس دعویٰ سے ممکن ہے یہ کہنا چاہتا ہے کہ ”اول کلمہ“ قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ ہمارے امام ابو حنیفہؒ نے اس کو جوڑ کر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے جب تک ان کی تقلید نہیں کرو گے تمہیں کلمہ نہیں ملے گا۔

اگر بالفرض اس دعویٰ کو تسلیم کر لیں تو سوال یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ تو ایک سو سال بعد علی دنیا میں تشریف لائے ہیں تو پھر ان سے پہلے کے مسلمان صحابہ کرامؓ ، تابعین عظامؓ وغیرہم کا کلمہ کیا تھا؟ کیا وہ کلمہ طیبہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ جو مسلمان امام صاحب سے پہلے فوت ہو گئے ان کا ایمان درست تھا یا نہیں؟

دیکھنا یہ ہے کہ ان اکابرین کے بارے میں یہ مفتی/مفتی کیا فتویٰ صادر کرتا ہے اس لیے کہ یہ مفتی کلمہ کا ثبوت نہ دکھانے والے پر حکم لگاتا ہے کہ اس کا کلمہ درست نہیں اس کو کلمہ پڑھنا چاہیے۔ ان جاہلوں کا بس چلے تو یہ صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی استغفار پڑھوائیں گے کیونکہ انہوں نے کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاباً ”المحدث“ کہا ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط لکھا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم، باب.. المناولۃ) انہیں حقیقت و مجاز کی بھی تمیز نہیں ہے چلے ہیں اعتراض کرنے!!

ناظرین! اس مفتی نے کلمہ طیبہ کے ثبوت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خود امام صاحب پر افتراء پردازی و بہتان تراشی کی ہے و نیز مسلمانوں کو اس طرح کلمہ پڑھنے کا حکم دے کر خود کے اسلام کو مشتبہ بنا لیا ہے۔ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک خود کافر شمار ہوتا ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم) کیا اس صورت میں اس کی عبادات قبول ہوں گی کیا اس کے پیچھے نماز درست ہوگی؟ کیا ایسی حالت میں اس کا نکاح قائم رہے گا؟

آخر میں ہم ان لوگوں سے جو کلمہ طیبہ کی عظمت و صداقت پر ایمان رکھتے ہیں، معاشرہ میں امن و سلامتی کے خواہاں ہیں، افتراق و انتشار کو ناپسند کرتے ہوئے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس نادان و شر پسند مفتی کو لگام دیں۔ اس کے فتنے سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھیں، کلمہ طیبہ کے متعلق شکوک و شبہات پھیلانے سے اسے روکیں ورنہ یہ پورے معاشرے کو بگاڑ کر رکھ دے گا۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ایسے گمراہوں سے محفوظ رکھے۔ اور ان گمراہوں کو بھی محض اپنے فضل و کرم سے راہ ہدایت نصیب کرے۔ آمین

ایک لاکھ روپے کا انعام

اوپر کلمہ طیبہ کی حدیث کا جو حوالہ دیا گیا ہے اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ محولہ کتاب میں یہ حدیث نہیں ہے اور یہ ثابت کرے کہ قرآن و حدیث سے کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ ثابت نہیں ہے تو ہم اس کو ایک لاکھ روپے بطور انعام دیں گے۔

شائع کردہ: اہل حدیث اکیڈمی، ایم نمبر ۲، اسٹریٹ ۲ کراس چار مینار مسجد روڈ،

معسکر، بنگلور، ۵۱، فون نمبر: ۲۵۵۴۱۵۱۹

جھنڈے پر لکھنے اور پڑھنے کی جو بات ملتانی نے لکھی ہے وہ اس کی من گھڑنت ہے جس کے جواب کی ضرورت نہیں۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ملتانی صاحب کے مغالطے اسلام اور خود فقہ حنفی کے خلاف زبردست سازش ہیں۔

مثال نمبر ۴۔ لکھتے ہیں:

”مجلس تحفظ حدیث و فقہ کا ایک نوجوان الخ“ بارہ مسائل صفحہ ۱۸

افسوس ہے ان دیوبندیوں پر جو مجلس تحفظ حدیث و فقہ نام رکھ کر نوجوانوں کو حدیث اور اہل حدیث سے نفرت سکھاتے ہیں اور حدیث اور اہلحدیث سے بدظن کرنے کے لیے نئے نئے مغالطہ تراشتے ہیں اور شکوک و شبہات کو جنم دیتے ہیں، برعکس نہند نام زنگی کا فور والا معاملہ ہے، تنفر حدیث کا نام تحفظ حدیث رکھ لیا ہے۔ اور نوجوانوں کو علماء سے منہ زوری کرنا سکھاتے ہیں اور الزام اہل حدیث پر لگاتے ہیں کہ ان کے لوگ علماء کے منہ آتے ہیں جبکہ یہ لوگ نوجوانوں کو علماء سے بدزبانی کرنے پر اکساتے اور ان کو ان کی توہین کرنے کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں اور یہی نوجوان جب کسی اہلحدیث عالم کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور وہ ان کے کس بل سب ڈھیلے کر دیتا ہے تو یہی نوجوان دیوبندی مقلدوں کے لیے وبال جان ہو جاتے ہیں پھر ان کی شکایت اس طرح کرتے ہیں کہ اہلحدیث لوگ ایسے ہوتے ہیں وہ ایسا کہتے ہیں وہ ایسا کرتے ہیں حالانکہ نوے فیصد نوجوان خصوصاً نئے اہل حدیث وہی ہوتے ہیں جو ان کی تعلیمات کے نتیجے میں اہل حدیث سے ٹکرانے کے لیے تیار کئے گئے تھے لیکن جب بات ان کی سمجھ میں آ جاتی ہے اور وہ پلٹ کر ان گروہوں پر ہی وار کرتے ہیں تو بلبلا کر اہلحدیث کی بدگوئی کرتے ہیں بقول کسے۔

کار بد تو خود کریں۔ لعنت کریں شیطان پر۔

بہر حال اس نمبر میں رفع الیدین کی بحث چھیڑی ہے جس کی بحث آگے آرہی

ہے یہاں ہم صرف ان کے وہ مغالطے ذکر کریں گے جو انہوں نے دے ہیں۔

مغالطہ:

عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو ضعیف اللہ نے کہا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ نے؟ ابھی چند دن ہوئے کوٹہ راجستھان میں دیوبندی مولویوں سے سکھائے پڑھائے نو جوان دن کے اجلاس کے بعد رات کو عشاء بعد آنے کا کہہ گئے، ساتھ ہی ان کا اصرار تھا کہ ہمارے سوالات کے جواب دیئے جائیں، مقامی ذمہ داروں نے بھی ان کے جواب کے لیے اصرار کیا میں نے حامی بھر لی حسب وعدہ رات کو وہ چار نو جوان حاضر ہوئے اور اس بات کی تمہید رکھنے کے بعد کہ ہم کوئی مناظرہ کرنے نہیں آئے صرف ہم سمجھنا چاہتے ہیں اور کوئی مقصد ہمارا نہیں، میں نے کہا: اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو سمجھ لیں اور اگر کوئی اور مقصد ہو تو وہ بھی پورا کر لیں۔ ہنس کر کہنے لگے اور کوئی دوسرا مقصد نہیں، انہوں نے زبانی کچھ سوالات رکھے، میں نے بنیادی باتوں کو سامنے رکھا، انہوں نے پوچھا رفع الیدین کتنے بدری صحابیوں سے ثابت ہے۔ میں نے پوچھا، نماز کے کتنے ارکان بدری صحابیوں سے ثابت ہیں اور شریعت میں اس کی حیثیت کیا ہے کسی عمل کے لیے بدری صحابی سے ثابت ہونا کس حد تک ضروری ہے، اگر کوئی عمل بدری صحابیوں سے ثابت نہ ہو تو آپ اس پر عمل کریں گے یا نہیں؟ دیگر صحابہؓ جو بدری نہیں ہیں کیا ان کی بات یہ کہہ کر رد کر دی جائے گی کہ وہ بدری نہیں ہیں، اس کا اصول کیا ہے فقہ حنفی میں اس کی شرط کیا رکھی گئی ہے۔ اس طرح کے وضاحتی سوالات سے گھبرا کر وہ کہنے لگے: ہم تو خود آپ سے پوچھنے آئے ہیں آپ الٹا ہم ہی سے پوچھنے لگے، میں نے کہا بھائیو! بے کار بلا وجہ کی بات میں وقت برباد کرنا کہاں تک درست ہے، آج آپ رفع الیدین کرنے کے لئے اس لیے تیار نہیں ہیں کہ کسی بدری صحابیؓ سے آپ کو اس کا ثبوت نہیں ملتا کل کو دیگر ارکان و سنن و مستحبات کو بھی آپ اس اصول سے رد کر دیں گے، پھر نماز میں بچے گا کیا، اس لیے میں

آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ گمراہ کن سوالات ہیں جن سے اسلام کی بنیاد ہی گڑبڑ ہو جاتی ہے، اس لیے جو شخص یہ مسئلہ اٹھاتا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے وہ اس طرح کے سوالات کو پہلے حل کرے پھر اپنا سوال رکھے تو اس کا جواب دیا جائے گا۔ کہنے لگے:

ہم نے پہلے ہی کہا ہے کہ ہم سمجھنا چاہتے ہیں، میں نے کہا: میں آپ کو سمجھا ہی رہا ہوں، آپ کا یہ سوال کہ کیا رفع الیدین کسی بدری صحابی سے ثابت ہے؟ ایک خاص فکر کی نمائندگی کرتا ہے، میں اس فکر کی تغلیط کرنا ضروری خیال کرتا ہوں، ایک اور سوال اس فکر کے غلط ہونے کے متعلق آپ سے میں پوچھنا چاہتا ہوں، آپ رفع الیدین نہیں کرتے کیوں اس لیے کہ کسی بدری صحابی سے ثابت نہیں، یا اس لیے کہ امام ابو حنیفہؒ نے رفع الیدین نہیں کیا ہے بنیاد کیا ہے؟ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر بدری صحابی سے رفع الیدین ثابت ہوگئی تو کیا آپ امام صاحب کی تحقیق کے خلاف رفع الیدین کرنے لگیں گے، یا بدستور رفع الیدین ترک کئے رہیں گے، اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ بدری صحابیؒ کی روایت کو قبول کر لیں گے، تو کیا تقلید رہ جائیگی اور اگر کہتے ہیں کہ امام صاحب کی بات مانیں گے تو آپ کو کسی بدری صحابی سے ثابت ہونا یا نہ ہونا کیا فائدہ دے گا جب آپ حدیث پر عمل ہی نہیں کرنا چاہتے تو اس کی تلاش و جستجو کی ضرورت ہی کیا ہے، کیا آپ احادیث معلوم کر کے اس کی مخالفت کریں گے، گھبرا گئے کہنے لگے: ہم تو صرف اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ کسی بدری صحابی سے ثابت ہے یا نہیں؟ میں نے کہا وہی تو میں بتا رہا ہوں کہ آپ کا یہ سوال آپ کے لیے بے حد مضر ہے، اور جس نے سکھایا ہے آپ کو اس سے یہ سوالات جو میں نے آپ سے کئے ہیں کرنے چاہئیں۔ ایک نوجوان اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: چھوڑو وہ جو لکھے ہوئے سوالات ہیں وہ نکالو، میں نے کہا: کیوں رفع الیدین اور بدری صحابی کا کیا ہوگا؟ بولا چھوڑیے بات سمجھ میں آگئی۔ میں نے کہا: جب تم اس بحث کو ختم کرنا چاہتے ہو تو سنو رفع الیدین کئی بدری صحابیوں سے ثابت ہے، علامہ

سبکی، امام بخاری وغیرہ علامہ محمد الدین فیروز آبادی نے اس کی وضاحت کی ہے اگر تفصیل دیکھنا ہے تو مولانا عبدالرشید صاحب کی کتاب رفع الیدین میں دیکھ لو، اس میں بدری صحابہؓ کی احادیث موجود ہیں، خلفاء راشدین عشرہ مبشرہ سے اس کی روایات موجود ہیں۔

اس کے بعد ان کے تقریباً پندرہ سوالات تھے جو اسی قسم کے تھے جیسے یہاں مولوی ملتانی نے مغالطوں کے طور پر دیئے ہیں، اس میں ایک سوال یہی تھا کہ ضعیف کس نے کہا، اللہ نے یا رسول اللہ ﷺ نے، میں نے ان کو جو جواب دیا وہ بہت تفصیلی تھا اور متعدد مثالیں بھی دی تھیں یہاں صرف مختصراً عرض کرتا ہوں۔

حدیث ضعیف کیوں ہو جاتی ہے

حدیث کو اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ وہ اللہ کے رسولؐ کا فرمان ہے، اس کے ضعیف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن جب ہم اس اعتبار سے دیکھتے ہیں کہ ہم تک اس حدیث کو پہنچانے والے کون لوگ تھے، تو اس کا ضعف، حسن، یا صحت مورد بحث میں آتی ہے، اگر رسول اللہ ﷺ سے ہم تک پہنچانے والے ثقہ حافظ، تام الضبط، تسلسل سند کے ساتھ بلا انقطاع رسول اکرم سے ہم تک تمام رواۃ اعلیٰ درجہ کے ہوں گے تو اس کو صحیح کہا جائے گا اور اگر اس کا کوئی راوی خفیف الضبط ہوگا تو اس کو ضعیف کہا جائیگا۔ موٹے طور پر یوں سمجھو کہ اگر ہمیں راویوں کے سلسلہ میں یقین کامل نہ ہوگا ان کی ثقاہت، حفظ، وضبط میں کمی ہوگی تو ہمیں اس میں شک رہ جائے گا۔ جس کے سبب اس کو ضعیف کہیں گے، یہ محدثین کی اصطلاح ہے، اگرچہ اصطلاح کے تعلق سے کوئی اعتراض اٹھانا بے وقوفی ہے، لیکن جب آپ نے یہ کام کر ہی دیا ہے تو اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہر حدیث کے متعلق کچھ نہیں کہتا لیکن وہ قواعد کلیہ دیتا ہے جس کی بنیاد پر کسی چیز کا حکم لگایا جاتا ہے اس کا ایک ہی عام حکم ہے۔ ”ان جاء کم فاسق بنبا فنبینوا“۔ اسی طرح رسول اکرم نے فرمایا بنس اخو العشیرۃ۔

اس کا مطلب سیدھا سا یہی ہے کہ وہ شخص قابل اعتماد نہیں، اس کی بات پر یقین نہ کر لینا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے افراد و اشخاص کے لیے مخصوص اصطلاحات وضع کیں اور ان پر محدثین بحث کرتے رہے، ان قواعد پر پرکھ کر کسی آدمی کو جب وہ ضعیف کہتے ہیں تو اس کی حدیث ضعیف ہو جاتی ہے۔ اب رہی بات یہ کہ محدثین جس کو ضعیف کہہ دیں اس کو ضعیف مان لیں کیا یہ ان کی تقلید نہیں ہے؟ تو ہمارے یہ بھائی جو تقلید کی روش کے خوگر ہیں ہر چیز کو تقلید کہہ دیتے ہیں، حالانکہ ان کی بات مانی جائے تو خود ان کی تقلید شخصی باطل ہو جاتی ہے کیوں کہ پھر یہ ہزاروں لوگوں کے مقلد ہو جاتے ہیں، صرف امام ابو حنیفہ کے مقلد نہیں رہتے لیکن تقلید کی محبت میں اس قدر اندھے ہیں کہ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اپنا محل اپنے ہی ہاتھوں مسار کر دیتے ہیں۔

کیا محدثین کی بات صحت و حسن و ضعف کے باب میں ماننا ان کی تقلید ہے؟

جواب یہ ہے کہ تقلید نہیں ہے اور نہ آج تک سوائے ان دیوبندی مولویوں اور مغالطہ بازوں کے کسی نے اس کو تقلید کہا ہے۔ کیوں کہ حاکم یا قاضی کا گواہوں کے بارے میں پوچھنا اور ان کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینا تقلید نہیں کہلاتا بلکہ یہ اتباع قرآن و حدیث ہے اس کا حکم قرآن و حدیث میں ہے اور جو بات قرآن و حدیث میں ہو اس کو ماننا تقلید نہیں کہتے بلکہ وہ تو کسی عالم سے پوچھ کر مان لینے کو بھی تقلید نہیں کہتے کہ یہ عین مفاد و مدعا ہے۔ آیت کریمہ ”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ لہذا اس کو تقلید کہنا مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کی جہالت ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جسے خود احناف تقلید نہیں کہتے اس کو تقلید کہنا اپنے مذہب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے جو ترجمانی مولوی ملتانی نے ہماری کی ہے وہ قابل مذمت ہے، اہل حدیث کی ترجمانی وہ غلط کر رہے ہیں، محدثین جس حدیث کو صحیح لکھ دیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جس کو ضعیف لکھ دیں ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں، کس نے کہا؟ محدثین جس کو ضعیف کہتے

ہیں اس کی وجہ ضعف بھی بیان کرتے ہیں اور جس کو صحیح کہتے ہیں اس کی وجہ صحت بھی بتاتے ہیں ان کی بات دلائل کی روشنی میں مانی جاتی ہے، یہ باتیں آپ کسی ناواقف سے کہیں تو شاید وہ مان لے لیکن عالم کے سامنے آپ کے من گھڑت مغالطے نہیں چلتے اور نہ کوئی عالم ان کو علم کہتا ہے بلکہ یہ تعصب ہے اور بس۔ اہل الرائے اور اہل شرک کی حقیقت ازیں قبل کھول دی گئی ہے پلٹ کر دیکھ لیں۔

سجدہ کی رفع الیدین

مثال نمبر ۵: اس نمبر کے تحت بھی جو کچھ من گھڑت مولوی ملتانی نے لکھی ہے اس کی اصل بحث تو آگے آئے گی، لیکن یہاں دو باتیں قابل غور ہیں؛ مولوی ملتانی نے رفع الیدین کے بغیر نماز کو باطل ہونے کی بات الہمدیث کے سر لگائی ہے جو سراسر اس کی دھاندلی ہے۔ دوسری بات البانی صاحب سے سجدہ کی رفع الیدین کا دس صحابہ کرام سے اثبات کیا ہے، یہ ایک بھاری مغالطہ ہے، علامہ البانی کا سجدہ کی رفع الیدین کی احادیث کا ثابت اور صحیح ماننا الگ بات ہے اور اس کا کرنا ایک الگ بات ہے محدث مذکور اس کی حدیث کو صحیح مانتے ہیں لیکن اس کا رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی طرح ہونا نہیں مانتے، اسی لیے وہ اس پر عمل نہیں کرتے کیوں کہ سجدے کی رفع الیدین کا منسوخ ہونا صحابہؓ سے ثابت ہے۔ لہذا البانی صاحب کی بات سے اس کا معارضہ پیش کرنا یا تو چالاکی ہے یا نادانی۔

رہی بات اس کی کہ رفع الیدین عند السجدہ منسوخ ہے اس کا فیصلہ کس نے کیا تو یہ بات احادیث سے صاف ثابت ہے، اہل صحابی کا بیان کرنا رسول اکرم نے ایسا کیا ایسا

(۱) چنانچہ مسلم شریف کتاب الصلاة باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین... حدیث رقم 390 میں ۲۱-۲۲ کی دو حدیث موجود ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں "ولا یفعلہ حین یرفع راسہ من السجود" یعنی اللہ کے رسول ﷺ سجدہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (فہم)

”بارہ مسائل میں اکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

نہیں کیا، حدیث ہے گویا فیصلہ رسول ہے اس لیے اس کو اپنی رائے بتانا ملتانی کی غلط فہمی ہے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس طرح کے مغالطات دیوبندیوں کے محبوب مشغلے ہیں مقصد صرف یہ ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں اپنی خود ساختہ فقہ کو رواج دیا جائے اور اس کو ہی اصل اسلام منوایا جائے، لیکن اہلحدیث کے ہوتے ایسا ممکن نہیں ہے، اگرچہ یہ منافقت برتتے ہیں نام حدیث و سنت کا لیتے ہیں لیکن مانتے اور منواتے اپنے پیروں اور مولویوں کی ہیں۔ یہ لوگ بریلوی قادیانی منکر حدیث یہاں تک کے غیر مسلموں سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا اہلحدیث اور حدیث سے ڈرتے ہیں کہ یہی ان کی ساری پول کھولتے رہتے ہیں جس سے ان کی نہ صرف کرکری ہوتی ہے بلکہ ساری علمیت کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ جاتا ہے۔ مولوی امین صفدر پاکستان کا ایک مشہور مغالطہ باز ہے لیکن اہلحدیث سے ایسا بھاگتا ہے جیسے لاحول سے شیطان۔

ٹیپ ریکارڈر سے اہلحدیث کا ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے دیوبندی مولوی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں جیسے یہ دونوں باتیں غلط ہیں ایسے ہی یہ بات بھی غلط ہے جس کا جی چاہے تجربہ کر لے۔

دو ہاتھ سے مصافحہ

مصافحہ آداب ملاقات میں سے ایک اہم ادب ہے، اس کی رعایت بہت ساری برائیوں کو ختم کرتی ہے اور دلی کیفیت کے اظہار میں اس کا بڑا اہم رول ہے اکثر ناراض شخص کی ناراضگی کا پتہ مصافحہ سے چل جاتا ہے شریعت نے اس کی ترغیب دلائی ہے اور یہ عادت صحابہ کرام میں بڑے اہتمام سے جاری تھی۔ سلام جس کا کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے اور بعض مواقع پر سلام واجبات میں سے ہے، اس کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک حدیث کا مفصل تذکرہ ہم آگے کریں گے، یہ بیان ہوا ہے کہ مصافحہ سلام کے مکملات وہ متممات میں سے ہے اس سے سلام کی تکمیل ہوتی ہے۔

یہ عادت مبارکہ مسلمانوں میں زمانہ قدیم سے جاری ہے، بعض روایات میں یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ مدینہ منورہ میں مصافحہ کو اہل یمن لے کر آئے رسول اکرمؐ نے اس کو پسند فرمایا۔

مصافحہ کا لفظی و لغوی معنی

احادیث رسول اکرمؐ کی رو سے مصافحہ طرفین سے ایک ایک ہاتھ ملانے اور اس طرح دو ہاتھوں کے ملانے کا نام ہے۔ بد قسمتی سے بعض فقہاء احناف نے بلا دلیل یوں لکھ دیا کہ مصافحہ طرفین سے دو دو ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں، پس پھر کیا تھا تقلیدی روش میں گرفتار جمود و تعصب کے رسیا اس کو شرعی و اسلامی مصافحہ قرار دینے لگے اتنا ہی نہیں بلکہ اصلی مصافحہ جو صحابہ کرام و رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جس پر حقیقت لغویہ و دلالت لفظیہ شاہد عدل ہے اس کو یہود و نصاریٰ کا مصافحہ ہندوؤں کی روش جیسے ناپاک و گندے

ریمارکس چسپاں کرنے لگے اور بچارے عام لوگوں کو اصلی و شرعی مصافحہ سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا، اگر کوئی ان سے دو ہاتھ سے مصافحہ نہ کرے تو اس پر بے احترامی اور عدم احترام بلکہ بے عزتی کرنے کا الزام بھی لگاتے ہیں اور اس طرح علماء سوء رسول اکرم ﷺ و صحابہ رضوان اللہ علیہم و تابین و امامان دین کو گستاخ و گمراہ قرار دے ڈالا، فیہا للاسف

ان حضرات کی غوغا آرائی سے کل تک جو مصافحہ دلوں کے میل صاف کرتا تھا مغفرت کا باعث تھا آج بغض و عداوت اور سیاست کا ذریعہ بنا دیا گیا حالانکہ خود ان کے بڑے بڑے مشائخ کو بارہا دیکھا گیا اور اب بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ اکثر ایک ہاتھ ہی لگاتے ہیں، خاص طور سے جب مصافحہ کرنے والا کوئی عام شخص، مرید یا شاگرد ہو۔ ہاں اکثر دو ہاتھ سے بھی مصافحہ کر لیتے ہیں اگر مقابل کوئی بڑا آدمی یا مالدار ہو۔

مصافحہ کا اصل مطلب تو یہی ہے کہ ہر دو شخص اپنے اپنے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی ایک دوسرے سے ملائیں۔ اب اگر ایسا کریں تو جائز و درست ہے اور اگر کوئی دونوں ہاتھ پکڑ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اگر اس کو سنت رسول یا ضروری خیال نہ کرے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے کو برا نہ جانے اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت کے خلاف ناجائز اور ہندوؤں کی روش بتلاتا ہے تو ایسا شخص غلط بات کہنے والا ہے اور غلط رسماً کو رواج دے کر اصل سنت کو مٹانے والا اور مسلمانوں پر الزام تراشی کا مرتکب ہے۔

دیوبندی مولوی کی جناب رسالت مآب ﷺ و صحابہ کرام میں گستاخی دیوبندی مولوی ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”مصافحہ دو ہاتھ سے ہے، دراصل جیسے ہندو سماج سے متاثر ہو کر ہمارے بعض مسلمانوں نے ہندوئی رسماً کو اختیار کر رکھا ہے اور ان کو سنت کا نام دیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جو اپنی محسن گورنمنٹ برطانیہ کے زیر احسان آگئے اور اپنی مادر مہربان ملکہ وکٹوریہ کے دودھ

پر پلے انہوں نے بھی اپنے آقا انگریزوں کی بعض عادات اختیار کر لیں، مثلاً ننگے سر پھرنا، سرنگا کر کے جوتی پہن کر عبادت کرنا۔ اور انتہا یہ کہ ان لوگوں نے انگریزی طریقہ کو سنت اور سنت نبویہ کو بدعت کہنا شروع کر دیا۔‘ بارہ مسائل ص ۲۱

مندرجہ بالا اقتباس میں مولوی ملتانی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ہندوئی رسم قرار دیا اور انگریزوں کو آقا، مان کر ان کی عادات کو قبول کرنے والا بنا دیا، ظاہر ہے مصافحہ جو سنت رسول ہے اور ایک ہاتھ سے ہے ان کو ہندوئی رسم قرار دینا اور صحابہ کرام اور بزرگان دین کو انگریزوں اور ہندوؤں کے نقش قدم پر چلنے والا قرار دینا ان کی شان میں توہین ہے، والعیاذ باللہ۔

رہی بات برطانیہ کے دودھ پر پلنے اور محسن گورنمنٹ کی دہائی دینے والوں اور ملکہ وکٹوریہ کو مادر مہربان کہنے والوں کی تو شاید مولوی ملتانی نے ابھی ان کی شکلیں دیکھی نہیں ہیں اس لیے دوسروں کو اس کا طعنہ دے رہے ہیں ورنہ جب اصلی شکلیں ان کے سامنے آئیں گی تو پہچان کر شاید اس دروازے کو کبھی نہیں کھولیں گے آج مختصراً ہم ان کو بتا دیتے ہیں۔

انہوں نے صورت شیطان ابھی شاید نہیں دیکھی وہ جب آئینہ دکھیں گے تو ہم ان کو بتا دیں گے مندرجہ ذیل چند اقتباسات پیش خدمت ہیں پڑھیں اور انصاف کریں۔

علماء دیوبند اور برٹش گورنمنٹ

علماء دیوبند ایٹ انڈیا کمپنی کے دور ظلم و جور کو زمانہ عافیت کہتے اور برٹش گورنمنٹ کو رحم دل گورنمنٹ قرار دیتے تھے:

”جن لوگوں کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے اس

عافیت کے زمانہ کو قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔“ (تذکرۃ الرشید، ص ۷۳)

علماء دیوبند ساری زندگی برطانیہ کے خیر خواہ رہے

”جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دل سے خیر خواہ تھے تازیت خیر خواہ رہے۔“ (تذکرۃ الرشید، ص ۷۹)

علماء دیوبند نے مسلمانوں کو انگریزوں سے نہ لڑنے کے لیے بہت سے طریقہ اپنائے اور محسن گورنمنٹ کو فائدہ پہنچانے کے لیے فرضی قصے اور جعلی مکاشفے بھی وضع کیے، یہاں تک کہ حضرت خضر علیہ السلام کو انگریزی فوج میں شامل قرار دیا تاکہ مسلمان انگریزوں سے جہاد نہ کریں کہ جب ان سے لڑیں گے تو حضرت خضر کی نہ صرف مخالفت ہوگی بلکہ ان سے لڑنا پڑے گا اور ظاہر ہے مسلمان ایسی جرات کیوں کر، کر سکتا ہے کہ حضرت خضر سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

”دیکھا کہ مولانا محمود الحسن باغیوں کے افسر کا نام لے کر بھاگے جا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لڑنے سے کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں دیکھ رہا ہوں۔“

(علماء ہند کا شاندار، ماضی ص ۲۸)

سوانح قاسمی کے مصنف نے تو اس سے بڑھ کر غضب ڈھایا، انہوں نے حضرت خضر کو انگریزی فوج کے گھوڑوں کا سائیس بتا دیا دیکھئے۔ (ص ۱۰۳)

جن لوگوں کا گزر اوقات انگریزوں کے ٹکڑوں پر ہو وہ دوسروں کو ملکہ و کٹوریہ کے دودھ پر پلنے والا بتائے تو اس کو بے شرمی اور ڈھٹائی ہی کہا جائیگا۔

”مدرسہ دیوبند کے ارکان میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ (برطانیہ) کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے

بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔“

سوانح قاسمی (۲/۲۷۷ تحریک شیخ الہند (۲۵۹)

مولانا سندھی جو حد درجہ متعصب دیوبندی مولوی تھے مولانا محمود الحسن کو ایک خط

میں یوں لکھتے ہیں؛

”مالکان مدرسہ سرکار کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، نمائش کے

دربار میں شرکت کا فخر بھی نصیب ہونے لگا۔“

مولانا محمد میاں دیوبندی اپنی کتاب علماء حق حصہ دوم صفحہ ۳۳۶ پر علماء دیوبند کا

کردار یوں ظاہر کرتے ہیں۔

”علماء دیوبند کے بھی وہ چند افراد جو ہمیشہ تحریک حریت (جنگ

آزادی) کے مخالف رہے اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا

پنشنر تھے اس تحریک کے زمانہ میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ

داران سے تعلق رکھا حتیٰ کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم میں مدعو کیا اس کو

ایڈریس بھی پیش کیا اور اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ حافظ احمد صاحب

(مہتمم دارالعلوم دیوبند) کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔“

تحریک شیخ الہند صفحہ ۱۶۰

آخر میں ایک انگریزی شہادت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

”۱۸۵۷ء بروز یکشنبہ ۱۳ جنوری لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد

انگریز ”پامر“ نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا اور اپنے معائنہ کی

رپورٹ میں لکھا۔ ”یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار

مدد و معاون سرکار ہے، یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور

نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں۔“

(احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

مندرجہ بالا تفصیلات صرف چند اشارے اور اقتباسات ہیں جو چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں کہ علماء دیوبند ہمیشہ سے انگریز کے زلہ خوار اور ان کی روٹیوں پر پلنے والے رہے، مجاہدین آزادی کو برے القاب سے یاد کرتے رہے اور جہاد آزادی سے مسلمانوں کو روکنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتے رہے، ان کی اکثریت انگریز کی وظیفہ خوار تھی اور انگریز بھی ان کو اپنا غلام بے دام ہی سمجھتا تھا اور ان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا تھا، ایسے میں جماعت اہلحدیث کے متعلق وہ باتیں کرنا جو مولوی ملتانی نے کی ہیں سراسر دھاندلی ڈھٹائی اور بے شرمی ہے ان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جھانکنا چاہئے، جو اقتباسات ہم نے نقل کئے ہیں سب خالص دیوبندی اکابر کی کتابوں سے لیے ہیں کسی مخالف نے یہ سب نہیں لکھا ہے۔ اگر تفصیلات دیکھنا ہوں تو اہلحدیث اور سیاست اور علماء دیوبند کا ماضی و انگریز نوازوں کی خانہ تلاشی ملاحظہ فرمائیں۔

اس مختصر بیان سے یہ بات صاف ہوگئی کہ دیوبندیوں کا آج کل انگریزی سرکار کی مخالفت کرنا اور دوسروں کو انگریز کی تائید کا طعنہ دینا ان کی پکی جعل سازی اور بے شرمی ہے۔

مولوی ملتانی کا مطالبہ

”اگر غیر مقلدین حدیث صحیح صریح مرفوع متصل پیش کر دیں۔ جس میں صراحت ہو کہ نبی پاک نے مصافحہ کے وقت بائیں ہاتھ کو دور رکھنے کا حکم دیا ہو، یا صراحت ہو کہ آپ نے دائیں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور بائیں کو دور رکھا ساتھ نہ لگایا اسی صراحت کے ساتھ کسی صحابی یا تابعی کا اثر دیکھائیں اور اس کی صحت بھی امتیوں کی تقلید کے اقوال و آراء کی تقلید کیئے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“

(بارہ مسائل، ص ۲۵)

جواب: باوجود اس کے کہ مولوی ملتانی نے بلاوجہ مسئلہ کو کھینچا ہے اور اس میں ایسی شرائط لگائی ہیں جن کی قطعاً ضرورت نہیں، پھر خود انہوں نے ان شرائط کی قطعاً پیروی نہیں کی اور نا ایک حدیث بھی مذکورہ شرائط پر پوری اترنے والی پیش کی پھر بھی ہم ان کی تسلی کے لیے حدیث پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عن عبد الله بن بسر رضى الله عنه، قال: ترون يدى هذه صافحت بهار رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میرا یہ ہاتھ دیکھ رہے ہو میں نے اسی ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے مرفوع ہے متصل ہے اور اس میں صراحت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے صرف ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا کیونکہ راوی "صافحت بھا" کہہ رہا ہے جو ایک ہاتھ کے لئے صریح ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مصافحہ داہنے ہاتھ سے ہوتا ہے اور صحابی صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر کر رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ بایاں ہاتھ نہیں لگایا ورنہ اس کی صراحت کر دیتے۔

مولوی ملتانی کی تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔

حدیث کے دیگر طرق کے الفاظ بھی دھیان میں رہیں حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ایک روایت یوں ذکر کی ہے۔ ترون يدى هذه فانما بايعت بهار رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں —

(۱) ترون كفى هذا فاشهد انى وضعتها على كف محمد صلى الله عليه وسلم

ان دونوں روایتوں کے الفاظ سے یہ بات صاف و صریح طور پر ثابت ہو گئی کہ مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے ہوا تھا۔

(۲) عن انس بن مالك رضى الله عنه قال صافحت بكفى هذه

كف رسول الله صلى الله عليه وسلم فمامست خزاو لا حريرا

الين من كفہ صلى الله عليه وسلم

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی

اس ہتھیلی سے رسول اکرم ﷺ کی ہتھیلی کے ساتھ مصافحہ کیا، میں نے آج

تک کوئی خزیاریشم اتا ملائم و نرم نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اکرم کی ہتھیلی۔

یہ روایت بخاری مسلم ترمذی مسند احمد و دارمی میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ

موجود ہے، تمام طرق و الفاظ کو جمع کرنے کے بعد یہ حدیث جامع الشروط ہے اور ایک

ہاتھ سے مصافحہ کے لیے صریح ہے۔ یہ حدیث علماء کے نزدیک مسلسلات میں سے ہے۔

اور مسلسل بالمصافحہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) عن عبد الله بن عمرو كانت بيعة الرضوان بعد ما

ذهب عثمان الى مكة ، فقال رسول الله صلى الله عليه

وسلم بيده اليمنى : هذه يد عثمان ، فضرب بها على يده ،

فقال: هذه لعثمان۔ بخاری ، مناقب عثمان

یعنی بیعت رضوان حضرت عثمان کے مکہ چلے جانے کے بعد ہوئی ،

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمان کی طرف سے یوں بیعت فرمائی۔

کہ اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا : یہ عثمان کا ہاتھ ہے

اور پھر اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا یہ بیعت، عثمان کی

طرف سے ہے۔

یہ حدیث مرفوع متصل اور صریح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ہاتھ اور حضرت عثمان

کی طرف سے ہاتھ ایک ایک ہی تھا یعنی مصافحہ دونوں طرف سے ایک ایک ہاتھ ہی کا

ہوتا ہے اگر مصافحہ دو ہاتھ کا ہوتا تو آپ کسی دوسرے کو حضرت عثمان کا قائم مقام کر کے مصافحہ کرتے۔

یاد رہے ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے درمیان یہ بات مسلم غیر مختلف فیہ ہے کہ مصافحہ اور بیعت کی حقیقت ایک ہی ہے۔ اور تمام وہ روایات جن میں مصافحہ اور بیعت کا تذکرہ ہے ان میں ایک ہاتھ بلکہ بعض روایات میں داہنے ہاتھ کا تذکرہ ہے یعنی صراحت ہے کہ بیعت داہنے ہاتھ سے کی جاتی ہے۔

اس باب میں احادیث تو بہت ہیں سب کا استقصاء مقصود نہیں اگر تفصیل دیکھنی مقصود ہو تو مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

۱۔ المقالة الحسنی فی سنیۃ المصافحہ بالید الیمنی۔ للعلامہ عبد الرحمن المحدث المبارکفوری

۲۔ بسط المائدہ للمصافحہ بالید الواحدة، للعلامہ سید جمیل احمد السہسوانی

۳۔ التحفة الحسنی فی سنیۃ المصافحہ بالید الیمنی، للشیخ حکیم محمد اسرائیل الندوی

۴۔ حدیث خیر و شر، از صفحہ ۱۶۱، ۲۱۵۔ للحافظ عبد المتین جوہا گڑھی، وغیرہ۔

اب مولوی ملتانی صاحب کے مغالطوں کا جواب عرض کرتا ہوں۔ مولوی ملتانی صاحب اس سوال کے جواب میں کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا چاہئے یا دو ہاتھ سے جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس جواب کے تحت ملتانی صاحب نے ایک دعویٰ کیا ہے کہ مصافحہ سنت ہے اس کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود سے علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشہد و کفی بین کفیه مجھے تشہد سکھایا

اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ ذکر کیا

(۲) حضرت کعب سے بیان کیا کہ حضرت طلحہ بن عبد اللہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔

(۳) حضرت قتادہ کے سوال پر حضرت انس نے بیان کیا اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مصافحہ کا رواج تھا۔

(۴) عبد اللہ بن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کا ہاتھ رسول اللہ ﷺ نے پکڑا ہوا تھا ملتانی صاحب کے بقول یہ بطور مصافحہ تھا۔

مصافحہ کے طریقہ کے لیے مولوی ملتانی کے شبہات

(۱) حضرت حماد بن زید کا عمل پیش کیا، وصافح حماد بن زید ابن المبارک

بیدیدہ

(۲) حضرت عبد اللہ کی مذکورہ حدیث پیش کی ملتانی صاحب کا کہنا ہے کہ یہاں امام بخاری دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت فرما رہے ہیں۔ صرف ہتھیلی ملانا ہی مصافحہ نہیں بلکہ ہاتھ پکڑنا بھی ہے کہ اس میں اظہار محبت ہے۔ دو ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوا۔

(مخلص بارہ مسائل، ص ۲۰-۲۱)

جواب: مولوی ملتانی صاحب کی اس بات سے ہمیں اتفاق ہے کہ ان آثار میں مصافحہ کی مسنونیت امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت فرمائی ہے۔ لیکن اس باب میں بقول ملتانی صاحب مصافحہ کی کیفیت کا بیان نہیں ہے، لیکن آگے چل کر وہ امام بخاری کے طرز عمل کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ بھی دعویٰ کر رہے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث سے مصافحہ کی کیفیت اور طریقہ بتا رہے ہیں۔ حالانکہ اگر مصافحہ کی کیفیت

بتانا مقصود مانا جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں تین ہاتھ کا مصافحہ اور حضرت ہشام کی حدیث میں ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہے کیونکہ اس میں صراحت ہے ”وہو آخذ بید عمر بن الخطاب“ اور اس سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہو رہا ہے۔

امام بخاری کا دوسرا باب باب الاخذ بالید۔ سے ملتا ہے صاحب یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اس سے دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت کرنے کے لیے امام بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”امام بخاری نے بطور ثبوت کے تابعین کے عمل کو پیش کیا ہے“

حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے تعلق سے فرماتے ہیں: پہلے اسی حدیث سے امام بخاری نے مصافحہ ثابت کیا ہے، اور اب اسی حدیث سے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا ثابت کر رہے ہیں۔

سو امام بخاری کا مقصد یہ ہیکہ مصافحہ دو ہاتھ کے ساتھ اس طور پر کیا جائے کہ ہاتھوں کو پکڑا جائے، نہ یہ کہ ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھ دوسرے آدمی کے ہاتھ پر رکھ دے اور صرف ملا دے بلکہ ایک دوسرے کے ہاتھوں کو پکڑ لیں کہ اس میں اظہار محبت ہے اس سے ثابت ہوا کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہے۔“

مولوی ملتانی صاحب نے یا تو امام بخاریؒ کے مقصد کو سمجھا نہیں ہے یا جان بوجھ کر انجان بننے کی ایکٹنگ کر رہے ہیں اور امام بخاری کے سروہ بات لگا رہے ہیں جو ان کا مقصد نہیں ہے۔

کیونکہ حضرت حماد اور حضرت عبداللہ بن مبارک تابعی نہیں ہیں بلکہ اتباع تابعین میں ان کا شمار ہے ان کو تابعی بتانا مولوی ملتانی کی بھول ہے یا فریب دہی، یہ دونوں حضرات طبقہ ثانیہ کے افراد ہیں جو اتباع تابعین کا طبقہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ امام بخاری جب تابعین کے عمل کو حجت نہیں مانتے تو اتباع تابعین کے عمل کو بطور ثبوت کیوں پیش کرنے لگے۔

شاید یہ بات مولوی ملتانی پر مخفی نہ ہوگی کہ تابعین و اتباع تابعین کا عمل بالاتفاق حجت نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق اولہ اربعہ سے نہیں ہے، لہذا حضرت حماد و حضرت عبد اللہ کا عمل دلیل نہیں بن سکتا۔ اور جب ان کے عمل کے خلاف متعدد احادیث موجود ہوں تو وہ قابل عمل کیونکر ہو سکتا ہے۔

ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت حماد اور عبد اللہ بن مبارک کے مصافحہ میں حماد کا دو ہاتھ لگانا تو مذکور ہے مگر حضرت عبد اللہ بن المبارک کے دو ہاتھ کا ذکر نہیں۔ ملتانی صاحب ہم سے صاف صریح مرفوع متصل روایت مانگ رہے تھے اور خود نہ مرفوع نہ متصل اور نہ صریح کچھ بھی پیش نہیں کرتے، محض خوش گمانیوں سے کام نکالنا چاہ رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے استدلال

اب رہی بات حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے استدلال کی تو اس کا جواب بھی سنئے۔

حضرت امام بخاریؒ کا دونوں بابوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا ذکر کرنا اور اس پر کوئی تبصرہ نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کے اس عمل کو سمجھنے کے لیے تھوڑی عقل اور کچھ علم کی ضرورت ہے۔ باب المصافحہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو اولاً ذکر کرنا اور آخر میں حضرت عمر بن الخطاب کے ایک ہاتھ کو پکڑنے کی حدیث ذکر کرنا ان کی طرف سے اشارہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا تعلق مصافحہ سے نہیں ہے، بلکہ وہ محض تعلیم کے لیے بزرگوں کا شاگردوں کے ہاتھ کو پکڑنا ہے، امام بخاری ہرگز اس کو مصافحہ ملاقات نہیں مانتے بلکہ اس کی تردید کے لیے انہوں نے یہ

حدیث دونوں بابوں میں نقل فرمائی، یہ بات جو ہم نے ذکر کی ہے متقدمین علماء احناف بھی یہی سمجھتے ہیں اور اس حدیث سے مصافحہ ملاقات پر استدلال نہیں کرتے کیونکہ محل ملاقات کا تھا ہی نہیں چنانچہ۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

و آنچه در صحیح بخاری در باب مذکور از عبد اللہ بن مسعود مروی است
علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کفی بین کفیه
التشہد کما یعلمنی السورۃ من القرآن : التحیات للہ و
الصلوات و الطیبات (حدیث)

پس ظاہر آنت کہ مصافحہ متوارثہ کہ بوقت تلاقی مسنون است نبودہ
بلکہ طریقہ تعلیمیہ بودہ کہ اکابر بوقت اہتمام تعلیم چیز از ہر دو دست یا
یک دست دست اصاغر گرفتہ تعلیم می سازند۔“

مجموعہ فتاویٰ عبدالحی (۱۵۳/۲)

یعنی صحیح بخاری میں جو عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
مجھے تشہد سکھلایا اس حالت میں کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں میں تھی، سو ظاہر یہ
ہے کہ یہ وہ مصافحہ نہ تھا جو بوقت ملاقات مسنون و متوارثہ ہے بلکہ اس قبیل سے تھا کہ
بوقت تعلیم اکابر اصاغر کو دونوں یا ایک ہاتھ سے پکڑ کر تعلیم دیتے ہیں۔

جس طرح موصوف نے یہ بات لکھی ہے اجلہ فقہاء احناف نے بھی یہی بات
لکھی ہے کہ ابن مسعود کے ہاتھ کو دونوں کف دست میں پکڑ کر تعلیم کرنا مزید اہتمام و
تاکید و توجہ کی غرض سے تھا مقصد اس سے ہرگز مصافحہ مسنونہ نہ تھا۔

فقہ حنفی کی مشہور زمانہ کتاب فتح القدیر مع الکفایہ میں مذکور ہے۔

”قال ابو حنیفہ اخذ حماد بن سلیمان بیدی و علمنی
التشہد و قال حماد اخذ ابراہیم بیدی و علمنی التشہد و

قال علقمة اخذ عبد الله بن مسعود بیدی و علمنی
 التشهد ، وقال عبد الله اخذ رسول الله بیدی و علمنی
 التشهد كما يعلمنی السورة من القرآن۔ (۲/۲۸۳)
 یعنی امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں ، حماد بن سلیمان نے میرا ہاتھ پکڑا اور
 مجھے تشہد سکھایا حماد کہتے ہیں ابراہیم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد
 سکھایا ابراہیم کہتے ہیں علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد سکھایا
 علقمہ کہتے ہیں عبد اللہ بن مسعود نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد سکھایا
 عبد اللہ کہتے ہیں رسول اللہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد سکھایا جیسے
 مجھے قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ سے لے کر
 حضرت امام ابو حنیفہ تک ان تمام حضرات نے مصافحہ ملاقات کی غرض سے دوسرے ہاتھ کو
 نہیں پکڑا بلکہ یہ از غرض تعلیم و تاکید و اہتمام مزید تھا۔
 یہ خیال رہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہاتھ پکڑ کر تعلیم دینا جو مذکور
 ہے وہ صرف انہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ نے متعدد حضرات کو ہاتھ پکڑ
 کر تعلیم دی ہے ، ترمذی و مسند احمد وغیرہ کتب احادیث میں ایسی متعدد روایات موجود ہیں ۔
 حضرت ابو قتادہ اور ابو الدھماء دونوں بیان کرتے ہیں کہ ایک بار سفر حج میں ہمارا
 گدرا ایک دیہاتی کے یہاں ہوا انہوں نے بیان کیا۔

اخذ بیدی رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل يعلمني مما علمه الله
 تبارك و تعالیٰ ، وقال انك لن تدع شيئا اتقاء لله جل و على الا اعطاك الله خيرا
 منه۔ “ مسند احمد (۵/۷۸)

رسول اللہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور جو باتیں اللہ نے آپ کو بتائی تھیں آپ مجھے
 بتانے لگے، اس میں آپ نے فرمایا: جب تو اللہ کے لیے کسی چیز کو چھوڑ دے گا تو اللہ

اس چیز کے بدلے تجھے ضرور اس سے بہتر چیز دے گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آپ کی عادت مبارک تھی، عبداللہ بن مسعود کو بھی آپ نے بغرض تعلیم و تاکید ہاتھ پکڑ کر تشہد سکھایا مقصود مصافحہ نہ تھا، لہذا اس کو مصافحہ کے لیے دلیل بنانا محض غلط ہے۔

مولوی ملتانی اور امام بخاری کی دُھائی

مولوی ملتانی لکھتے ہیں :

”صحیح بخاری کا انکار اور امام بخاری پر اعتراض“ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بالا پر صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۶ میں باب المصافحہ قائم کر کے اس سے مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت کیا ہے لیکن غیر مقلد حکیم محمد اسرائیل سلفی و دیگر مقلدین صحیح بخاری کے اس باب کے منکر ہیں۔“ (بارہ مسائل، ص ۲۳)

جواب: قارئین کرام اگر آپ بھول نہیں گئے ہیں تو ایک بار مولوی ملتانی کی وہ عبارت پھر پڑھ لیں جو انہوں نے اس مسئلہ کے شروع میں لکھی ہے، آپ کو تعجب ہوگا کہ مولوی ملتانی عجیب بوکلاہٹ میں مبتلا ہیں یا فریب دہی میں اپنی مہارت کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں۔ آپ ذرا دیکھیں خود مولوی ملتانی کو اعتراف ہے کہ باب المصافحہ سے امام بخاری نے صرف مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت کیا ہے اور یہاں بھی جو عبارت لکھی ہے اس میں بھی یہی کہہ رہے ہیں ”امام بخاری نے باب المصافحہ قائم کر کے اس سے مصافحہ کا سنت ہونا ثابت کیا ہے۔“

اور ظاہر ہے اس سے کسی اہلحدیث کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف جس بات سے ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب سے دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت کیا ہے اہلحدیث اس کے منکر ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ امام بخاری نے اس باب سے ہرگز دو

ہاتھ کا مصافحہ ثابت نہیں کیا ہے، بلکہ آپ نے اس باب کے آخر میں حضرت عمر کی حدیث سے اس بات کا اشارہ دیا ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے ہونا چاہئے اور یہ کہ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث کو خود علماء احناف نے تسلیم کیا ہے کہ اس سے مصافحہ عند الملاقات پر استدلال درست نہیں ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

اب یہاں مولوی ملتانی کا خواہ مخواہ واویلا کرنا کہ الہمدیٹ بخاری کے باب کے منکر ہیں، سراسر فراڈ ہے، حکیم مولوی محمد اسرائیل صاحب نے امام بخاری کی ثقاہت و جلالت قدر کا تذکرہ کیا ہے تاکہ ان کو کوسا ہے، انہوں نے تو آج کل کے بعض دیوبندیوں کی ثقاہت کا جائزہ لیا ہے اور جو کچھ کجی بیان کی ہے وہ ان جدید فقہاء سے متعلق ہے۔

انہوں نے کتنی صاف بات لکھی کہ:

”سخت تعجب ہے ان مقلدین احناف پر کہ جو احادیث صحیحہ سے

مصافحہ ثابت ہوتا ہے اس کے انکاری ہیں اور جو حدیث سے ثابت

نہیں ہوتا اسے کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔“

اور ظاہر ہے کہ حکیم محمد اسرائیل صاحب کی بات تو سو فیصد درست ہے کہ بخاری شریف سے دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں لیکن امام بخاری کی ثقاہت کے سامنے ان کی چلتی کچھ نہیں، پچارے عوام کو محض دھوکہ دیدیتے ہیں اور بس۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

اکثر احناف بخاری شریف کو لیکر بڑا واویلا مچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام

بخاری نے باب الاخذ بالیدین و صافح حماد بن زید ابن المبارک ببیدہ یعنی باب دونوں ہاتھوں کے پکڑنے کا، اور حماد نے ابن المبارک سے دو ہاتھ

سے مصافحہ کیا۔ اسی کے ساتھ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث بھی ذکر کی ہے، لہذا دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہوا، اس کے قبول کرنے میں اہل حدیث کو تامل کیوں ہے؟
تو اس مغالطہ کا جواب دو طرح سے ہے۔

۱۔ اس باب میں تین امر مذکور ہیں۔ (۱) تبویب بخاری (۲) حماد بن زید کا اثر (۳) ابن مسعود کی حدیث۔ اگر تبویب بخاری سے استدلال ہے تو یہ غیر مسلم ہے کیونکہ یہ دعویٰ ہے جو بلا دلیل مقبول نہیں۔ اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ حدیث سے دو ہاتھ پکڑنے کا ثبوت ہو رہا ہے تو عرض یہ ہے کہ محض دو ہاتھ پکڑنے کا نام مصافحہ نہیں ہے کیونکہ بدون مصافحہ بھی دونوں ہاتھ پکڑے جاسکتے ہیں

رہی دوسری بات یعنی اثر حماد تو یہ بھی دلیل نہیں بن سکتا اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے باقی یہاں ذکر کی جاتی ہے یہ اثر دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ

۱۔ تبع تابعی کا عمل ہے جو حجت شرعی نہیں ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

۲۔ اس کی معارض احادیث صحیحہ ہیں اور جب یہ احادیث صحیحہ کے معارض ہے تو اس سے استدلال غلط ہے۔

۳۔ اس اثر کے معارض اثر عباس و علی موجود ہے۔ جو خود بخاری شریف میں موجود ہے۔

عن عبد الله بن عباس ان علي بن ابي طالب خرج من عند النبي صلى الله و عليه وسلم في وجعه الذي توفي فيه فقال الناس يا ابا حسن كيف اصبح رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال اصبح بحمد الله بارئاً ، فاخذ بيد ه العباس۔ بخاری باب المعانقه ، کتاب الاستئذان۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی اس بیماری میں جس میں آپ کی وفات ہوئی آپ ﷺ کے پاس سے نکلے تو لوگوں نے پوچھا اے ابوالحسن رسول اکرم ﷺ

کیسے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ الحمد للہ آپ اچھے ہیں، یہ سنا تو حضرت عباس بن عبد المطلب نے حضرت علی کا ہاتھ تھام لیا۔

اس حدیث کی شرح میں ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ مشہور محدث حضرت مہلب حضرت عباس کے اور حضرت علی کے ہاتھ پکڑنے کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مصافحہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

یہاں حضرت عباس و حضرت علی دونوں کا ایک ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا منقول ہے اور یہ بھی بخاری میں ہی ہے۔

۴۔ اثر حماد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا چلن نہیں تھا اسی لیے جب ابواسامیل نے حماد کو دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرتے دیکھا تو ان کو یہ بات عجیب لگی اس لیے انہوں نے ازراہ تعجب یہی جیسے محدث کو اس کی خبر دی۔

۵۔ امام بخاری اس اثر کو بطور دلیل نہیں بلکہ بطور تردید لائے ہیں کہ اخذ بالیدین کو کوئی شخص مصافحہ نہ سمجھے کہ یہ فعل بوقت تعلیم بھی ہو سکتا ہے مصافحہ تحیت کے لیے خاص نہیں۔

دوسرا جواب: مذکورہ مغالطہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بخاری سے دو ہاتھ کا مصافحہ تین امر کے ثبوت پر منحصر ہے۔

۱۔ امام بخاری کی تبویب ”باب الاخذ بالیدین“ پر بخاری کے تمام نسخے متفق ہوں۔

۲۔ امام بخاری کا مقصود اس تبویب سے مصافحہ بالیدین ہو۔

۳۔ امام بخاری کا یہ مقصود کسی صحیح صریح حدیث سے ثابت بھی ہو

اگر یہ تین امر ثابت ہوتے ہیں تو بخاری سے دو ہاتھ کا مصافحہ بلاشبہ ثابت ہوتا

ہے، لیکن افسوس ان تینوں امور میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔ کیونکہ۔۔

۱۔ بخاری کے تمام نسخے اس تبویب پر متفق نہیں ہیں بلکہ بعض نسخوں میں جیسے ابو ذر اور مستملی کا نسخہ اس میں یہ تبویب بصیغہ واحد یعنی ”باب الاخذ بالید“ مذکور ہے۔

۲۔ امام بخاری کا مقصود بھی دو ہاتھ کا مصافحہ نہیں ہے جیسا کہ شرح حدیث نے بلکہ خود علماء احناف نے تصریح کی ہے کہ اخذ بالیدین مصافحہ تحت کے لیے خاص نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

۳۔ چونکہ اگر بالفرض مقصود امام بخاری مصافحہ بالیدین مانا جائے تو صریح و صحیح حدیث سے اس کا موید ہونا ضروری تھا جو کہ افسوس ہے نہیں ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ دو ہاتھ کا مصافحہ بخاری سے ثابت ہے محض غلط ہے۔

دیوبندی یا شیعہ

ہمارے دیوبندی بھائی بھی شخصیات کا سہارا لے کر اور عام مسلمانوں کے جذبات بھڑکا کر دلائل کی کمی کو پورا کرتے ہیں جیسا کہ شیعہ حضرات حب اہل بیت کا سہارا لے کر اس کمی کو پورا کرتے ہیں، دونوں کا طرز استدلال یکساں ہے۔

مولوی ملتانی نے حکیم محمد اسرائیل صاحب کے یہ کہہ دینے پر کہ جب صحابہ کرام کے اقوال حجت نہیں تو تابعین و تبع تابعین کے اقوال کیونکر حجت ہو سکتے ہیں ”بڑا داویلا مچایا ہے اور اہلحدیث کو شیعہ بتلایا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنے حنفی مذہب سے ہی واقف نہیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

قال ابن المبارك : سمعت ابا حنيفة يقول : اذا جاء عن

النبي صلى الله عليه وسلم فعلى الراس والعين و اذا جاء

عن الصحابة نختار من قولهم ، و اذا جاء عن التابعين [زا

حماهم و ذهب بعض المتأخرين من الحنفية و الشافعية
و المالكية و الحنابلة و أكثر المتكلمين الى انه ليس
بحجة "اعلام الموقعين" (٤/٤٠٨)

یعنی حضرت عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے سنا
وہ کہتے تھے، جب حدیث رسول ملے تو سر آنکھوں پر اور جب صحابہ کا
قول ملے تو جس کا قول چاہتے ہیں اختیار کرتے ہیں اور جب تابعین
کا قول ملتا ہے تو ہم ان کی بات آسانی سے نہیں مان لیتے اس کو
پرکھتے ہیں۔ بحث مباحثہ کے بعد جو صحیح نکلتا ہے مانتے ہیں باقی کو رد
کردیتے ہیں اکثر متکلمین اور بعض متأخرین حنفیہ و شافعیہ و مالکیہ و
حنابلہ اسی طرف گئے ہیں کہ تابعین کے اقوال حجت نہیں ہیں۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :

قول الصحابی حجة عندنا اذالم ينفه شيئي آخر من
السنة. (٢/٢٣٣)

یعنی قول صحابی صرف اس وقت حجت ہے جب وہ کسی دوسری سنت کا
معارض نہ ہو۔

ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں بچارے حکیم محمد اسرائیل صاحب نے کون سی غلط
بات کہدی تھی جس پر آپ نے سارے اہلحدیثوں کو شیعہ بنادیا، ذرا اپنے امام کو اور اپنے
مذہب حنفی کو بھی دیکھ لیں، یہاں تو شیعیت پہلے سے گھر گھر بیٹھی ہے تعجب ہے جو
لوگ حضرت انس و حضرت ابو ہریرہ جیسے صحابہ کرام کی احادیث کو یہ کہہ کر رد کر دیں کہ وہ
فقہ نہ تھے یعنی نا سمجھ تھے قیاس کے خلاف ان کی بات نہیں مانی جائے گی وہ اہلحدیث پر
افتراء پرداز کر کے ہوئے نہیں ڈرتے۔

جو بات الہمدیث کہتے ہیں وہی بات تمام مذاہب فہمیہ کے لوگ کہہ رہے ہیں
 پھر بھی الہمدیث مجرم اور یہ عزت مآب۔ کمال ہے وہی کام یہ کرتے ہیں تو محبت صحابہ
 ہو جاتی ہے، پچارے حکیم محمد اسرائیل کہہ دیں تو شیعیت بن جاتی ہے۔

بت کریں آرزو خدائی کی
 شان ہے تیری کبریائی کی

کیا امام بخاری کے نزدیک اقوال تابعین حجت ہیں؟
 مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

دو تبع تابعین کے عمل سے استدلال اس بات کا ثبوت ہے کہ امام
 بخاری صحابہ کرام تابعین عظام اور تبع تابعین حضرات کے اقوال و
 افعال اور ان کی آراء کو مانتے ہیں جب کہ غیر مقلدین ان کے منکر
 ہیں۔ بارہ مسائل۔ ۲۴

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ سمجھنا کہ امام بخاری نے تبع تابعین کے عمل کو بطور
 دلیل پیش کیا غلط ہے، لیکن کیا کیا جائے ہمارے ملتانی صاحب کو غلط فہمی کے پرانے بیمار
 ہیں اور جھوٹ بولنے کی عادت ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ امام بخاری پر اتہام لگا رہے
 ہیں اور جو بات وہ نہیں مانتے اس کو ان کے سر لگاتے ہیں۔ فیا للعجب

حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کا موقف اور الہمدیث کا موقف ایک ہے وہ بھی
 تابعین کے اقوال کو حجت شرعیہ نہیں مانتے جیسا کہ الہمدیث نہیں مانتے، چنانچہ ان کی
 متعدد کتب بلکہ یہی بخاری اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ اقوال رسول کے مقابلہ میں اقوال
 رجال کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اگر تصریح دیکھنا ہو تو ان کی کتاب جزأ القرأۃ کو دیکھئے
 جگہ جگہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اقوال صحابہ و تابعین حجت شرعیہ نہیں ہیں۔

جزأ القرأۃ میں ص ۱۴ پر لکھتے ہیں ”فلیس فی الاسود و نحوه حجة“، یعنی

حضرت اسود وغیرہ کے اقوال حجت نہیں ہیں۔

ایک جگہ حضرت مجاہد جو اوساط تابعین سے ہیں ان کے اقوال کے بارے میں لکھتے ہیں:

لیس احمد بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا یوخذ من قوله و

یتروک الا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جزأ القراءة ص ۱۴

یعنی بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نہیں جس کی سب باتیں قابل قبول ہوں سوائے نبی کے ہر ایک کی کچھ باتیں مانی جائیں گی اور کچھ رد کردی جائیں گی۔

ان تصریحات کے بعد مولوی ملتانی کی اوٹ پٹانگ باتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

مولوی ملتانی کے دھوکے

مولوی ملتانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض اہلحدیث حضرات کی باتوں کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور اہلحدیث اعتراضات کا نام دھوکہ رکھ کر اس کا جواب دینے کی حرکت مذہبی کی ہے، آپ بھی ملاحظہ کریں کہ دھوکہ کون دے رہا ہے۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

دھوکہ نمبر ۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا ایک ہاتھ ہے؟

جواب: نبی پاک کے دو ہاتھ تھے ہمیں سنت نبویہ اختیار کرنی چاہئے۔

(بارہ مسائل، ص ۲۱)

اس دھوکہ کا ازالہ

ناظرین کرام!

دیکھئے تو جواب میں کتنا خوبصورت دھوکہ دیا کہ ہمیں سنت نبویہ اختیار کرنی چاہئے اور بالکل بھول گئے کہ اس طرح ایک صحابی رسول پر سنت کی مخالفت کا الزام لگا دیا اور دوسرے تقریری سنت کا انکار کر دیا جو کام صحابی رسول خود رسول اکرم کی موجودگی میں نہیں بلکہ خود آپ کے ساتھ کر رہا ہے نبی تو اس کو خاموش رہ کر درست قرار دے رہے ہیں اور یہ دیوبندی اس کو غلط قرار دے رہے ہیں۔

ایک اور بات بھی یاد رہے کہ الہمدیث کے اعتراض کو موصوف نے تسلیم کر لیا۔ تبھی یہ جواب دیا ہے اور جب یہ بات مان لی کہ صحابی کا ایک ہاتھ تھا تو اگر اس حدیث سے مصافحہ ملاقات ثابت ہو رہا ہے تو پھر دو ہاتھ کا نہیں تین ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہو رہا ہے۔ جو آپ کا دعویٰ نہیں گویا جو دعویٰ تھا وہ ثابت نہیں اور جو ثابت ہوا وہ دعویٰ نہیں، اس سے فائدہ کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں گویا کہ دھوکہ جو وہ دینا چاہتے تھے وہ ناکام ہو گیا۔

جواب نمبر ۲۔ مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

جب دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے تو درمیان میں ایک ہاتھ آتا ہے

اور دوسرا باہر کی جانب رہتا ہے اس لیے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے

والا کہہ سکتا ہے میرا ہاتھ اس کے دو ہاتھوں کے درمیان میں تھا۔

یہی کچھ حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا

کہ حضرت ابن مسعود کا ایک ہاتھ تھا اور انہوں نے اپنے اسی ایک

ہاتھ کا ذکر کیا ہے۔ (بارہ مسائل، ص ۲۲)

جواب الجواب: آپ کی توجیہ یا دھوکہ دہی اس وقت درست ہوتی جب روایت کے

الفاظ آپ کی بات کی تائید کرتے، افسوس یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی

روایت کے الفاظ آپ کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کہا ”و کفی بین کفیه“ کفی سے ظاہر ہے کہ ان کی فقط ایک ہتھیلی مراد ہے، اور کہنا وہ یہ چاہتے ہیں کہ حالت تعلیم میں میری ایک ہتھیلی رسول اللہ کی دونوں ہتھیلی کے درمیان تھی جب انہوں نے اپنی کف کو بصریہ مفرد ”کفی“ اور رسول اللہ کی کف کو بصریہ ثننیہ ”کفیه“ ذکر کیا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ ابن مسعود کی ایک ہتھیلی تھی اب آپ اس کو اپنی تاویل کے زور پر ایک کو دو کر دیں تو یہ دھوکہ ہی ہوگا۔ اگر ابن مسعود کی بھی دونوں ہتھیلیاں تھیں تو وہ اس وقت یوں نہ کہتے ”و کفی بین کفیه“ حالاں کہ انہوں نے ایسا ہی کہا جس کا صاف مطلب ہے کہ آپ جو سمجھا رہے ہیں الفاظ حدیث اس کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں اور جب یہ ثابت ہوا کہ ان کے لفظ ”کفی“ سے ایک ہی ہتھیلی مراد ہے اور کفیه سے رسول اکرم کی دو ہتھیلیاں مراد ہیں یعنی دو ہتھیلیوں میں ابن مسعود کی ایک ہتھیلی تو ظاہر ہے اس سے دو ہاتھ کا مصافحہ تو کسی طرح ثابت نہیں ہوا کیونکہ یہ لوگ اس طرح کے مصافحہ کے قائل نہیں ہیں۔

گویا جو دعویٰ ہے وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اور جو ثابت ہوتا ہے وہ دعویٰ نہیں ہے۔

جواب نمبر ۳: مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت ابن مسعود اپنے ایک ہاتھ کا ذکر فرما رہے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا بلکہ اس وجہ سے کہ آپ کا جو ہاتھ نبی پاکؐ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان آیا تھا آپ بطور اظہار مسرت کے اپنے اس ہاتھ کی خصوصیت بتا رہے ہیں کہ میرا یہ ہاتھ اتنا خوش نصیب ہے جو سردار عالم کے دو ہاتھوں کے درمیان آیا ہے۔“

(بارہ مسائل، ص ۲۲)

جواب الجواب: یہ بات تو آپ کو تسلیم کرنا ہی پڑے گی کہ عبد اللہ بن مسعود کا ایک ہی ہاتھ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ اس کو آپ مصافحہ ملاقات فرمائیں اور یہ کہیں کہ حضرت ابن مسعود نے اظہار مسرت کے بطور ایک ہاتھ کا ذکر کیا ہے ورنہ ان کے بھی دو ہاتھ تھے، تو اس کو زبردستی تو کہا جاسکتا ہے مگر ثابت نہیں کیا جاسکتا، یہ کہنا کہ ایک ہاتھ کا ذکر بطور اظہار مسرت اور خصوصیت کے سبب تھا محض بلا دلیل ہے جو ہاتھ دو ہاتھ کے درمیان اور جو ہاتھ آپ کے ہاتھ کو اوپر سے ڈھانپ رہا تھا وہ بھی تو قابل ذکر تھا۔ اور جب آپ یہ مانتے ہیں کہ یہ مصافحہ تھا تو طریقہ کو صراحتاً بیان کرنا ضروری تھا یہاں اس کو چھوڑ کر اظہار مسرت کا کیا محل تھا؟

یا تو یہ مانتے کہ یہ مصافحہ ملاقات نہ تھا یا یہ کہتے کہ مصافحہ ملاقات تھا اگر اس کو مصافحہ ملاقات مان رہے ہیں اور یہی آپ کی دلیل ہے تو دلیل جس کو ثابت نہیں کر رہی ہے اس کو آپ بلا دلیل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

۲۔ تعجب ہے علماء احناف تو اس کو مصافحہ ملاقات مانتے نہیں آج کے دیوبندی مقلدین زبردستی مصافحہ ملاقات منوانے پر بضد ہیں۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اکرم نے تاکید مزید کے لیے ان کے دونوں ہاتھ تعلیم تشہد کے لیے پکڑے تھے اور یہاں ملاقات کا نہ کوئی موقع تھا اور نہ یہ مصافحہ ملاقات ہی تھا اس سے قبل ہم یہ بھی ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ سے لیکر حضرت عبد اللہ بن مسعود تک بلکہ حضرت امام ابو حنیفہ کے بعد بھی تشہد کی تعلیم کے وقت ہر استاد نے شاگرد کا ہاتھ پکڑ کر تشہد سکھایا، جس کا صاف مطلب یہ کہ یہ مصافحہ ملاقات نہ تھا۔ لہذا حیلے بہانوں سے اسے مصافحہ ملاقات ثابت کرنا محض غلط ہے۔

دھوکہ نمبر ۲

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”مصافحہ کا معنی ہے ایک ہتھیلی کا دوسری ہتھیلی کے ساتھ ملنا، پس لفظ مصافحہ کا تقاضہ یہ ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ کے ساتھ ہو۔“

(بارہ مسائل، ص ۲۲)

جواب: جب مصافحہ کا لغوی و شرعی معنی ایک ہاتھ کے مصافحہ سے حاصل ہو جاتا ہے تو دو ہاتھ کے مصافحہ کو ثابت کرنے کے لیے یہ کہنا کہ دو ہاتھ کے مصافحہ سے بھی دو ہتھیلیاں ملتی ہیں لہذا مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہئے یہ محض بلا دلیل اور بے ثبوت بات ہی کہلائے گی، جس طرح کوئی دعویٰ کر دے کہ مصافحہ تین ہاتھ کا ہونا چاہئے اور دلیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث پیش کرتے ہوئے آپ کی طرح کٹ جتی کرے اور یوں کہے کہ تین ہاتھ کے مصافحہ میں بھی دو ہتھیلیاں ملتی ہیں۔ تو کیا آپ اسکو صحیح کہہ دیں گے۔

اگر اس کی بات کو صحیح نہیں کہہ سکتے تو آپ کے چار ہاتھ کے مصافحہ کے لیے بھی یہ دلیل نہیں ہو سکتی، بلکہ اسکو محض ڈھکوسلہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

دھوکہ نمبر ۳

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”بعض حدیثوں میں ید کا لفظ آیا ہے اور یہ واحد ہے مطلب یہ کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا۔“

جواب۔ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے بہت سے علوم میں مہارت ضروری ہے وہاں عرب کے قدیم محاورات اور عربی الفاظ کے استعمالات پر بھی پورا پورا عبور ضروری ہے۔

(بارہ مسائل، ص ۲۳)

جواب الجواب : ملتانی صاحب حدیث میں صرف لفظ ید نہیں آیا ہے بلکہ وہاں صراحۃً الید الیمنی اور بالید الیمنی اور بالیمنی کے الفاظ بھی آئے ہیں جس سے اس ید کی تصریح ہو جاتی ہے، اس میں آپ جیسے ضرورت سے زیادہ قابلوں کے لیے صرف لفظ ید پر اکتفاء نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے آپ کی ساری تاویلات محض غلط اور فاسد ہیں۔

آپ نے جو جواب دینے کی کوشش کی ہے وہ آپ کی علوم عربیہ میں نہ مہارت پر دلالت کرتا ہے اور نہ اس بات پر کہ آپ کو علوم عربیہ کی کچھ شدہ بدھ بھی ہے۔ چہ جائے کہ عربی الفاظ کے استعمالات پر عبور اور قدیم محاورات کا گیان۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اس جواب میں اپنی جس قابلیت کا اظہار کیا ہے وہ آپ کی ساری قابلیت کو خاک میں ملا رہی ہے۔ پتہ نہیں جن قاسموں نے آپ کی یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لے کر چھاپ ڈالی۔ ان کی قابلیت کو کیا ہوا تھا، شاید اس حمام میں سارے ہی ننگے تھے۔ کاش آپ یہ چند سطور نہ لکھتے کم سے کم آپ کی قابلیت کی ہانڈی چوراہے پر تو نہ پھوٹی۔ مولوی ملتانی آگے لکھتے ہیں:

”ہر زبان میں واحد کا صیغہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ بطور مفرد یعنی اس سے ایک فرد مراد ہو۔ (۲) بطور جنس اس وقت صیغہ واحد کا ہوتا ہے لیکن اس سے متعدد افراد مراد ہوتے ہیں جیسے ہم کہا کرتے ہیں : مجھے انگور دیدو۔ مجھے فالہ دیدو، اس کا یہ معنی نہیں کہ مجھے ایک انگور اور ایک فالہ دے دو۔“ (بارہ مسائل، ص ۲۳)

جواب الجواب : بچارے ملتانی صاحب لفظ واحد اور صیغہ واحد میں قطعاً فرق نہیں جانتے حالانکہ یہ وہ بات ہے جو ہمارے یہاں جماعت اول و دوم عربی کے بچے بھی جانتے ہیں اس پر آپ کو قدیم محاورات عرب پر عبور اور عربی الفاظ کے استعمالات

پر مہارت کا دعویٰ ہے بقول کسے

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا

کار طفلان تمام خواہ شد

بچارے یہ تک نہیں جانتے کہ صیغہ واحد، صیغہ تثنیہ و صیغہ جمع یہ سب فعل کی قسم

سے ہیں اور اسم مفرد اسم جمع اور اسم جنس یہ اسم کی قسم سے ہیں۔

کس قدر جہالت کی بات ہے کہ مولوی ملتانی کا دعویٰ ہے کہ ہر زبان میں واحد کا صیغہ دو طرح استعمال ہوتا ہے: بطور مفرد اور بطور جنس۔ اس جہالت پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے، ہمارے ہندوستان کے قاسمی علماء ان جہالتوں پر مشتمل کتاب کو مایہ ناز کتاب مان کر بیس لاکھ انعام کی بات کرتے ہیں، کس قدر باعث شرم ہے، یہ بات آخر ان کو کیا ہو گیا ہے؟ اہلحدیث دشمنی میں اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ ایسی ایسی غلطیوں پر خاموش ہیں جو عربی کی پہلی جماعت کا طالب علم بھی نہیں کریگا۔

ہائے تقلید تیرے چاہنے والے اندھے

ضرب، نصر، سمع، یہ واحد کے صیغے ہیں کیا کوئی عربی داں کہہ سکتا ہے کہ یہ صیغے واحد کے ہیں لیکن کبھی کبھی یہ بطور جنس استعمال ہوتے ہیں اور اس وقت متعدد افراد مراد ہوتے ہیں؟

دوسری جہالت

ایک جہالت تو وہ تھی جس کا ذکر گزرا دوسری جہالت یہ دیکھئے کہ لفظ ید جو عربی ہے اس پر بحث ہو رہی ہے اور مثال دے رہے ہیں کس کی انگور، اور فالسہ کی جو اردو کے الفاظ ہیں۔ مولوی ملتانی کی اس حرکت کا کیا نام دیا جائے۔ یہ ظاہری دھوکہ ہے جو بچارے عام مسلمانوں کو دینا چاہتے ہیں، لیکن ان شاء اللہ اہلحدیث کے رہتے ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔

ملتانى صاحب يہاں انگور اور فالہ کی بات نہیں ہو رہی ہے يہاں علمى بحث ہے جس ميں يہ چکانى حركاتى مناسب نہیں ہيں۔

ديکھئے مثال ايے دييجئے۔ اعطنى يدك (ذرا اپنا ہاتھ دينا) يہاں لفظ يد مستعمل ہے مفرد ہے آپ کا دعوى ہے کہ يہ کبھی مفرد کے ليے اور کبھی جمع کے ليے استعمال ہوتا ہے، اعطنى يدك (ذرا اپنا ہاتھ دينا) اگر کوئى کہے تو سننے والا ايک ہاتھ بڑھا دے تو کيا يہ کہا جائے گا کہ اس نے غلط سمجھا اور اس کو دونوں ہاتھ دينے چاہئے تھے کيونکہ يد بطور جنس مستعمل ہوتا ہے۔ اگر کوئى ايسا کہے گا تو عربى زبان کے جانکار يہی کہیں گے کہ يہ محض آپ کی غلط فہمی ہے اگر آپ زبان عربى سے واقف ہوتے تو ہرگز ايسا نہ کہتے۔

اگر اس کو ملتانى صاحب اردو ميں سمجھنا چاہتے ہيں تو ان کو يوں سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئى کہے کہ ذرا اپنا ہاتھ دينا، يا مير ا ہاتھ پکڑنا، يا ذرا ہاتھ تھامنا تو اس کا مطلب کسى بھى اردو داں کے يہاں يہ نہیں ہوتا کہ دونوں ہاتھ مراد ہيں اور کہنے والا يہ کہہ رہا ہے کہ دونوں ہاتھ دو، دونوں ہاتھ پکڑو يا تھامو، اگر کوئى ايک ہاتھ دے يا تھامے تو اس کو يہ کہا جائے کہ اس نے قائل کی بات نہیں سمجھی اور اس کے کہنے پر عمل نہیں کيا۔

مثالیں تو اور بھى بہت ہيں بات کو مختصر کرتے ہوئے ہم مولوى ملتانى کی مزيد غلط فہمی دور کرنا چاہتے ہيں۔

ملتانى کی تيسرى جہالت

مولوى ملتانى لکھتے ہيں :

”ميں نے تجھے اپنى آنکھ سے کھڑا ديکھا ہے، ميں نے اپنے کان سے تيرى بات سنى ہے، اس کا يہ مطلب نہیں کہ ميں نے صرف ايک آنکھ سے ديکھا ہے اور ايک کان سے بات سنى ہے، يہاں مفرد صيغہ جنس کے معنى ميں استعمال ہوا ہے جس سے دونوں آنکھيں اور دونوں کان مراد ہيں۔“

جواب الجواب: یہ بھی ملتانی صاحب کی ایک مزید جہالت ہے۔ جو مثال انہوں نے پیش کی ہے نا تو اہل زبان اس طرح بولتے ہیں اور نہ یہ محاوراتی زبان ہی ہے، پھر آنکھ، کان کی مثال دیکر دو ہاتھ پر چسپاں کرنا ان کی دھوکہ بازی ہے کیونکہ یہ مثال تام نہیں کیونکہ دیکھنا دونوں آنکھوں سے اور سننا دونوں کانوں سے ایک ساتھ ہوتا ہے بیک وقت ایک طرح کا دیکھنا اور ایک طرح کا سننا دو الگ اشیاء کا آنکھ، کان سے ممکن نہیں، جب کہ دو ہاتھ بیک وقت دو الگ الگ کام کر سکتے ہیں، لہذا ان دونوں کو ایک طرح قرار دینا دھوکہ ہے۔

دوسری بات یہ بھی سمجھ لیں کہ جو لفظ ہم استعمال کرتے ہیں اس سے اس کا ایک فرد مراد ہے یا ایک سے زائد اس کو لفظ نہیں قرینہ متعین کرتا ہے۔ اگر قرینہ ہو تو لفظ کی مراد متعین ہو جاتی ہے ورنہ وہ اپنے اقل عدد پر دلالت کرتا ہے، کما صرح بہ علماء الاصول۔ اس کی مزید وضاحت آگے آتی ہے۔

چوتھی جہالت

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”عربی میں واحد کا صیغہ بطور جنس استعمال ہوتا ہے جیسے ایک دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللھم اجعل فی بصری نوراً واجعل فی سمعی نوراً۔ اے اللہ میری آنکھ میں نور پیدا فرما، اور میرے کانوں میں نور پیدا فرما۔“

جواب الجواب: پتہ نہیں مولوی ملتانی نے یہ چند سطور کیا کھا کر لکھی تھیں کہ قدم قدم پر لغزش کھائی ہے اور بقول غالب

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

یہ کہنا کہ عربی میں واحد کا صیغہ بطور جنس استعمال ہوتا ہے۔ وہی پرانی جہالت ہے۔ پھر رسول اکرم کی دعا میں۔ جو ترجمہ کیا تو بصر کے معنی آنکھ کر دیا وہ بھی واحد کا لفظ اور سمع کے معنی کانوں کر دیا ایک تو کان پھر جمع آنکھ اور کان میں یہ فرق کیوں پھر میں ہندوستان کے قاسمی علماء سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں بصر کے معنی آنکھ اور سمع کے معنی کان ہیں، اس جہالت پر آپ الہمدیث علماء کا منہ چڑھا رہے ہیں۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

تمام علماء نے یہاں سمع سے قوت سامعہ اور بصر سے قوت باصرہ مراد لی ہے اور جب یہ الفاظ عربی میں متعدد معانی کے لیے مستعمل ہیں تو ان سے استدلال مسئلہ مابہ النزاع میں کیا درست ہے؟ اور یہاں اس کو بطور دلیل پیش کرنا کیا صحیح ہے؟ یہی حال اگلی عبارت کا ہے۔

پانچویں جہالت

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یدہ۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامتی میں رہیں“ من رای منکم منکر فلیغیرہ بیدہ“ جو تم میں سے برائی دیکھے پس وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے یہاں صیغہ واحد کے ہیں لیکن قطعاً یہ مطلب نہیں کہ میری صرف ایک آنکھ اور صرف ایک کان میں نور پیدا فرما۔ مسلمان اس کے صرف ایک ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور اپنے ایک ہاتھ سے برائی کو مٹائے۔ بلکہ واحد سے جنس والا معنی مراد ہے۔“

(بارہ مسائل، ص ۲۳)

جواب الجواب: مولوی ملتانی کی عقل و سمجھ کو زنگ لگ گیا ہے، اس لیے وہ اس قسم کی

بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں اور اس چیز سے الزام دے رہے ہیں جس سے الزام دینا روا نہیں۔

مسلمان کے ہاتھ و زبان سے سلامتی میں رہنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان ہاتھ اور زبان سے تو کچھ نہ کہے لیکن لاتوں سے مارے اور اخبار میں کسی کو گالیاں لکھے اور جب اس کو کہا جائے تو معصومیت سے کہہ دے کہ میں نے تو حدیث پر عمل کیا ہے۔

ملتانى صاحب علماء کرام کے نزدیک ان احادیث میں مفہوم مخالف نکالنا فسق و فجور کا دروازہ کھولنا ہے، یہاں ایک ہاتھ اور دو ہاتھ کی بحث ہی نہیں ہے یہاں تو سیاق لفظ خود معنی متعین کر رہا ہے۔

اسی طرح برائی کو ہاتھ سے مٹانا اس میں ایک ہاتھ اور دو ہاتھ کی بحث نکالنا جہالت ہے اگر مان لیا جائے بقول آپ کے یہاں یہ سے مراد دونوں ہاتھ ہے۔ تو ذرا یہ بتائیں کسی برائی کو اگر کوئی ایک ہاتھ سے مٹا دے تو وہ اس حدیث کا مصداق ہوا یا نہیں؟ مان لیجئے ایک دیوار پر کسی نے خلاف اسلام کوئی عبارت لکھی ہوئی ہے کوئی مسلمان اس کو ایک ہاتھ سے مٹا دیتا ہے تو وہ اس حدیث کا مصداق ہوا یا نہیں؟ کیا آپ اس پر لازم کریں گے کہ وہ دونوں ہاتھ لگائے ورنہ اس کو ثواب نہ ملے گا اور وہ اس حدیث کا مصداق نہ ہوگا۔ ظاہر ہے ایسا کہنے والا پاگل کہلائے گا۔

ملتانى صاحب کی چھٹی جہالت

مولوی ملتانی لکھتے ہیں :

”غیر مقلدین جن حدیثوں سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت کرتے ہیں

وہاں یہ سے جنس والا معنی مراد ہے۔“ (بارہ مسائل، ص ۲۳)

جواب الجواب: ظاہر ہے یہ مولوی ملتانی کی محض ہٹ دھرمی ہے احادیث میں جہاں لفظ یہ وارد ہے وہاں ایک ہی ہاتھ مراد ہے کیونکہ یہ لفظ اصل وضع میں مفرد کے لیے

موضوع ہے اس کے خلاف جب استعمال ہوگا تو قرینہ کے ساتھ استعمال ہوگا، بلا قرینہ واحد کے علاوہ میں استعمال نہیں ہوگا، ہم مولوی ملتانی کی اس طرح کی بلا دلیل ہٹ دھرمی کا جواب بار بار دے چکے ہیں۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں :

”حدیث پاک میں ہے کہ مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں، کیا صرف ایک ہاتھ کے گناہ جھاڑنے کی ضرورت ہے دوسرے ہاتھ کے گناہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں؟“ (بارہ مسائل ص ۲۳)

جواب الجواب: افسوس ہے کہ ملتانی صاحب آخر میں بھی اپنی جہالت سے باز نہیں آئے۔ جس حدیث کا ذکر کیا ہے پہلے اس کو ذکر کرتے تب مخالف کو الزام دیتے اپنے من سے یہ بات گڑھ لی کہ مصافحہ کرنے سے ہاتھ سے گناہ جھڑتے ہیں ورنہ ایسا ہے نہیں۔

حدیث میں ہے :

ان المسلم اذا صافح اخاه تحات خطاياهما كما تتحات ورق الشجر، رواه البزار۔ (ج ۲ ص ۴۲۰)

یعنی جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو ان دونوں کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کا یہ سمجھنا کہ مصافحہ کرنے سے ہاتھوں کے گناہ جھڑتے ہیں اس لیے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہئے، محض غلط فہمی ہے۔ اس بحث کے آخر میں ہم مولوی ملتانی سے انکی اس کج بحثی کے نتیجہ میں پوچھتے ہیں اگر ہر جگہ ید کا لفظ جنس کے معنی میں مستعمل ہے تو ذرا قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں کیا حکم ہے ضرور بتائیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ ہاتیل کی زبان سے کہلواتا ہے:

لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لا قتلک۔ المائدہ ۲۹:۴
حضرت موسیٰ کے متعلق فرماتا ہے:

واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء طہ: ۲۲

وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء النمل: ۲۲

اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء القصص: ۳۲

وخذ بیدک ضغثا فاضرب به ولا تحت ص: ۲۴

مندرجہ بالا آیات میں ”ید“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیا اس میں ید سے مراد جنس ہے یا ایک ہی ہاتھ مراد ہے۔

غور سے دیکھ لیں اور اپنی کج بخشی پر شرمندہ ہوں۔ جب ”ید“ بول کر ایک سے زائد یا اس کا مجازی معنی مراد ہوتا ہے۔ تو وہاں کوئی نہ کوئی قرینہ موجود ہوتا ہے ورنہ ”ید“ اپنی اصل وضع میں ایک ہاتھ ہی کے لیے مستعمل ہے۔

مولوی ملتانی کے تین سوال

(۱) امام بخاری فرماتے ہیں حدیث ابن مسعود سے مصافحہ ثابت ہے۔

(۲) غیر مقلدین کہتے ہیں اس سے مصافحہ ثابت نہیں ہوتا ان میں

سے کون صحیح اور کون غلط ہے۔ (بارہ مسائل، ص ۲۵)

جواب: (۱) مولوی ملتانی (اینڈ پارٹی) امام بخاری کی وہ عبارت نقل کرے جس میں امام

بخاری رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ حدیث ابن مسعود سے مصافحہ ثابت ہے۔ اگر

ان کی عبارت پیش نہیں کرتے تو مانا جائے گا کہ یہ دیوبندیوں کا حضرت امام

بخاری پر اتہام ہے۔

(۲) حضرت امام بخاری نے حدیث ابن مسعود کو کس لیے ذکر کیا ہے اور اس سے

کیا ثابت کیا۔ اس کو ہم مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی و دیگر علماء احناف سے ثابت کر آئے ہیں پیچھے مڑ کر دیکھ لیں۔

(۳) حضرت امام بخاری نے حدیث ابن مسعود کو باب المصافحہ اور باب الاخذ بالیدین میں ذکر کیا، باب المصافحہ میں بلا سند اور باب الاخذ بالیدین میں موصولاً اور یہ اس لیے کہ ظاہر کریں کہ اس حدیث سے مصافحہ ملاقات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات ازیں قبل تفصیل سے گزر چکی ہے۔

دوسری بات کا جواب: الحمد للہ ہی کیا خود علماء احناف کہتے ہیں کہ حدیث ابن مسعود مصافحہ سلام سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ مصافحہ تعلیم سے متعلق ہے دیوبندیوں کا اس سے مصافحہ بالیدین ثابت کرنا غلط ہے۔

حضرت امام بخاری اور الحمد للہ دونوں صحیح ہیں، مولوی ملتانی اپنی غلط فہمی سے غلط سمجھ بیٹھے ہیں لہذا وہی غلط ہیں۔

دوسرا سوال

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

حماد بن زید اور عبد اللہ بن مبارک دو ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے سے بدعتی ہوئے ہیں یا نہیں؟

جواب: حماد بن زید نے ابن المبارک سے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا، لیکن ابن المبارک نے دو ہاتھ سے مصافحہ نہیں کیا، ان پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے بھی دو ہاتھ لگائے، کیونکہ ان کے اس اثر کے بعد شرح میں علامہ ابن حجر نے ابن المبارک کی کتاب البر والصلہ سے اس کے خلاف حدیث نقل فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا لقي الرجل لا يزرع يده

حتى يكون هو الذي يزرع“

یعنی ملاقات کے وقت نبی ﷺ اپنا ہاتھ ملاقاتی کے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے جب تک وہ خود اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے نہ کھینچتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن المبارک دو ہاتھ سے مصافحہ کے قائل و عامل نہ تھے، رہی بات انکے بدعتی ہونے کی تو یہ بات تو کوئی بدعتی ہی کہہ سکتا ہے، یا آپ جیسا پاک باز، کوئی اہل حدیث تو کہے گا نہیں کیونکہ اگر مصافحہ میں کوئی اگر کبھی دو ہاتھ لگا لیتا ہے تو اس سے کوئی بدعتی نہیں ہوتا، ہاں۔ اگر وہ ایک ہاتھ کے مصافحہ کو سنت نصاریٰ بتاتا ہے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے کو گستاخ بتاتا ہے اور اس کو سنت کے خلاف کہتا ہے اور صرف دو ہاتھ کے مصافحہ ہی کو درست صحیح اور سنت کہتا ہے تو وہ بے شک بدعتی ہے۔

تیسرا سوال

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”امام بخاری نے ان دونوں تبع تابعین کے فعلی اثر کو دلیل کے طور

پر پیش کیا ہے۔“ (بارہ مسائل، ص ۲۵)

جواب: یہ آپ کی غلط فہمی ہے امام بخاری تابعین کے عمل کو حجت نہیں مانتے لہذا یہ آپ کی غلط بیانی ہے جس سے توبہ کیجئے۔

لکھتے ہیں:

”کیا امام بخاری ان دو امتیوں کے فعلی اثر کی تقلید کر کے مشرک

ہوئے یا نہیں اور جب تک صحیح بخاری میں یہ اثر اور اس جیسے

دوسرے آثار صحابہ وغیرہ موجود ہیں ان کی وجہ سے امام بخاری کو

شرک کا گناہ ہو رہا ہے یا نہیں۔“ (بارہ مسائل، ص ۲۵)

جواب : امام بخاری نے سرے سے کسی کی تقلید کی ہی نہیں ، کسی کی بات نقل کر دینے کا نام تقلید نہیں ہے علماء و فقہا نے امام بخاری کو مجتہد مانا ہے ، مجتہد کا تقلید کرنا چہ معنی دارد جب انہوں نے تقلید کی ہی نہیں تو تقلید اور شرک کا گناہ چہ معنی دارد ؟ یہ محض مولوی ملتانی کی فساد انگیزی اور بوکھلاہٹ ہے ، ہمارے نزدیک جو بات بھی مولوی ملتانی امام بخاری سے متعلق لگا رہے ہیں امام بخاری پر بہتان ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے ، اس کتاب کا مقدمہ اور بحث تقلید بھی دیکھئے۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں :

”جب صحیح بخاری میں ایسا شرک موجود ہے تو صحیح بخاری لکھ کر امام بخاری نے نیکی کا کام کیا ہے یا گناہ کا؟“ (بارہ مسائل ، ص ۲۵)

جواب : صحیح بخاری میں کوئی شرک موجود نہیں ہے ، یہ تو شرک شکن کتاب ہے۔ مقلدوں کی غلط فہمی سے اگر ان کو شرک نظر آئے تو یہ ان کی اپنی غلطی ہے ، امام بخاری نے صحیح بخاری لکھ کر ثواب کا وہ کام کیا کہ آج تک کسی دوسرے نے نہیں کیا۔ اور یہ نیکی ہمیشہ ان کے لیے باقیات الصالحات میں شمار ہوگی۔

ننگے سر نماز کا مسئلہ

مردوں کے لیے ننگے سر نماز پڑھنے کا مسئلہ کسی دور میں ایسا نہیں رہا کہ اس کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے پر حرف گیری کی جائے اور اس کی بنیاد پر اہل من مبارز کا نفرہ لگایا جائے۔ تمام مذاہب میں عورت کا سر، ستر میں شامل ہے جب کہ مرد کا سر، ستر میں شامل نہیں ہے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ اسلام کا ایک عظیم رکن حج اور اس کا ایک عظیم شعار احرام سر ڈھانپنے پر دم کو لازم کرتا ہے، جب تک حاجی احرام میں رہتا ہے ننگے سر ہی نماز پڑھتا ہے، اور یہاں سر ڈھانپنا سخت منع ہے جس کے ارتکاب پر ایک بڑا جرمانہ عائد ہو جاتا ہے۔

ہمارے یہاں ہندو پاک میں مرض تقلید میں گرفتار بعض مولویوں کو ننگے سر نماز پڑھنے سے الرجی ہے حالت یہ ہے کہ جہاں انہوں نے کوئی نمازی ننگے سر دیکھا اور وہ بدکے، ان مولویوں کے اس رویہ سے عوام میں یہ تاثر جم گیا ہے کہ ننگے سر نماز نہیں ہوتی، بعض دفعہ تو نمازی مسجد میں آ جاتا ہے اور جب صف میں کھڑا ہونے لگا اور اسے یاد آیا کہ ٹوپی تو گھر میں رہ گئی یا کسی نے اشارہ کر دیا کہ حضرت ٹوپی؟ تو نماز چھوڑ کر سر پٹ گھر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور جماعت چھوڑ دیتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ بعض ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑا کہ جب ان سے کہا گیا کہ آؤ نماز پڑھ لیں تو وہ افسوس سے کہہ دیتے ہیں کہ ٹوپی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے ٹوپی کو اس قدر ضروری خیال کیا کہ حصول ثواب کے لیے مسجدوں میں چٹائی کی بنی یا پلاسٹک کی ٹوپیاں لا کر ڈھیر کر دیں، جن کا میل کچیل اور جن سے اٹھنے والے بدبو کے بھکے آدمی کو ان سے نفرت پیدا کر دے۔ لیکن ان مفت

کے مفتیوں کی سخت گیری کی وجہ سے وہ ان بدبودار، پھوٹی ادھڑی ٹوپوں کو سر پر لگانے پر مجبور ہیں ایسے ابتلاء عام میں بھی اہلحدیث مساجد اس قبیح صورتحال سے پاک ہیں حد تو یہ کہ ان ٹوپوں کا چلن اس قدر عام ہوا کہ اب کوئی آدمی جیب میں ٹوپی نہیں رکھتا سوچتا ہے کہ مسجد میں ٹوپی مل جائے گی اور اگر ٹوپی نہ ملے تو متولیوں پر تبصرہ، وتبرا، شروع ہو جاتا ہے کہ ان سے مسجد کا ذرا انتظام نہیں سنبھلتا۔

اس سے زیادہ افسوس ناک صورت حال تو یہ ہے کہ داڑھی جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کی سنت ہے جس کے بغیر رسول ﷺ نے نیز صحابہ کرام نے کوئی نماز ادا نہیں فرمائی اس کے لیے ان مولویوں کی زبانیں گنگ ہیں اس کے لیے کبھی تانعرے بازی ہے اور نہ اکھاڑے بازی، کیا یہ بات باعث شرم نہیں کہ آدمی ننگے منہ نماز پڑھے تو ان مولویوں کی رگ حمیت نہ پھڑکے، لیکن اگر کوئی ننگے سر نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو ان کی رگ تعصب پھڑکنے لگے اور فوراً یہود و نصاریٰ سے ملانا شروع کر دیں افسوس ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اگرچہ ننگے سر نماز صرف اہلحدیث ہی نہیں پڑھتے آج دنیا کے کونے کونے میں موجود مسلمان خصوصاً نوجوان اکثر ننگے سر نماز پڑھ رہے ہیں کیا ساری دنیا میں اور تمام مذاہب کے ماننے والوں میں اہلحدیث نے یہ بات پھیلا دی ہے۔

اس سے زیادہ بد قسمتی ان مولویوں کی کیا ہوگی کہ اگر کوئی ان کے محلہ میں رشتہ داری میں جان کاروں میں سرے سے نماز نہیں پڑھتا اس سے ان کی نہ لڑائی ہے۔ اور نہ ناراضگی بلکہ اگر اس کو کوئی کچھ کہہ دے یا ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دے تو یہی مولوی اس کی جان کو آجاتے ہیں، ہاں اگر کوئی نماز پڑھنے مسجد میں آجائے اور ننگے سر نماز پڑھ لے تو اس پر ان کے فتوے یہود و نصاریٰ بنائے بغیر نہیں رہتے ان کی زبان ان کے خلاف بولنے سے نہیں چوکے گی اور نہ کبھی اس کے خلاف ماحول تیار کرنے میں کسر چھوڑے گی۔

فیبا للعب۔ وضیعة الادب

اب ہم مولوی ملتانی کی طرف آتے ہیں :

”ننگے سر نماز اور فقہ دیوبند

مولوی ملتانی لکھتے ہیں :

”سوال - ننگے سر نماز کی چند صورتیں ہیں

(۱) مجبوری کی حالت میں بلا کراہت جائز ہے۔

(۲) سستی کی وجہ سے کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

جس کی وجہ سے ثواب کم ہو جائیگا۔

(۳) ننگے سر نماز کو سنت سمجھے بغیر عادت بنالی جائے تو مکروہ تحریمی ہے۔

(۴) ننگے سر نماز کو افضل و سنت سمجھنا اور نماز میں سر ڈھاپنے کو حقیر جاننا کفر

ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۶۔ درمختار ۱ ص ۴۷۴، رد المختار ج ۱

ص ۴۸۲، فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۸“ (بارہ مسائل، ص ۲۵-۲۶)

قارئین کرام : مولوی ملتانی کے اس اقتباس کے ساتھ ہی ان کا مطالبہ جو وہ ہم

سے چاہتے ہیں وہ بھی ملاحظہ کر لیں تاکہ آپ کو ان لوگوں کی دورنگی چال اور نا انصافی پر

مبنی قیل و قال کا اندازہ ہو سکے۔ لکھتے ہیں :

”نوٹ۔ اگر غیر مقلدین صحیح حدیث میں دکھادیں کہ پوری زندگی میں نبی

پاکؐ نے یا کسی صحابی نے کپڑا ہونے کے باوجود بغیر مجبوری مسجد میں فرض

نماز ننگے سر پڑھی اور اس حدیث کو امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کئے

بغیر صحیح ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ دیدہ باید۔“

(بارہ مسائل، ص ۲۸)

جواب : قارئین کرام ! ہمارا موقف یہ ہے کہ مرد کے لیے سر، ستر میں شامل نہیں ہے،

اسی لیے رسول اکرم نے سر ڈھانپنا ضروری قرار نہیں دیا ہے اگر کوئی عذر یا بلا عذر ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز بلاشبہ جائز و درست ہے، مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کا موقف ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا ناجائز ہے، سوائے مجبوری کے کسی حال میں نماز ننگے سر پڑھنا درست نہیں، یہاں تک کہ وہ اس کو مکروہ تنزیہی مکروہ تحریمی اور کفر تک کہتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی عبارت آپ پڑھ چکے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ اپنے موقف پر قرآن و حدیث سے، یا اجماع سے کوئی دلیل صحیح فراہم کرتے، لیکن انہوں نے ایسا کچھ بھی نہ کیا، ہو سکتا ہے آپ یہ کہیں کہ وہ قیاس کو بھی مانتے ہیں اور انہوں نے فقہ حنفی کی کتب فقہ سے حوالہ دیا ہے تو عرض یہ ہے کہ قیاس کے لیے مقیس علیہ کا ہونا ضروری ہے جو ندارد ہے اور قیاس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی مجتہد قیاس کرے کوئی مقلد نہ اس کا مجاز ہے اور نہ اس کا قیاس دلیل ہی بننے کے لائق ہے، لہذا مولوی ملتانی نے جو کچھ پیش کیا وہ ادلہ اربعہ میں سے نہیں ہے لہذا اس مسئلہ میں دلیل نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے اس کے باوجود وہ بغیر دلیل ہی اندھے کی لاشی کی طرح اپنا قلم چلا رہے ہیں۔

کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ قرآن و حدیث سے ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہونے کے باوجود وہ محض زبردستی یہ فتویٰ لگا رہے ہیں کہ ننگے سر نماز پڑھنا حرام ہے اور اس نماز کا اعادہ ضروری ہے، ہو سکتا ہے کوئی مقلد یا ملتانی اینڈ گروپ کا ممبر یوں کہنے لگے کہ ہم نے یہ تو نہیں کہا کہ نماز لونانی پڑے گی تو ہم بتائے دیتے ہیں کہ مکروہ تحریمی کا حکم فقہ حنفی میں یہی ہے کہ، اگر نماز مکروہ تحریمی کے ساتھ پڑھی گئی تو اس کا اعادہ ضروری ہے چنانچہ رد المحتار (۴۵۷/۱) میں یوں لکھا ہے:

”کل صلاة ادیت مع کراهة التحريم تجب اعادةها“

گویا جو لوگ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی ملتانی اینڈ گروپ کا

نبی کہنا ہے لاکھوں لوگوں کی نماز کو باطل قرار دینے کے لیے کیا اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ فتاویٰ عالمگیری میں ایسا لکھا ہے اس لیے یہی صحیح ہے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے والوں کے لیے کتنی وعید آئی ہے اور یہ کن لوگوں کی عادت ہے، اعاذنا اللہ منہم، باپ دادا کی رسموں کو حکم الہی ماننا اور احبار و رہبان کی باتوں کو حکم خداوندی قرار دینا کتنا بڑا جرم ہے، ان کو: اتخذوا احبارہم و رہبانہم ارباباً من دون اللہ

آیت کریمہ اور اس کی تفسیر میں مروی حضرت عدی ابن ابی حاتم کی حدیث کو دیکھنا چاہئے تاکہ اس غلط روش سے چھٹکارا مل سکے۔

ناظرین کرام! مولوی ملتانی نے اس سے قبل مصافحہ کے مسئلہ میں کس قدر بخاری شریف کی دہائی دی تھی اور کس قدر الزامات اہلحدیث پر تراشے تھے، آخر اس مسئلہ میں ان حضرات کو بخاری شریف یاد کیوں نہیں آئی؟

آخر اتنی جلدی وہ بخاری سے نظریں موڑ کر فتاویٰ عالمگیری کی زلف گرہ گیر کے اسیر کیوں ہو گئے؟

کیا مولوی ملتانی کو اس غلط روش کے باوجود کہ وہ نا تو رسول اکرم ﷺ سے اور نا کسی صحابی سے کوئی ایسی بات ثابت کرتے ہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے اعادہ لازم ہے یعنی نماز دہرائی پڑے گی۔ پھر ہم سے مطالبہ کرنا اور اس میں بہت ساری ممن مانی شرطیں لگانا کہاں تک انصاف کی بات ہے اور یہ بات حق و انصاف سے کس حد تک درست ہے۔

ہم ان شاء اللہ بخاری شریف سے مولوی ملتانی کے مطالبہ کو پورا کریں گے، لیکن پہلے مولوی ملتانی کی ایک اور غلط روش کا جائزہ لیا جائے۔ مولوی ملتانی نے عنوان لگایا ہے۔ ”غیر مقلد علماء کی تحقیق“

اور اس کے تحت متعدد علماء کرام کے خیالات و تاثرات نقل کئے ہیں حالانکہ

اس میں بھی وہ اپنے ہاتھ کی صفائی سے باز نہیں آئے۔

مثلاً شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کا جو فتویٰ نقل کیا ہے اس کو پورا نقل نہیں کیا ہے اور جو فتویٰ آپ کا اسی کتاب میں جس کا حوالہ مولوی ملتانی نے دیا ہے یعنی فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۳، کا اس کے صفحہ ۵۲۳ پر جو جواب حضرت مولانا نے دیا ہے وہ مولوی ملتانی کے موقف کے بالکل خلاف ہے ہم سوال و جواب نقل کرتے ہیں:

سوال: اگر ٹوپی یا پگڑی ہمارے پاس ہے اور ہم ننگے سر نماز پڑھیں اس کو اتار کر تو کیا ہماری نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب: نماز ادا ہو جائے گی مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۳، مطبوعہ دہلی، ۲۰۰۲ء

اسی طرح حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانولہ سے مولوی ملتانی نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بھی آدھا ادھورا ہے۔

انہوں نے جس بات پر نکیر کی ہے وہ ننگے سر بطور فیشن یا عادت کے ہمیشہ نماز پڑھنا ورنہ وہ ننگے سر نماز پڑھنے کو جائز اور درست مانتے ہیں، یعنی جو موقف اہل دیوبند کے شرپسند گروپ کا ہے وہ موقف حضرت مولانا کا ہرگز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس فتویٰ کے شروع ہی میں لکھا ہے:

”چونکہ سر بالا اتفاق اعضاء ستر میں نہیں ہے اس لیے اگر کسی وقت

ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالا اتفاق جائز ہوگی۔“ فتاویٰ علماء

حدیث جلد چہارم ص ۴۸۶ مطبوعہ پاکستان (بارہ مسائل، ص ۲۷)

ظاہر ہے مولانا کے موقف میں اور مولوی ملتانی کے موقف میں زمین اور آسمان

کا فرق ہے۔ مولانا جواز کے قائل ہیں، لیکن عادت بنا لینے یا فیشن کے بطور ننگے سر نماز پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔

لیکن مولوی ملتانی اینڈ پارٹی اس کو مطلقاً مکروہ خیال کرتی ہے اور بلا عذر پڑھنے پر نماز دہرانے کی قائل ہے۔

اسی طرح آپ دیگر علماء اہلحدیث کے فتاویٰ کو سمجھ لیں، مولوی ملتانی نے کسی بھی عالم کا پورا فتویٰ نقل نہیں کیا یا درہے کوئی اہلحدیث عالم وہ موقف نہیں رکھتا جو مولوی ملتانی رکھتے ہیں۔

ایک اور بات

مولوی ملتانی کی حالت زار پر ہنسی آتی ہے، جب ان کو قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ملی تو علماء اہلحدیث ہی کے فتاویٰ سے اس کمی کو پورا کرنے لگے، ورنہ وہ ان کو پورا مسلمان بھی نہیں مانتے۔ اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ اہلحدیث کو ایک طرف غیر مقلد کہتے ہیں، دوسری طرف بلا دلیل علماء اہلحدیث کی تحریروں سے اہلحدیث کو الزام بھی دے رہے ہیں۔ آخر کیوں جو غیر مقلد ہیں ان کے لیے اللہ و رسول کے سوا کسی کی بات دلیل و حجت کا درجہ نہیں رکھتی، پھر آخر ان کو مقلد ثابت کرنے کی سعی کیوں کی جا رہی ہے۔

اگر علماء اہلحدیث کا موقف آپ کے موقف کے مطابق ہے جیسا کہ آپ ان کے فتاویٰ نقل کر کے موجودہ اہلحدیث کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ موجودہ اہلحدیث علماء کے کچھ فتاوے بھی نقل کرتے جنہوں نے اہلحدیثوں کو ننگے سر نماز پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ ایسا کر رہے ہیں، لیکن ایسا انہوں نے نہیں کیا، کیونکہ کسی عالم نے ایسا فتویٰ نہیں دیا ہے اور جب ایسا فتویٰ نہیں دیا تو اہلحدیث کے بعض افراد کے کسی عمل سے تمام اہلحدیث پر لعن طعن، کیا اندھا تعصب نہیں ہے؟ آج

ہم دیکھتے ہیں کہ ننگے سر نماز پڑھنے میں اہلحدیث کی کوئی خصوصیت نہیں تمام مذاہب فقہیہ کے کچھ لوگ ننگے سر نماز پڑھ رہے ہیں اگر ہندو پاک سے کہیں باہر جانا نصیب ہوا ہے تو آپ ہماری یہ بات ہرگز نہیں جھٹلائیں گے الا یہ کہ آپ کو تعصب جھوٹ بولنے پر مجبور کر دے۔

اس سے پہلے کہ ہم آپ کو ننگے سر نماز پڑھنے کا ثبوت بخاری شریف سے دکھائیں مولوی ملتانی کے ایک دھوکہ کی قلعی کھولنا چاہیں گے۔

کیا ننگے سر نماز پڑھنا قرآن سے منع ہے؟
مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”قرآن کریم میں حکم ہے۔ (خذوا زینتکم عند کل مسجد) نماز کے وقت اپنا خوبصورت لباس اختیار کرو چونکہ عمامہ اور ٹوپی بھی لباس میں شامل ہے لہذا اس آیت کے بموجب نماز میں عمامہ یا ٹوپی پہننا چاہئے۔“
(بارہ مسائل ص ۲۶)

عبارت مندرجہ بالا سے مولوی ملتانی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن سے عمامہ یا ٹوپی پہننے کا حکم ہے وہ بھی خاص نماز کے وقت۔ اگر یہ بات درست ہے تو سوال یہ ہے کہ مفسرین میں سے کس نے اس آیت کریمہ سے ٹوپی یا عمامہ نماز کے وقت پہننا ضروری قرار دیا ہے۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں:

(۱) کیا نماز میں مرد کے لیے سر ڈھانپنا قرآن سے ثابت ہے اور اس کے لیے صیغہ امر وارد ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) اس آیت کریمہ کا شان نزول کیا ہے؟

(۱) اگر پہلی بات کا جواب اثبات میں ہے تو ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دینا کیسے

درست ہوا کیونکہ مکروہ تو اصول فقہ میں اس کو کہتے ہیں جس کا ثبوت ظنی ہو یعنی وہ حدیث احاد سے ثابت ہو اس صورت میں فقہاء کا اس کو مکروہ قرار دینا مولوی ملتانی کے قول کو باطل کر رہا ہے کہ مرد کے لیے سر ڈھانپنے کا حکم قرآن میں ہے کیونکہ فقہاء نے ایسا نہیں کہا، اگر کوئی اس کو بطریقہ قیاس قرآن سے ثابت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے تقلید چھوڑ دے اور مجتہد ہونے کا دعویٰ کرے کیونکہ مقلدین کو قیاس کی تمیز نہیں ہوتی اور نہ یہ ان کا منصب ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس بارے میں امام ابو حنیفہ سے کوئی قول ثابت نہیں ہے۔

(۲) رہی یہ بات کہ آیت کریمہ کا شان نزول کیا ہے؟ تو یہ بات جان لینی چاہئے کہ کسی بھی معتبر مفسر نے (خذوا زینتکم عند کل مسجد) سے ٹوپی یا عمامہ کا وجوب اخذ نہیں کیا ہے بلکہ تمام نے اس کا شان نزول یہی بتایا ہے کہ مشرکین مسجد حرام کا طواف ننگے بدن کیا کرتے تھے، اس سے روکنے کے لیے حکم آیا۔ یہاں تک کہ مشہور دیوبندی عالم محشی قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ آیت کریمہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ آیت کریمہ کا سیاق و سباق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، لہذا آیت کریمہ سے سر ڈھانپنے کا وجوب اخذ کرنا غلط ہے۔

اس مختصر بحث سے ثابت ہوا کہ قرآن سے سر ڈھانپنے کا وجوب ثابت کرنا محض دھاندلی ہے۔ مصافحہ کے باب میں بخاری کی دہائی دینے والے ملتانی صاحب نے اس آیت کریمہ کی تفسیر بخاری میں کیوں نہیں دیکھی؟ جس میں امام بخاری نے حضرت ابن عباس کی روایت جس کو امام مسلم نے نقل کیا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باب باندھا۔ باب وجوب الصلاة فی الثیاب وقول اللہ تعالیٰ:

”(خذوا زینتکم عند کل مسجد) ومن صلی ملتحفافی ثوب واحد“

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے:

(كانت المرأة تطوف بالبيت عريانة ، الحديث و فيه نزلت)

خذوا زینتکم عند کل مسجد

ابن حزم نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ خذوا زینتکم عند کل

مسجد (الخ میں مراد ستر العورة ہے۔ فتح الباری (۶۱۳/۱)

تنکے کا سہارا اور مولوی ملتانی

چونکہ احناف کے پاس نماز میں مرد کے لیے سر ڈھانپنے کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حدیث موجود نہیں ، لیکن ہاتھ کی صفائی کے ماہر حضرات کہاں چوکتے ہیں ۔ چنانچہ مولوی ملتانی لکھتے ہیں :

”مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک باب ہے ”باب من کان یسجد

علی کورالعمامة ولا یری به باسا“، ان لوگوں کے دلائل کا بیان

جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ،

اس باب میں آٹھ حدیثیں درج ہیں دوسرا باب ہے ”باب من کره

السجود علی کورالعمامة“ ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے

زودیک پگڑی کے بل پر سجدہ کرنا مکروہ ہے اس باب میں بارہ

احادیث ہیں صرف ان دو بابوں کی بیس حدیثوں کو ہی دیکھ لیں تو ان

سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت طریقہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا ہے۔“

(بارہ مسائل ص ۲۶)

ہم نے مولوی ملتانی کی پوری عبارت نقل کر دی ہے ، آپ ذرا اس کو ایک دو بار

پھر پڑھ لیں اور دیکھیں کہ اس میں کیا انہوں نے نماز میں مرد کے لیے ٹوپی یا عمامہ کے

وجوب پر کوئی دلیل دی ہے ، آپ کو سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ لیکن

مولوی ملتانی بچارے عام آدمی کو گمراہ کرنے کے لیے بیس اور بارہ کی رٹ لگا رہے ہیں ۔

جب کہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کے سر پر عمامہ ہو اور وہ عمامہ کے بیچ پر سجدہ کر لے تو درست ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں دونوں طرف لوگ گئے ہیں اور دونوں فریق اپنے اپنے موقف کو درست بتانے پر مصر ہیں۔ اس مسئلہ کا ”ٹوپی یا عمامہ کے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے“ اس سے کیا تعلق ہے؟ جو لوگ بغیر ٹوپی یا عمامہ کے نماز کو جائز کہتے ہیں ان کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ کی احادیث سے استدلال کرنا بچکانہ حرکت ہے جو علماء کی شان سے بہت دور ہے۔ کیونکہ جو بغیر ٹوپی یا عمامہ کے جواز کے قائل ہیں وہ یہ تو نہیں کہتے کہ عمامہ پہن کر نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اور جب وہ اس کے قائل نہیں تو مطلقاً عمامہ کے ثبوت سے ان کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنا محض جنون ہے۔

غرض یہ کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی جن احادیث کی طرف ملتانی صاحب اشارہ فرما رہے ہیں اس کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، جواز کے قائلین عمامہ یا ٹوپی کے منکر نہیں ہیں اس لیے محض عمامہ یا ٹوپی کا ثبوت ان کے دعویٰ کے خلاف نہیں۔

مولوی ملتانی صاحب کی ان بیس احادیث سے اگر کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ ہے عمامہ۔ اب مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت طریقہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا ہے تو بالکل غلط ہے اگر ان سے ثابت ہوتا ہے تو وہ ہے عمامہ پہن کر نماز پڑھنا، فلیندبر

مولوی ملتانی نے حدیث کا ذکر بالکل اسی طرح کیا ہے جیسے ڈوبنے والا تنکے کو سہارا سمجھتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں اس کے سہارے بچ جاؤں گا، لیکن تند و تیز دھار میں گرفتار شخص کو تنکا کہاں سہارا دے سکتا ہے۔ گویا ”خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا۔ جو سنا افسانہ تھا۔“

ننگے سر نماز پڑھنے کا ثبوت پہلی حدیث:

عن سهل : صلوا مع النبي صلى الله عليه وسلم عاقدي ازهرهم
على عواتقهم

ترجمہ: صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال
میں نماز پڑھی کہ انہوں نے اپنی لنگیاں اپنی گدیوں (کندھوں) پر
باندھ رکھی تھیں۔

باب عقد الازار على القفافي الصلاة، كتاب الصلاة

دوسری حدیث:

عن محمد بن المنكدر قال صلى جابر في ازار قد عقده من قبل
قفاه، و ثيابه موضوعة على المشجب، قال له قائل : تصلى في
ازار واحد؟ فقال: انما صنعت ذلك ليراني احمق مثلك، و اينا
كان له ثوبان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ: محمد بن المنکدر کہتے ہیں حضرت جابر نے ایک بار ایک ہی
ازار میں نماز پڑھی، اس کے سرے انہوں نے اپنی گدی پر باندھ
رکھے تھے، حالانکہ ان کے کپڑے اسٹینڈ پر رکھے ہوئے تھے، کسی
سائل نے ان سے سوال کیا کہ آپ ایک ہی ازار (لنگی) میں نماز
پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا میں نے اس لیے کیا
تاکہ تم جیسے ناواقف لوگ دیکھ لیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے۔

باب عقد الازار على القفافي الصلاة، حدیث نمبر ۳۵۲

تیسری حدیث:

رایت جابر بن عبد اللہ یصلی فی ثوب واحد وقال : رایت النبی
صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی ثوب ۔ عن محمد بن المنکدر
باب عقد الازار علی التقفا فی الصلاة ، ح نمبر ۳۵۳

ترجمہ: میں نے جابر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ایک کپڑے میں نماز پڑھتے
ہوئے اور انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ کو ایک کپڑے میں نماز
پڑھتے دیکھا ہے۔

چوتھی حدیث:

عن عمر بن ابی سلمة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی
ثوب واحد قد خالف بین طرفیہ۔
اسی معنی میں پانچویں چھٹی حدیثیں بھی اسی باب میں ہیں۔
باب الصلاة فی الثوب الواحد ملتقفا بہ۔ ح نمبر ۳۵۳-۳۵۶

ساتویں حدیث:

عن ابن النضر مولی عمر بن عبد اللہ ان ابامرة مولی [ام ہانی ء
بنت ابی طالب اخبرہ و فیہ۔۔۔ فلما فرغ من غسلہ قام فصلی
ثمانی رکعات ملتقفا فی ثوب واحد۔۔۔۔۔
باب الصلاة فی الثوب الواحد ملتقفا بہ۔ ح نمبر ۳۵۷

ابومرہ مولی ام ہانی بنت ابی طالب کہتے ہیں کہ ان کو ام ہانی نے خبر
دی، اس حدیث میں اگے یہ ہے ”جب آپ غسل سے فارغ ہوئے
تو ایک کپڑے میں لپٹ کر آپ نے آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔“

آٹھویں حدیث:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان سائلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلاة فی ثوب واحد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولکلکم ثوبان۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک سوال کرنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کیا ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟

(باب الصلاة فی الثوب الواحد ملخصاً ج نمبر ۳۵۸)

نوویں حدیث:

عن ابی ہریرۃؓ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ”لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه شیء۔“

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز اس طرح نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کچھ کپڑا نہ ہو۔

باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقه۔ ج نمبر ۳۵۹

دسویں حدیث:

عن عکرمہ قال سمعت ابا ہریرۃ رضی اللہ عنہ: اشہد انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من صلی فی ثوب واحد فلیخالف بین طرفیه۔

ترجمہ: عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

سادہ کہتے تھے : میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا : جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کو ازار کے دونوں کنارے مخالف سمت میں ڈال لینا چاہئے۔

باب اذا صلى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقه ح نمبر ۳۶۰

اس کے علاوہ ”باب اذا كان الثوب ضيقاً“ کے تحت حدیث نمبر ۳۶۱-۳۶۲ بھی دیکھئے جو ایک کپڑے میں نماز کے تعلق سے گذشتہ احادیث کے معنی میں ہے ہم اختصار کے سبب ان کو نقل نہیں کر رہے ہیں اسی طرح باب الصلاة في قميص والسر اويل و الثبان والقباء ح نمبر ۳۶۵ جس میں دو کپڑوں میں نماز کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ باب الصلاة بغیر رداء

عن محمد بن المنكدر قال دخلت على جابر بن عبد الله و هو يصلي في ثوب ملتحفاه وردائه موضوع فلما انصرف قلنا: يا ابا عبد الله تصلي وردائك موضوع؟ قال نعم احببت ان يراني الجاهل مثلكم رائت النبي يصلي هكذا۔

ترجمہ: محمد بن المنکدر کہتے ہیں : میں حضرت جابر بن عبد اللہ کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ ایک کپڑا لپیٹے نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ ان کی چادر رکھی ہوئی ہے ، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا ، اے ابو عبد اللہ ! آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ آپ کی چادر رکھی ہوئی ہے ۔ بولے ہاں میں چاہتا تھا کہ مجھے تم جیسے ناواقف لوگ دیکھیں ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵: باب الصلاۃ بغیر رداء ح نمبر ۳۷۰

عن محمد بن عبد الرحمن ، بن ابی بکر عن ابیہ قال : اَمَّنَا جابر
بن عبد اللہ فی قمیص لیس علیہ رداء فلما انصرف قال انی
رائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی قمیص۔

ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب فی الرجل یصلی فی قمیص۔ ح ۶۳۳

ان تمام احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ایک یا دو کپڑوں میں
نماز پڑھنا جائز اور درست ہے ایک کپڑے کی صورت میں اگر وسیع ہو تو گدی پر ٹکٹیا جیسے
بچوں کو باندھ دیا جاتا ہے باندھے اور اگر کپڑا چھوٹا اور تنگ ہو تو ایسی صورت میں اس کو
تہہ کی جگہ باندھ لے، نماز درست ہے۔

نویں حدیث میں اس بات کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اگر کندھے کا ڈھکنا
ممکن ہے تو اس کے ڈھکے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ
کرام اکثر ایک کپڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے، ان تمام احادیث میں کہیں بھی سر ڈھانکنے کا کوئی ذکر
نہیں ہے، یہی نہیں بلکہ ایسی کوئی حدیث ہی نہیں جو سر کے ڈھانکنے کو ضروری بتاتی ہو۔
ان ہی احادیث میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی احادیث بھی ہیں، دیکھیے نمبر ۱۴ اور ۲
ان احادیث میں اس قدر صراحت ہے کہ جو لوگ ان احادیث کے بارے میں جن میں
ایک اور دو کپڑوں میں نماز کا ذکر ہے، یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب
مسلمانوں کے پاس کپڑے نہیں تھے حضرت جابر نے ان لوگوں کی اس تاویل کو سرے
سے باطل کر دیا کہ دوسرا کپڑا رکھا ہوا ہے اور ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور
اس پر اعتراض کرنے والے کو ناواقف جاہل اور احمق بتا رہے ہیں۔

اب اس کے بعد اس بات میں کوئی دم نہیں رہ جاتا کہ ایک کپڑے میں یا دو

کپڑوں میں تب نماز جائز تھی جب تنگ دستی تھی کپڑے نہ تھے اب جائز نہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب کا فیصلہ

مصنف عبد الرزاق میں ہے:

عن الحسن ان ابی بن کعب : وعبد الله بن مسعود اختلافی الصلاة فی الثوب الواحد فقال ابی : لا بأس به ، قد صلی النبی صلی الله علیه و سلم فی الثوب الواحد ، فالصلاة فيه جائزة ، قال ابن مسعود انما كان ذلك اذا كان الناس لا يجدون الثياب و اما اذا وجدوها فالصلاة فی ثوبین ، فقام عمر رضی الله عنه علی المنبر فقال : القول ما قال ابی و لم یأل ابن مسعود۔

کنز العمال (۱۲۴/۳)

حسن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن کعب اور عبد اللہ بن مسعود کا ایک کپڑے میں نماز کے بارے میں آپس میں اختلاف ہوا ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: کوئی حرج نہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے تو نماز اس میں جائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا کہنا تھا کہ ایک کپڑے میں نماز اس وقت جائز تھی جب لوگوں کے پاس کپڑے نہ تھے اور اب جب لوگوں کے پاس کپڑے ہیں تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہئے۔ یہ سن کر حضرت عمر بن الخطاب منبر پر تشریف لے گئے اور یوں فیصلہ سنایا۔

بات ابی بن کعب کی ہی درست ہے اگرچہ ابن مسعود نے بھی مسئلہ کی تحقیق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

مصنف عبد الرزاق ، فتح الباری (۶۳۷/۱)

یہ فیصلہ فاروقی ہے ان تمام صحابہ کرام کے نزدیک اگر سر کا ڈھانپنا ضروری ہوتا یا بغیر سر ڈھانپنے نماز مکروہ ہوتی تو اس کا ذکر ضرور کرتے کہ ضرورت کے وقت سکوت درست نہیں۔

جو لوگ یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی بات تب تھی جب کپڑے نہ تھے اب ہیں تو ٹوپی بھی ضروری ہے تو ان سے درخواست ہے کہ وہ ذرا یہ سمجھادیں کہ کپڑے کی کیا اس قدر قلت تھی کہ دوپہلی ٹوپی بھی نہ بن سکے۔ یہ کہنا بھی بے جا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز کی صورت میں سر بھی ڈھانپا جاتا تھا، کیونکہ حدیث میں ایک کپڑے میں نماز کی دو کیفیتیں ذکر کی گئی ہیں، کسی میں بھی سر کا ذکر نہیں ہے، محض امکان سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی اس کے لیے وضاحت ضروری ہے۔

حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے کپڑا وسیع اور کشادہ ہونے کی صورت میں کندھا ڈھکنے کا حکم دیا لیکن سر ڈھکنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر سر ڈھانکنا ضروری ہوتا تو اس کا بھی ذکر ہوتا۔

ہاں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ سر ڈھانکنا افضل ہے، کیونکہ حضرت عمر نے صحابہ کرام کی موجودگی میں یہ فیصلہ سنایا، لیکن افضل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو افضل پر عمل نہ کرے اس پر آپ لعن طعن کریں یا فتوے بازی کریں اس کی نماز مکروہ بتائیں۔

ہم نے فیصلہ فاروقی کے علاوہ جتنی بھی احادیث نقل کی ہیں بخاری کی ہیں کتب ستہ میں اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جو صراحت سے یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ سر ڈھانکے بغیر نماز درست ہے، اور جو لوگ اسکے برخلاف کہہ رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، سوائے فقہاء احناف کے وہ چند اقوال جو بلا دلیل ہیں۔

فقہاء احناف اور ننگے سر نماز

آپ نے فقہاء احناف کا وہ قول تو دیکھ لیا جو مولوی ملتانی نے لکھا ہے کہ نماز

ننگے سر پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن آپ کو تعجب ہو گا یہ فقہاء حضرات ہیں جو مرد کے ننگے سر نماز پڑھنے پر اس قدر برہم ہیں کہ اس کی نماز کو مکروہ تحریمی تک بتاتے ہیں لوٹانے کی بات کرتے ہیں، لیکن یہی فقہاء مسلمان لوٹڈی کے لیے ننگے سر نماز بلا عذر بھی جائز بتاتے ہیں، چنانچہ صاحب رد المحتار تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہیں۔

”لو صلت الامة و راسها مكشوفة حازت بالاتفاق“ رد المحتار (۴۰۵/۱)

یہ لیجئے صاحب، مرد جس کا سر ستر میں شامل نہیں ہے اس کی نماز ننگے سر درست نہیں، لیکن عورت کی نماز جب کہ وہ سر اپا عورت ہے ننگے سر نماز دھڑلے سے جائز ہے۔ مولوی ملتانی کی پارٹی ذرا اس کے لیے بھی کوئی حدیث تلاش کرے، بڑی مہربانی ہوگی، ہمیں امید ہے کہ جس طرح یہ لوگ مرد کی نماز بلا عذر ننگے سر مکروہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے ایسے ہی لوٹڈی کے بارے میں بھی کوئی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے، اس کے باوجود فقہاء احناف نے تذلل و خشوع کے لیے ننگے سر نماز پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے، چنانچہ رد المحتار (۶۴۱/۱) میں ہے:

”ولا باس به للتذلل“

یعنی ننگے سر نماز خشوع و تذلل کے لیے درست ہے کوئی حرج نہیں۔

علامہ حلی شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

ولا باس به اذا فعله تذللا و خشوعا۔

یعنی عاجزی اور خشوع کے لیے ننگے سر پڑھے تو نماز درست ہے۔

یہی بات دیگر کتب فقہ احناف میں مذکور ہے۔

کیا آپ کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مولوی ملتانی حدیث کی بات میں کتر بیونت تو کرتے ہی ہیں لیکن اپنی فقہی بات بھی پوری نہیں بتاتے۔

جب کتب احناف میں عاجزی کے لیے ننگے سر نماز پڑھنا اچھا لکھا ہے جیسا کہ

ابن عابدین شامی نے کہا، تو آخر اس پر عمل یہ آج کل کے احناف کیوں نہیں کرتے اور ننگے سر نماز پڑھنے والوں کے پیچھے بلا دلیل لٹھ لیے کیوں پھر رہے ہیں؟
 حدیث دشمنی اور اماموں کی باتوں کو رسول اللہ کی بات پر ترجیح دینے کا نظارہ کرنا ہو تو اس مسئلہ میں گزری ہوئی حدیث جس کو ہم نے نویں حدیث کے تحت ذکر کیا ہے۔ جس میں رسول اکرم کا فرمان ہے کہ کندھے ڈھانکے بغیر کوئی شخص نماز نہ پڑھے اس کے مقابلہ میں فقہاء احناف کی جرات دیکھیں صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں۔

هو شرط عنده فى صلاة الفرض لرواية الصحيحين ولا يصلى
 الرجل فى الثوب الواحد ليس على عاتقه منه شئى۔ وعندنا
 ستر المنكبين مستحب۔ ردالمحتار (۴۰۴/۱)

یعنی فرض نماز میں کندھوں کا ڈھانکنا امام احمد کے نزدیک شرط ہے کیونکہ بخاری مسلم میں روایت موجود ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر اس کپڑے کا کچھ حصہ نہ ہو۔ لیکن کندھوں کا ڈھانکنا ہمارے (احناف کے) نزدیک صرف مستحب ہے۔

دیکھا آپ نے کندھوں کے ڈھکنے کو حدیث میں ضروری اور واجب قرار دیا گیا ہے تو اس کو صرف مستحب قرار دیا گیا، یعنی کرے گا تو اچھا ہے اور جس کے بارے میں حدیث میں کوئی حکم نہیں یعنی سر ڈھانکنا تو اس کو لازم و ضروری قرار دے دیا کہ اگر بلا عذر نہیں ڈھکے گا تو نماز لوٹانی پڑے گی۔

فيا للعجب و ضيعة الادب

کیسی امت ہے کہ فرمان نبی سن کے کہے
 میں تو حنفی ہوں نامانوں کا یہ فرمان حدیث

نماز میں ٹانگیں چوڑی کرنا

ناظرین کرام! فقہ و فتاویٰ وحدیث کی کتابوں میں جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ ہے صف بندی کا، صفوں کو درست کرنے کا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کی درستگی کا حکم دیا ہے اس کا طریقہ بتایا ہے اس میں بے احتیاطی کو وبال بتایا ہے، صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا جو مطلب سمجھا وہ بھی یہی ہے، ٹانگیں چوڑی کرنے کا نہ کوئی مسئلہ ہے اور نہ کوئی اس کو زیر بحث لاتا ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کہ دو ٹانگوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو شریعت میں اس بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے، اسی لیے آج تک کوئی دیوبندی اس کو کسی حدیث سے ثابت نہیں کر سکا اور نہ آئندہ ثابت کر سکتا ہے۔ مولوی ملتانی صاحب اینڈ پارٹی کے یہاں صف بندی کا کوئی اہتمام نہیں ہے اور وہ سراسر حدیث کے خلاف صفیں لگاتے ہیں، اور جب اس پر اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ اس اعتراض کا معقول جواب نہ دیکر اس کو بھونڈے طریقہ سے ٹالنا چاہتے ہیں اور اس کا رخ بدل دیتے ہیں، اس کا نام ٹانگیں چوڑی کرنا رکھتے ہیں تاکہ حدیث و اہل حدیث کے ساتھ محول کر سکیں اور اپنی کوتاہی کو چھپالے جائیں، اور صف بندی کے طریقہ کو بتانے یا ثابت کرنے کے بجائے اس بحث میں الجھادیتے ہیں کہ دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو۔ اور یہ صورت حال اس لیے پیدا ہوئی کیونکہ وہ اپنے موقف کی کمزوری جانتے ہیں اور فی الوقت جو طریقہ الگ الگ کھڑے ہونے کا چھوا چھوت والوں کی طرح انہوں نے جاری کر رکھا ہے وہ سراسر حدیث کے خلاف ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل بھی نہیں۔

اصل سوال کیا ہے؟

اصل سوال یہ نہیں کہ دو پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو، اصل سوال یہ ہے کہ ایک مقتدی دوسرے مقتدی سے کتنے فاصلے پر کھڑا ہو دو مصلیوں (نمازیوں) کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ اس کا جواب درکار ہے، اور چونکہ اس وقت تمام دیوبندی مساجد میں نمازی نہ پیر ملاتے ہیں اور ناکندھے ناخننے اور ناگھٹنے، بلکہ ایک دوسرے سے الگ کافی فاصلہ پر کھڑے ہوتے ہیں، جس صف میں سو آدمی آسکتے ہیں اس میں صرف ۹۰ نوے آدمی ہی کھڑے ہوتے ہیں، اس سے بھی مضحکہ خیز صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب کسی دیوبندی کے برابر میں کوئی اہلحدیث اس کے پیر سے پیر ملاتا ہے۔ یہ ملاتا ہے وہ پیر کھینچ لیتا ہے، کبھی کبھی تو یہ صورت حال پیدا ہوتی ہے کہ دیوبندی کے دونوں پیر مل جاتے ہیں اور وہ اپنے وجود کو کھڑا رکھنے میں دشواری محسوس کرتا ہے ایسے میں اس پر جو جھنجھلاہٹ سوار ہوتی ہے اس سے نہ صرف اس کی نماز خراب ہوتی ہے بلکہ نماز کے بعد وہ لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور جب نماز کے بعد اس سے کہا جاتا ہے کہ پیر کیوں نہیں ملاتے؟ تو وہ کہتا ہے ہم نے اپنے مولویوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔

ایک جگہ عجیب صورت حال پیش آئی ایک مسجد میں ایک دیوبندی کے پاس ایک اہلحدیث کھڑا ہو گیا یہ پیر ملائے اور وہ سرکائے، یہ ملائے وہ سرکائے، نتیجہ یہ ہوا کہ جب اس دیوبندی کے دونوں پیر آپس میں مل گئے تو نماز ہی میں بول پڑا: پیر ہٹا اس نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے پھر اس کو کہا: پیر ہٹا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ بولنے لگا تو وہ بھی چپ نہ رہ سکا بولا: پیر تو نہیں ہٹے گا۔

میرے ایک مدنی ساتھی مولانا احمد مجتبیٰ مدنی صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبوی میں ایک حنفی مصلیٰ سے اپنا پیر ملانے لگے، ایک بار ملایا، اس نے ہٹا لیا، دوسری بار ملایا تو اس نے کہا: یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: یہی سنت ہے اتنا سننا تھا کہ وہ حنفی مصلیٰ یہ کہتے ہوئے کہ میں تیرے پاس نہیں کھڑا ہوں گا، کچھیلی صف میں چلا گیا۔

غرض یہ کہ اونچ نیچ غریب امیر غلام و آقا کی تمیز قائم رکھنے کے لئے ان مقلدوں نے اپنے زمانہ حکومت میں حدیث کے خلاف یہ صورت ایجاد کی ہے جو اسلام کے نظام مساوات کے بھی خلاف ہے اور تمیز بندہ و آقا کے ہندوانہ طرز فکر کا حامل ہے۔ ایک نمازی کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا:

”کیوں بھائی مجھ سے پیر ملانے میں آپ کو اعتراض کیوں ہے؟ کیا میری کالی چڑی سے مل کر آپ کی گوری چڑی میلی ہو جائے گی یا میری غربت آپ کو لگ جائے گی اور آپ کی امارت ماند پڑ جائے گی؟ یہ سن کر دیوبندی نمازی جو بہت غصہ میں تھا ٹھنڈا ہو گیا اور بولا: یہ مسئلہ ہے، پیر ملانا نہیں چاہئے۔“

ایسا کیوں؟

دیوبندی نمازی اپنے ساتھی نمازی سے پیر ملاتے بدکتے کیوں ہیں اور اپنے ساتھی کے ساتھ فاصلہ بنا کر کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ ایسا مسئلہ تو ہے ہی نہیں کہ نمازی کے اپنے دونوں پیروں کے درمیان اتنا اتنا فاصلہ ہونا چاہئے۔ اب جب کہ مولوی ملتانی نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ نمازی اس طرح صف بندی کریں کہ درمیان میں جگہ خالی نہ رہے۔ (بارہ مسائل، ص ۴۹) تو امید رکھنی چاہئے کہ اس طریقہ میں جو دیوبندیوں نے شروع کر رکھا ہے ضرور اصلاح ہوگی اور منوادی فکر کے حامل اس طریقہ سے جس پر دیوبندی مساجد میں عمل جاری ہے یہ لوگ باز آئیں گے۔

مولوی ملتانی کا مطالبہ

اب اس تمہید کے بعد آئیے مولوی ملتانی کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کو پورا کیا جائے اور پھر ان کی فضولیات و مغالطات کا جواب دیا جائے، مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین حضرات اپنے دعویٰ کے مطابق حدیث میں تاویل کیے بغیر

حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث کے مطابق ٹخنہ سے ٹخنہ گھٹنے سے گھٹنے،

کندھا سے کندھا ملا کر نماز شروع کر دیں۔“ (بارہ مسائل، ص ۳۲)

جواب: اللہ کا شکر ہے اہلحدیث کے یہاں حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث پر نیز اس بارے میں احادیث کی روشنی میں عمل جاری ہے اگر کوئی اہلحدیث اس میں سستی کرتا ہے تو وہ مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کی غلط روش کا نتیجہ ہوگا، قولا وہ حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث کو بلا تاویل مانتا ہے، برخلاف دیوبندیوں کے کہ یہ لوگ اس کی تاویل بیجا کرتے اور اس پر عمل نہ عملاً کرتے ہیں اور نہ قولا ہی اس کو درست مانتے ہیں اور اس طرح بخاری شریف کے خلاف اور صحابہ کرام کے عمل اور ان کی فہم کے خلاف کاربند ہیں بلکہ صحابہ کرام کے عمل اور ان کی فہم کا مذاق اڑاتے ہیں۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”اہل حدیث اپنا موجودہ عمل کہ کھڑے ہو کر پاؤں کو پاؤں سے ملانا

اور ٹخنہ سے ٹخنہ، گھٹنے سے گھٹنے، کندھے سے کندھا دور رکھنا، کسی

قوی یا فعلی صحیح صریح مرفوع متصل حدیث میں دکھادیں اور اس کی

صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم

ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“

جواب: مولوی ملتانی اینڈ پارٹی انڈیا نے یہ غلط فہمی دور کرے کہ اہلحدیث کندھے سے کندھا

دور رکھتے ہیں، اہلحدیث جس طرح پیر سے پیر ملاتے ہیں ویسے ہی کندھے سے

کندھا بھی ملاتے ہیں اور اس کو ضروری خیال کرتے ہیں تو جو چیز وہ مانتے ہیں

اس کے خلاف ان سے دلیل کا مطالبہ کرنا عقلمندی نہیں بلکہ شدید قسم کی ناواقفیت

اور نادانی ہے۔

ہم اپنے موقف پر صحیح مرفوع روایت پیش کرتے ہیں، مولوی ملتانی اپنی غلط فہمی

دور کر کے ہماری دلیل دیکھ کر اپنا وعدہ پورا کرے۔

پہلی حدیث: عن انس رضی اللہ عنہ قال: ”اقیمت الصلاة، فاقبل علينا رسول الله

بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ فقال: اقيموا صفوفكم و تراصوا، فإني أراكم من وراء ظهري۔“

حضرت انس سے روایت ہے کہتے ہیں: نماز کے لیے اقامت کہی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور فرمایا: صفیں سیدھی کرو مل کر کھڑے ہو، میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

بخاری کتاب الاذان، باب اقبال الامام علی الناس عند تسوية الصفوف ح ۷۱۹
دوسری حدیث: عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اقيموا صفوفكم فإني أراكم من وراء ظهري وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحب۔ وقدمه بقدمه۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں درست کرو کیونکہ میں تم کو پیٹھ پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، اور ہم جماعت صحابہ اپنے ساتھی نمازی کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا تے تھے۔

بخاری کتاب الاذان، باب الزايق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف۔ (ح. ۷۴۵)
تیسری حدیث: عن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تصفون كما تصف الملائكة عند ربهم حل وعز؟ قلنا: وكيف تصف الملائكة عند ربهم؟ قال: يتمون الصفوف المقلمة و تراصون في الصف۔
جابر بن سمرة رضى الله عنه إن کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بندی کرتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا فرشتے کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: پہلے اگلی صف پوری کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

ابو داؤد کتاب الصلاة باب تفریع ابواب الصفوف۔ ح ۲۶۱

مسلم کتاب الصلاة - ۴۳۰ - نسائی کتاب الامامة ۸۱۶، ابن ماجہ!

چوتھی حدیث: عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ قال: اقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بايدي اخوانكم۔ ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔“

ابوداؤد کتاب الصلاة تفريع ابواب الصفوف ح ۶۶۶ ونسائی۔ مسند

أحمد، ابن خزيمة والحاكم۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفیں درست کرو، کندھوں کو برابر رکھو، خالی جگہوں کو بند کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ۔ شیطان کے لیے صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو، جو صف کو ملائے گا اللہ اس کو ملائے گا اور جو صف کو کاٹے گا اللہ اس کو کاٹے گا۔

ان چار احادیث میں تین باتیں بہت صراحت سے بیان ہوئی ہیں: صف بندی کی فضیلت، صف بندی میں کوتاہی پر وعید، اور درمیانی کشادگی کو پر کرنے کا حکم۔

تین اور باتیں بھی ان احادیث میں بیان ہوئی ہیں:

(۱) صف بندی میں پیر سے پیر مونڈھے سے مونڈھا ٹخنے سے ٹخنہ اور گھٹنے سے گھٹنہ ملانا
(۲) دو نمازیوں کے درمیان جگہ خالی نہ چھوڑنا

(۳) صحابہ کرام کا عمل صف بندی میں پیر سے پیر مونڈھے سے مونڈھا ملانے کا تھا، جس کا مطلب ہے کہ صف بندی کا معنی صحابہ کرام نے یہی سمجھا تھا، اب اگر کوئی اس کے خلاف بیان کرتا ہے تو صحابہ کرام کے عمل کے خلاف کرتا ہے، ان کی فہم وفقہ کو عیب لگاتا ہے۔ صحابہ کرام کو غلط کار بتاتا ہے اور وہ صحابہ کرام کی جماعت سے جدا طرز عمل اختیار کرنے والا ٹھہرتا ہے، والعیاذ باللہ۔

ان احادیث میں اچھی طرح سے مولوی ملتانی کا مطالبہ پورا ہو رہا ہے، ساتھ ہی

یہ احادیث صحیح ہیں اور ان احادیث کی صحت میں شک کرنا بدعتیوں کا کام ہے کہ امت کا اجماع ہے بخاری کی احادیث صحیح ہیں، نیز چوتھی اور تیسری حدیث بھی صحیح ہے۔

صحابی رسول نے صفوں کی درستگی میں کوتاہی پر نکیر کی

حضرت بشیر بن یسار انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک بار حضرت انس رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے، لوگوں نے ان سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج کون سی چیز کو نیا، پارہے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں، کہنے لگے: ویسے تو کوئی نئی بات نہیں پاتا سوائے اس کے کہ تم لوگ صفیں درست نہیں کرتے۔

یہ حدیث بخاری باب اثم من لم يتم الصفوف، کتاب الاذان ح ۲۴ میں موجود ہے۔ یہ حدیث حضرت انس کی اس حدیث کے ساتھ ملا کر دیکھیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ”اقیموا صفوفکم“ کے بعد صحابہ کرام نے اس پر عمل کرتے ہوئے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا شروع کر دیا، گویا کہ انہوں نے اقامتہ صف کا مطلب پیر سے پیر موٹا ہونے سے موٹا ہونا سمجھا، آج جو لوگ اس کے خلاف کہہ رہے ہیں وہ صحابہ کرام کے خلاف چل رہے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کر رہے ہیں۔

اب اس کے بعد مولوی ملتانی کی فضولیات کی طرف آتے ہیں۔
مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”قیام رکوع اور سجود کی حالت میں پاؤں ایک جگہ جمے رہیں۔“

بارہ مسائل ص ۲۹

جواب: اس کی دلیل درکار ہے۔

لکھتے ہیں: ”اور تکبرانہ انداز بھی معلوم نہ ہو۔“ بارہ مسائل ص ۲۹

جواب: یہ صریحا حدیث کی مخالفت ہے اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ کو متکبرانہ کہنا

سنت رسول کا مذاق اڑانا ہے اس صورت کا تکبر سے کچھ لینا دینا نہیں۔
مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

۱۔ ”اصل مقصود یہ ہے کہ صفیں سیدھی ہوں اور نمازی اس طرح صف بندی کریں کہ درمیان میں جگہ خالی نہ رہے۔“ بارہ مسائل ص ۲۹
لیکن افسوس آج کسی دیوبندی مسجد میں اس پر عمل نہیں ہے، بلکہ ہر نمازی دوسرے نمازی سے فاصلہ پر کھڑا ہوتا ہے، جو قابل افسوس ہے۔
لکھتے ہیں:

۲۔ ٹخنے سے مراد قدم ہے یعنی پاؤں کو پاؤں کے ساتھ ملانا کیونکہ ٹخنہ سے ٹخنہ تب مل سکتا ہے کہ دونوں پاؤں کو باہر کی جانب ٹیڑھا کیا جائے۔ لیکن اس طرح نماز میں کھڑا ہونا مشکل ہے، لہذا ٹخنہ سے مراد قدم ہے“ (بارہ مسائل، ص ۲۹)

جواب: ملتانی کا یہ کہنا کہ ٹخنہ سے ٹخنہ تب مل سکتا ہے کہ دونوں پاؤں کو باہر کی جانب ٹیڑھا کیا جائے۔ بالکل خلاف واقعہ اور بوجس ہے، الحمد للہ مساجد میں ٹخنہ سے ٹخنہ ملایا جاتا ہے مگر وہ صورت نہیں ہوتی جو ملتانی کہہ رہے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ پاؤں کی بناوٹ الگ الگ ہوتی ہے، اگر ایک کا پنجہ چوڑا دوسرے کا سپاٹ اور لمبا ہوگا تو دشواری ہوگی تو ایسی صورت میں قدم سے قدم ملانا کافی ہوگا جیسا کہ حضرت انس کی حدیث میں ہے، ہاں اگر ٹخنہ سے ٹخنہ ملانا ممکن ہو اور پیر کو ٹیڑھا نہ کرنا پڑے تو ٹخنہ سے ٹخنہ ملانا ضروری ہے کہ یہی اصل حکم ہے۔
مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

۳۔ پاؤں وغیرہ کو حقیقتاً پاؤں سے ملانا مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ہے قریب قریب کرنا..... الخ۔ (بارہ مسائل، ص ۲۹)

جواب: یہ حدیث کو چھوڑ کر تقلید اعمیٰ کی گود میں پناہ لینے والی بات ہے۔

جب حدیث میں صاف قدم سے قدم مونڈھے سے مونڈھا ملانے کا حکم ہے اور صحابہ کرام نے اس سے جو سمجھا وہ بھی ملانا ہی سمجھا، یہاں تک کہ ٹخنہ سے ٹخنہ تک ان لوگوں نے ملایا، تو صحابہ کرام نے جو معنی سمجھا اس کے خلاف معنی بتلانا شیطانی وسوسہ سے کم نہیں ہے اور رسول کی بات کے مقابلہ میں امام کی بات کو اہمیت دینا ہے۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”گھٹنا گھٹنے سے کسی صورت میں نہیں مل سکتا، اور جب پاؤں ملانے کے لیے نانگیں چوڑی کریں گے تو کندھوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو جائے گا“ الخ۔

جواب: یہ اور اس کے بعد جو کچھ مولوی ملتانی نے لکھا ہے محض حدیث پر عمل نہ کرنے کے بہانے تراشنے کے لیے ہے، ورنہ اگر وہ کسی اہلحدیث مسجد میں جائیں اور دیکھیں کہ احادیث میں جو کچھ کہا ہے اس پر اور صحابہ کرام جو کچھ بیان کر رہے ہیں اس پر عمل کرنا کیسے ممکن ہے اور کس قدر آسان ہے۔ اور خفیوں کا نفس امارہ کس طرح ہوائی دشواریاں تراش کر حدیث پر عمل کرنے سے باز رکھتا ہے۔

غیر مقلدین اپنی نماز درست کریں

اہلحدیث الحمد للہ اپنی نمازوں کی بہت فکر رکھتے ہیں اگر کچھ کوتاہی پائی جاتی ہے تو اس کو درست کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن افسوس مندرجہ بالا عنوان کے تحت مولوی ملتانی نے جو کچھ لکھا ہے،

اولا: وہ دلیل سے عاری ہے۔

ثانیا: حقیقت واقعہ کے خلاف۔

ثالثا: تاویل بے جا ہے اور جو معنی حدیث کا متعین کیا ہے وہ حقیقت کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا ہے جبکہ اس پر کوئی قرینہ بھی موجود نہیں، اور جب تک لفظ کے حقیقی

معنی پر عمل ممکن ہو تو مجازی معنی مراد لینا غلط ہے، علماء اصول کی تصریحات کتب اصول میں ملاحظہ کر لیں۔

رابعاً: جب حدیث میں اُقیموا، رصوا، سووا، کے ساتھ ساتھ ”سدود الخلل، اور لاتذروا فرجات للشیطان“ بھی وارد ہو تو اس کا معنی جب کہ صحابہ نے مل کر کھڑا ہونا ہی سمجھا ہو الگ الگ اور فاصلہ سے کھڑا ہونا نہ سمجھے گا، مگر معاند، مکابر، متعصب اور منکر حدیث اور مقلد اعمیٰ۔ کیونکہ حدیث کا معنی و مطلب صاف ہے، کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں، رہے وہ شکوک جو ان احادیث پر عمل کرنے سے روکنے کے لیے مولوی ملتانی نے تراشے ہیں تو اس کے باطل ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ آج بھی مساجد الہمدیث میں اس پر عمل ہو رہا ہے اور وہ صورت پیدا نہیں ہوتی جس کا اندیشہ مولوی ملتانی پیدا کر رہے ہیں۔

غیر مقلد علماء کے فتاوے

اپنی عادت بد سے مجبور ہو کر اس عنوان کے تحت حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی رحمہ اللہ کا ناقص اور ادھورا فتویٰ نقل کیا ہے، جبکہ ان کا فتویٰ فتاویٰ الہمدیث جلد اول ص ۶۱۵ میں موجود ہے، اور سارا فتویٰ مولوی ملتانی کے مدعا کے خلاف ہے، لیکن پتہ نہیں مولوی ملتانی نے اس کو کیوں استعمال کیا ہے، اگر محدث روپڑی کا فتویٰ ان کے نزدیک درست ہے تو اعلان کریں اور اپنے دعویٰ سے دست بردار ہوں۔

غرض کہ مولوی ملتانی کا مطالبہ ہم نے پورا کر دیا ہے اور جو غلط فہمی ان کو تھی اس کو بھی دور کر دیا گیا ہے۔ فالحمد لله علی ذالک۔

نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا

نماز شروع کرنے سے قبل ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ اس بارے میں احادیث مختلف ہیں، اور چونکہ یہ ساری احادیث مرفوع متصل اور صریح ہیں بنا بریں علماء حدیث نے ان کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل بھی کیا ہے اور ان میں سے کسی ایک صورت کو ضروری قرار نہیں دیا۔

مولوی ملتانی کی غلط بیانی

مولوی ملتانی نے یہ لکھ کر صریح غلط بیانی کی ہے کہ:

”غیر مقلدین ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے ہیں۔“ بارہ مسائل ص ۳۲

کیونکہ الہدایت کا مسلک اس بارے میں وسعت پر مبنی ہے اور احادیث میں بیان کی گئی تمام صورتوں کو وہ درست اور صحیح جانتے ہیں، اور جیسا کہ باہم مختلف صحیح احادیث میں ان کا رویہ ان کے درمیان تطبیق کا رہتا ہے اس مسئلہ میں بھی وہ تمام صورتوں کو درست مانتے ہوئے ایسی صورت اختیار کرنا کہ تمام روایات پر عمل ہو جائے اس کو بہتر خیال کرتے ہیں، اسی لیے ان کی اکثریت کا عمل اسی پر ہے۔

اس کے برخلاف احناف اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور تقلیدی روش کے مطابق اکثر متعدد جائز صورتوں میں صرف ایک صورت کو درست مانتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اکہری اور دوہری تکبیر کی احادیث کے بارے میں روایہ اپنایا ہے، اور ترجیع اور غیر ترجیع کی احادیث کے بارے میں ان کی روش ہے۔ علماء محدثین نے اپنی شروحات میں الہدایت

کے موقف کی وضاحت اچھی طرح کر دی ہے تفصیل کے لیے، تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی، عون المعبود، التعليقات السلفیہ، اور مرعاة المفاتیح دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مولوی ملتانی نے الحمدیث کی طرف غلط قول منسوب کیا ہے اور من مانے ڈھنگ سے بلا حوالہ ان کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے جو حقیقت کے خلاف ہے۔

مولوی ملتانی کی حق پوشی

قارئین کو تعجب ہوگا کہ مولوی ملتانی نے جو احادیث نقل کی ہیں ان احادیث میں رفع الیدین عند الركوع وعند رفع الرأس من الركوع کا بھی ذکر ہے مگر مولوی ملتانی نے اس کا ذکر نہیں کیا، آخر کیوں صرف اس لیے کہ ان کے مذہب کی پول کھل جائے گی اور رفع الیدین کی مخالفت پر ان کو کیونکر جرأت ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مولوی ملتانی حق پوشی کے جرم کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی تطبیق کی حقیقت

مولوی ملتانی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں متعدد اور باہم مختلف احادیث کے درمیان امام صاحب نے تطبیق دی ہے اور اس طرح عمل کرنے کا حکم دیا ہے کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔ حالانکہ حقیقت اس سے کوسوں دور ہے۔

اولاً: اس لیے کہ احناف کا عمل تطبیق پر نہیں بلکہ صرف ایک صورت پر ہے یعنی کانوں تک ہاتھ اٹھانے پر، ان کی اکثریت ہاتھ اس طرح اٹھاتی ہے کہ انگوٹھے کان کی لو کے پیچھے لگاتے ہیں تھوڑا سا اچکتے ہیں اور ہاتھ جھاڑ کر مبالغے کے ساتھ زیر ناف باندھ لیتے ہیں بلکہ پہونچا پکڑ کر بے نیازی سے چھوڑ دیتے ہیں۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولوی ملتانی کا بیان حقیقت واقعہ کے خلاف ہے۔

تایید: ہمارا مطالبہ ہے کہ مولوی ملتانی نے جو بات امام صاحب کے تعلق سے لکھی ہے کہ ”امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنی فقہیت اور اجتہادی رائے سے ان مختلف روایات کے درمیان تطبیق یوں دی کہ نمازی شروع کرتے وقت ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں تاکہ بیک وقت سب روایات پر عمل ہو جائے باقی سینہ تک ہاتھ اٹھانے کی روایات عذر و مجبوری پر محمول ہے۔“ بارہ مسائل ص ۳۴

مذکورہ بالا تطبیق امام صاحب نے اپنی کس کتاب میں دی ہے، اگر اپنی کسی کتاب میں نہیں دی ہے تو کس کتاب میں موجود ہے اور کس نے اس کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ملتانی صاحب کی یہ محض من گھڑنت تاویل ہے اور امام صاحب کی فقہیت کی بے بنیاد عمارت سازی ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ امام صاحب سے اس کو سند صحیح ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے۔

ایک اور بات:

قارئین کو یاد ہوگا، پیر ملانے کے سلسلہ میں مولوی ملتانی نے کیسے کیسے استحالے تراشے تھے لیکن یہاں چونکہ یہ تطبیق امام صاحب کی طرف منسوب کردی اس لیے یہاں کوئی استحالہ نظر نہیں آیا۔ حالانکہ جب ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں تو کیا انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر آسکتے ہیں؟ اور کیا اس صورت میں انگلیاں کانوں کے اوپر والے کناروں کے برابر ہو سکتی ہیں؟

اور اگر آدمی لمبی گردن والا ہو تو کیا یہ ممکن ہے؟ ظاہر ہے ممکن نہیں ہے، لیکن یہاں چونکہ یہ تطبیق و تاویل امام صاحب کی طرف منسوب تھی تو اس میں فقہیت بھی ان کو نظر آتی ہے اور اس میں کوئی استحالہ بھی نظر نہیں آتا اور ان کی عقل اس میں کوئی غلطی بھی محسوس نہیں کرتی اور وہاں پیر ملانے ٹخنے ملانے کی بات صحابہ کرام اور رسول اکرم کی تھی

اس لیے ان کو اس میں خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی تھیں، یہ ہے دیوبندیوں کی محبت رسول، عظمت صحابہ، اور حدیثِ نبوی۔

حضرت وائل بن حجر کی روایت اور مولوی ملتانی

حضرت وائل بن حجر کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کی تو کانوں کے برابر ہاتھ اٹھائے پھر میں دوبارہ آیا تو میں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ نماز کے شروع میں اپنے سینوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ان پر ٹوپیاں اور چادریں ہیں۔“ بارہ مسائل ص ۳۴

اس کے متعلق مولوی ملتانی فرماتے ہیں

”سینہ تک ہاتھ اٹھانے کی روایت عذر و مجبوری پر محمول ہے۔ جیسا کہ یہ جملہ کہ ان پر ٹوپیاں اور چادریں تھیں اسی عذر کی نشان دہی کر رہا ہے کہ سردی کا موسم تھا چادریں لپٹی ہوئی تھیں اسی عذر سے چادروں کے اندر ہی سینے تک ہاتھ اٹھائے۔“ بارہ مسائل ص ۳۴

مولوی ملتانی کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے عذر و مجبوری کی وجہ سے صرف سینہ تک ہاتھ اٹھائے، دو سوال پیدا کرتا ہے۔ کیا جاڑے کا موسم ہونا عذر شرعی ہے جس کی وجہ سے حکم شرعی کو بدلنے کی اجازت صحابہ کرام کو مل گئی؟

دوسرا یہ کہ مجبوری کیا تھی کیا چادر لپیٹ لینا مجبوری ہے؟ کیا صحابہ کرام جاڑے کی وجہ سے از خود ایسی چادر اوڑھ لیتے تھے جس سے ان کے ہاتھ کندھوں تک یا کانوں تک نہیں اٹھ سکتے تھے؟ کیا صحابہ کرام اس قدر سہل پسندی کا شکار تھے؟ کیا یہ صحابہ کرام کی عزیمت والی شخصیت کے مطابق یہ صورت ہے؛ ظاہر ہے کہ مولوی ملتانی کی تاویل محض غلط ہے؛ شریعت میں جس طرح مذکورہ بالا دونوں صورتیں درست ہیں، ویسے ہی یہ صورت بھی

درست ہے، اس کا انکار کرنا عذر و مجبوری کی بات تراشنا غلط ہے اور صحابہ کرام پر اتہام ہے۔ حضرت وائل بن حجر کی اس روایت سے مولوی ملتانی کو اگر کشید کرنا تھا تو یہ کشید کرتے کہ پہلی دونوں صورتیں منسوخ ہو گئیں کیونکہ حضرت وائل رسول اکرم ﷺ کے آخری وقت میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور یہ حاضری دوسری بار کی تھی۔ لہذا سینہ تک ہاتھ اٹھانا آخری عمل ہوا، جو اس بات کا قرینہ ہے کہ اول الذکر عمل منسوخ ہے، لیکن وہ ایسا تب کہتے جب امام صاحب نے اس صورت کو قبول کیا ہوتا، اور چونکہ امام صاحب نے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بات پسند کی ہے اس لیے انہوں نے ایسی بات نہیں کہی، ورنہ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے کانوں اور کندھوں تک اٹھانے والی صورت کو منسوخ قرار دینے میں لیکن یہاں معاملہ الٹا تھا اس لیے اس کو عذر و مجبوری بتا دیا، اور یہ نہیں سوچا کہ عذر و مجبوری کہنے سے صحابہ کرام پر حرف آتا ہے، یہ بھی نہیں سوچا کہ صحابہ کرام سنت رسول کے لیے بڑے بڑے دکھ اٹھالیا کرتے تھے لیکن سنت رسول کو چھوڑتے نہ تھے، پھر یہاں معمولی وجہ سے سنت کی صورت ہی بدل دیں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔

مولوی ملتانی کا مطالبہ بیجا اور جہالت پر مبنی ہے

مولوی ملتانی نے الہمدیث کا موقف غلط طور پر سمجھا ہے یا جان بوجھ کر الہمدیث کی غلط ترجمانی کی ہے اور پھر اسی کی بنیاد پر وہ الہمدیث سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ”اگر غیر مقلدین ان مختلف روایات کے درمیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ صحیح صریح مرفوع متصل حدیث میں دکھا دیں کہ آپ نے کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا ہو اور کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے منع کیا ہو“ بارہ مسائل ص ۳۴

جواب: مولوی جی یہ مطالبہ آپ کا اس وقت درست ہوتا جب الہمدیث کانوں تک ہاتھ اٹھانے کو منع کرتے ہوں، جب وہ اس کو جائز مانتے ہیں تو ان سے یہ مطالبہ کیسا

یہ کیسی بے خبری ہے یہ کیسی بچکانہ حرکت ہے۔؟
آگے لکھتے ہیں:

”یا آپ نے اختیار دیا ہو کہ تمہیں اختیار ہے جیسے چاہو کرلو،
یا کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت رائج ہے اور اس حدیث کی
صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم
ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“ بارہ مسائل ص ۳۴

جواب: ملتانی جی! جب صاحب شریعت نے ایک ہی مسئلہ میں مختلف صورتیں روا رکھی
ہیں تو اس کا سیدھا سا یہی مطلب ہے کہ یہ سب صورتیں جائز ہیں اور مکلف کو
اس میں اختیار ہے اس کے لیے الگ سے کسی دلیل کی نہ ضرورت ہے، اور نہ
حاجت، آپ کا یہ کہنا کہ ”یا آپ نے اختیار دیا ہو کہ تمہیں اختیار ہے“ عجیب
مضحکہ خیز بات ہے، رسول اکرم ﷺ کا ان تمام صورتوں کو جائز رکھنا اس کی صاف
دلیل ہے کہ بندہ جس پر عمل کریگا درست ہوگا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
متعلق حضرت عائشہ فرماتی ہیں

ماخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین شیئین الا اختار ایسر ہما۔

جب دو چیزوں میں اختیار دیا گیا آپ نے آسان صورت اختیار فرمائی۔ رسول
اکرم فرماتے ہیں اتر کونی ماتو کتکم جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم بھی
چھوڑے رکھو۔ یعنی جب میں کسی چیز کو لازم نہ ٹھہراؤں جس صورت پر عمل کرلو درست
ہے۔ لہذا مولوی ملتانی کا یہ مطالبہ بھی بے جا ہے۔

کون سی حدیث رائج ہے کون سی مرجوح؟ یہ مطالبہ تب درست تھا جب ہم
صرف ایک صورت کے جواز کے قائل ہوتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، تو آپ کا مطالبہ
بے جا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق احادیث صحیح ہیں اور بغیر تقلید صحیح ہیں۔

کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی صحیح صریح مرفوع روایات

(۱) عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: رأيت النبي ﷺ

افتتح التكبير في الصلاة، ورفع يديه حين يكبر حتى يجعلهما حذو منكبيه
وإذا كبر للركوع، فعل مثله، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فعل مثله و
قال: ربنا ولك الحمد، ولا يفعل ذلك حين يرفع رأسه من السجود۔

(بخاری، نسائی، بیہقی، دارقطنی، مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو نماز
شروع کرتے ہوئے دیکھا آپ اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع الیدین کرتے اور ہاتھوں کو
مونڈھوں تک لے جاتے رکوع کو جاتے ہوئے بھی ایسا ہی کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ
کہتے تو بھی رفع الیدین کرتے اور ربنا ولك الحمد کہتے لیکن جب سجدے سے سر اٹھاتے تو
رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

(یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری (۲/۱۷۶) اور جزء رفع الیدین (۱۴)

میں امام نسائی (۱/۱۴۰) اور امام بیہقی (۲/۲۶) نے اپنی اپنی سنن میں شعیب بن ابی حمزہ القرشی
عن محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب الزہری قال اخبرني سالم بن عبد الله عنه۔

کے طریق سے روایت کی ہے اور اس کی صحت میں کسی طرح کے شک و شبہ کی
محتاج نہیں۔

اسی طرح حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت کو جس کو امام ابوداؤد، ترمذی، دارمی،
ابن ماجہ، طحاوی، بیہقی نے اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے اس میں بھی ”یرفع يديه حتى يحاذي
بهما منكبيه“ کے الفاظ صاف اور صریح طور پر موجود ہیں۔

اس کے علاوہ بھی دیگر کتب حدیث میں اس معنی کی روایات موجود ہیں۔ ان تمام

روایات سے صحیح، صریح، مرفوع، متصل طور پر رسول اکرم ﷺ کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانا مذکور ہے اس سے چڑھنا، اس کو برا کہنا درحقیقت سنت صحیحہ، صریحہ مرفوعہ کی مخالفت ہے۔

ربی بات کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی تو اس کی روایات بھی موجود ہیں الحمدیث نہ اس کو برکتے ہیں اور نا ہی اس کے کرنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی خود اہل حدیث حضرات بھی کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس کو صحیح اور سنت جانتے اور مانتے ہیں۔
اب مولوی ملتانی اپنا وعدہ پورا کریں۔

کون دھوکے باز ہے

مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کو ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ آپ کا غضب و غصہ صرف اس لیے ہے کہ ہم آپ کی طرح اندھے مقلد نہیں ہیں اور رسول کو چھوڑ کر امتیوں کی اندھی تقلید پر کار بند نہیں ہیں، اور اس میں کیا شک ہے کہ ہم علی رغم انفکم قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں اور اندھی تقلید نہیں کرتے، آپ سراسر دھوکہ دیتے ہیں کہ بات تو مانتے ہیں صرف اپنے اماموں کی اور دنیا والوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ حنفی مولوی یہ بات بار بار لکھ چکے ہیں کہ مقلد کی دلیل قرآن وحدیث نہیں ہے اس کی دلیل امام صاحب کا قول ہے اس کے باوجود غیر مقلدیت سے بھی باز نہیں آتے کہ قرآن وحدیث سے دلیل لاتے اور کتابوں میں لکھتے ہیں جیسا کہ مولوی ملتانی نے کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ سراسر دھوکہ ہے۔

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں اس بارے میں متعدد الفاظ احادیث میں آئے ہیں۔ علی الصدر، فوق السرة، تحت السرة، اور وانحر کی تفسیر میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ فصل لربک وانحر کا معنی انہوں نے سینہ پر ہاتھ باندھنا بتلایا۔ ہمارے دیوبندی برادران کو ضد ہے کہ امام صاحب کی تقلید میں ہاتھ زیر ناف ”ناف کے نیچے“ باندھے جائیں، اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کے فضائل و مناقب بیان کیے جائیں، چنانچہ کبھی اس کو ادب قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کو عاجزی و انکساری کا نمونہ قرار دیکر اس کی تائید و تاکید کرتے ہیں۔

حالانکہ جو طریقہ احناف میں خصوصاً عوام میں رائج ہے یعنی دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا پہونچا پکڑ کر شان بے نیازی سے چھوڑ دینا، وہ چاہے جہاں جائے یا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کو پکڑ لیا جائے اور ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے جائیں، یہ طریقہ نہ ادب و احترام کے لائق ہے اور نہ اس میں عاجزی و انکساری ہی ہے۔

اللہ کے سامنے ناف کے نیچے ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہونا بے ادبی ہے دنیا کے تمام مذاہب میں عبادت کے وقت ہاتھ سینے یا اس کے مقابل میں کر کے تعظیم بجالانے کا دستور ہے، اسی طرح جن امیروں، بادشاہوں نے اپنے طور پر ادب و تعظیم کے طریقہ ایجاد کئے انہوں نے بھی ہاتھ سینہ پر رکھنے یا اس کے مقابل جوڑ کر تعظیم بجالانے کو ضروری خیال کیا، کسی مذہب یا بادشاہ نے ہاتھ زیر ناف کر کے تعظیم بجالانے کا نہ حکم دیا اور نہ اس کو تعظیم مانا، بلکہ یہ سراسر تعظیم کے منافی ہے، آج بھی اگر کوئی

زیر ناف ہاتھ جوڑ کر کسی کو تعظیم دے تو اس کو بے عزتی خیال کیا جائے گا۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ انسانی فطرت سینہ کو زیر ناف کے مقابلہ میں زیادہ اہم سمجھتی ہے اور تعظیم کے اظہار کے لیے سینہ پر ہاتھ رکھنا عین فطرت انسانی کے مطابق ہے، اسی لیے اسلام نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا طریقہ بتایا ہے۔

ہمارے بعض دیوبندی بھائیوں کی فطرت تقلید کی بیماری کے سبب مسخ ہو گئی ہے، اس لیے ان کو سینہ پر ہاتھ باندھنا بے ادبی اور زیر ناف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا ادب نظر آتا ہے، ظاہر ہے جب تک یہ بیماری دور نہ ہو دماغ کا زاویہ درست نہیں ہو سکتا۔

عمل کس پر ہے

دیوبندی احباب میں پڑھے لکھے خصوصاً ندوی حضرات تبلیغ میں لگے دیگر ممالک کے دورے کرنے والے حضرات ہاتھ ناف کے اوپر باندھتے ہیں، بعض قاسمی حضرات جن کی نظر حدیث پر ہے اور تعصب نے ان کی آنکھوں کو اندھا نہیں کیا ہے ان کا عمل بھی ناف پر یا ناف کے اوپر باندھنے کا ہے، باقی وہ عوام جو برصغیر سے نہیں نکلے اور تعصب میں اندھے حضرات اہلحدیث کی ضد میں اس انداز سے ہاتھ باندھتے ہیں کہ تعظیم نہیں توہین کا گمان ہوتا ہے۔

ایک عبرت انگیز واقعہ

بزرگ عالم مولانا عبدالرحیم سکینہ جوز بردست آریہ سماجی مناظر اور مبلغ تھے چند سال ہوئے ان کا انتقال ہوا ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ مسلم علماء سے مناظرے مباہلے کرنے میں ماہر تھے، ان کی طبیعت اسلام کے مطالعہ کی طرف مائل ہوئی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اسلام کی حقانیت ان پر عیاں ہو گئی، وہ فتح پور سیکری سے چل کر جامع مسجد دہلی اسلام قبول کرنے کے لیے آئے، اتفاق کی بات اس وقت نماز کا وقت تھا اور لوگ نماز میں کھڑے ہوئے تھے، چونکہ جامع مسجد کے مصلیان میں زیادہ تعداد خفی عوام کی ہوتی ہے

جب انہوں نے ان کو نماز میں کھڑے ہوئے دیکھا تو کہتے ہیں کہ ایک بار پھر میرے دل میں وسوسے پیدا ہو گئے کہ یہ مذہب کیسے صحیح ہو سکتا ہے جس کے ماننے والوں کو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا طریقہ بھی نہ آتا ہو اور نامناسب جگہ ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوں۔

وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار پھر واپس لوٹ گیا، کچھ دنوں کے بعد ایک سفر کے دوران ریلوے اسٹیشن پر ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا لیکن بڑا تعجب ہوا کہ وہ ہاتھ سینے پر باندھ کر نماز پڑھ رہا ہے، میں ٹرین سے اتر کر اس کے انتظار میں کھڑا رہا کہ یہ نماز سے فارغ ہو تو اس سے پوچھوں، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: یہ تم کیا کر رہے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، میں نے کہا: نماز میں ہاتھ کہاں باندھے ہوئے تھے؟ کہنے لگا: سینے پر میں نے کہا: میں نے تو دیکھا ہے کہ ہاتھ زیر ناف باندھتے ہیں، اس نے بتایا: ہاں کچھ لوگ باندھتے ہیں لیکن قرآن وحدیث میں ایسا نہیں ہے اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، مجھے بڑا تعجب ہوا اس سے جب اور باتیں پوچھیں تو پتہ چلا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا یہ حنفی مسلک کا طریقہ ہے۔ میرے دل میں پھر سے اسلام کی طرف رجحان بڑھا اور میں آخر مسلمان ہو گیا۔

یہ واقعہ سکینہ صاحب نے خود سنایا، وہ بہت اچھے عالم اور مناظر تھے، اہلحدیث ہو گئے تھے توحید کا وعظ بہت اچھا واضح اور کھلا ہوا کہتے تھے، جس کے سبب بدعتیوں اور قبر پرستوں سے انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں، کئی بار ان کے وعظ میں بدعتیوں نے ہڑبوگ کی ان کے گھر پر پتھر برسائے، لیکن یہ اللہ کا بندہ ساری زندگی صبر و شکر کے ساتھ اسلام اور توحید پر جما رہا۔ رحمہ اللہ وغفرلہ وانزل علی قبرہ شایب رحمته و ادخلہ فسیح جنتہ۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

اللہ تعالیٰ نے جو فہم و فراست اسلام کی محبت اور دین کی حقیقت مولانا پر منکشف

کی تھی وہ بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ خانقاہی ادب و آداب میں پل کر بڑے ہوئے تھے، اور ان کے اباحفیت ہی کے نہیں بلکہ بدعات کے بڑے مبلغ اور مناد تھے، لیکن اپنے علم و مطالعہ سے جو کچھ بنے وہ ایسا ہی تھا گویا آزر کے گھر ابراہیم پیدا ہوا۔ بہر حال۔

اس زمانہ کی بات ہے جب اسلام پر چار جانب سے حملے ہو رہے تھے، کسی غیر مسلم نے ان سے پوچھا: جس دین کو آپ مانتے ہیں اس میں اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کے کتنے طریقے ہیں، آپ نے پوچھا: کیا مطلب؟ اس نے کہا: کچھ لوگ زیر ناف ہاتھ باندھتے ہیں کچھ لوگ ناف کے اوپر اور کچھ لوگ ناف سے اوپر کچھ سینہ پر، آپ نے مسالک اور رجحانات کے جھیلے میں پڑے بغیر جواب دیا کہ مسلمان جب رب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی یاد میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ پھر اس کو اس بات کا احساس نہیں رہتا کہ اس کے ہاتھ کہاں ہیں۔

آپ کس مذہب پر ہیں؟

چند سال کی بات ہے، بھدوہی میں ایک جگہ سوال و جواب کے پروگرام کے بعد کالج میں پڑھنے والے ایک نوجوان نے جو دین کے بارے میں صرف رواجی حد تک معلومات رکھتا تھا مجھ سے پوچھا: آپ کس مذہب پر ہیں؟ میں نے کہا: کیا مطلب؟ بولا: آپ کو دیکھا نماز میں ہاتھ یہاں سینہ پر باندھے ہوئے ہیں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کس مذہب پر ہیں، بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا کہ آپ کی والدہ اور خالہ کے مذہب پر، بولا: کیا مطلب؟ میں نے کہا: آپ نے کبھی اپنی والدہ اور خالہ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے کہاں ہاتھ باندھتی ہیں؟ بولا سینہ پر، میں نے کہا: ہم بھی سینہ پر باندھتے ہیں آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ یہاں ہاتھ کیوں باندھتی ہیں یہاں کیوں نہیں باندھتیں جہاں ہم باندھتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے لیے وہ شرمندہ سا ہو گیا، کہنے لگا: یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا، میں نے کہا: جواب تو ہوا مگر آپ اس کو مانتے نہیں، کہنے لگا کیوں؟ میں نے کہا: آپ کی والدہ سینہ پر ہاتھ کیوں باندھتی ہیں، کہنے لگا: مجھے نہیں معلوم، میں نے کہا: مجھ سے سوال کرنے سے پہلے ان سے پوچھا ہوتا کہ آپ کس مذہب پر ہیں۔ کہنے لگا: میں نے کوئی غلط بات پوچھ لی؛ میں نے کہا: آپ کو یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت کہاں ہے اور ایسا آپ کیوں کرتے ہیں، تو میں آپ کو بتاتا کہ یہ سنت رسول ہے اور اس کا ثبوت کہاں ہے، آپ تو مذہب پوچھ رہے ہیں ایک مسلمان سے کیا یہ سوال مناسب ہے؟ کہنے لگا: ٹھیک ہے آپ بتائیے، میں نے اس کو پوری بات بتائی سن کر کہنے لگا: ٹھیک ہے میں اس بارے میں تحقیق کروں گا میں نے کہا اللہ تمہیں توفیق دے۔

ملتانى صاحب كى روش

ملتانى صاحب نے جو روایتیں نقل فرمائی ہیں ان میں یہی ثابت کیا ہے کہ ہاتھ زیر ناف باندھے جائیں۔

ہمارا سوال ہے: کیا یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے یا عورتیں بھی اس میں شامل ہیں؟ اور کیا دیوبندی عورتیں بھی زیر ناف ہاتھ باندھتی ہیں؟ اگر نہیں باندھتیں جیسا کہ معروف و مشاہد ہے تو بتایا جائے کہ ان کے لیے الگ سے کون سی حدیث ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس صحیح مرفوع متصل حدیث میں کہا ہے کہ عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھیں اور مرد زیر ناف؟ بتایا جائے۔

مولوی ملتانی نے جو احادیث پیش کی ہیں اتفاق سے سبھی ضعیف اور غیر معتبر ہیں جس کا اعتراف خود علماء احناف کو بھی ہے اور کچھ میں مولوی ملتانی نے ہاتھ کی صفائی سے کام لیا ہے ان کا حال مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی حدیث یوں نقل کی ہے:

عن علقمہ بن وائل بن حجر عن ابیہ قال راٰ یت النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلاۃ تحت السرة

مصنف بن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰

علقمہ بن وائل بن حجر سے روایت ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر
ناف رکھا۔ (بارہ مسائل، ص ۳۵)

جواب: مولوی ملتانی کی اس مسئلہ میں بے چارگی اس سے ظاہر ہے کہ اس روایت میں
اپنی طرف سے ”تحت السرة“ کے الفاظ بڑھا لیے اور حدیث رسول میں تحریف
کر ڈالی اور ذرہ برابر نہیں شرمائے، ہمارے قاسمی بھائیوں کو جو ملتانی کی کتاب کو
دھڑا دھڑ چھاپ رہے ہیں شرم آنی چاہئے کہ ملتانی نے حدیث نبوی میں اپنی من
مانی کی اور اس میں تحریف کر ڈالی اور ان دیوبندیوں نے اس کو قبول کر کے اس
تحریف کو رواج دینا شروع کر دیا۔ فی اللجب، کیا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر بہتان باندھنے کا گناہ معلوم نہیں ہے۔

مولوی ملتانی نے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، یا تو ملتانی
نے ابن ابی شیبہ کو نہیں دیکھا ہے صرف کہیں سے نقل ماردی ہے، یا دیکھا تو ہے مگر جان بوجھ
کر حدیث میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور ظاہر ہے دونوں صورتوں میں ان کا جرم ثابت ہے۔

ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث یوں ہے

”عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ

علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلاۃ۔“

ابن ابی شیبہ (۳۹۰/۱) مطبوعہ ممبئی ۱۹۷۹ء۔

ظاہر ہے جب اس حدیث میں تحت السره کا لفظ ہے ہی نہیں تو ملتانی اینڈ پارٹی کا استدلال اس حدیث سے باطل اور بہتان ہی ہے۔

ابن ابی شیبہ کی حدیث میں تحت السره (زیر ناف) کا لفظ نہیں ہے، اس کی تائید مسند امام احمد بن حنبل و سنن دار قطنی (۴۸۶/۱) کی روایت سے بھی ہوتی ہے، ان دونوں محدثین نے بھی اس حدیث کو اسی سند سے نقل کیا ہے، ان میں بھی تحت السره کا لفظ نہیں ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ملتانی کا دعویٰ باطل ہے۔

مندرجہ بالا حدیث کے باطل ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت وائل ہی سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت مروی ہے جو صحیح ہے، جب صحیح سند سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت موجود ہے تو اس کے خلاف روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

۲۔ دوسری حدیث

عن علی قال من سنة الصلاة وضع الايدي تحت السره

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱) (مسند احمد ۱۱۰/۱)

حضرت علی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نماز کی سنت میں سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

جواب: اس حدیث سے استدلال محض غلط ہے کیونکہ یہ روایت متعدد وجوہ سے ناقابل استدلال ہے تفصیل یوں ہے:

۱۔ اس کی سند میں عبد الرحمن بن اسحق بن الحریب ابو شیبہ الواسطی ہے۔ مشہور حنفی عالم علامہ زیلعی نصب الراية میں لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل و امام ابو حاتم نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، ابن معین نے اس کو لاشئی کہا، امام بخاری اس کو ناقابل حجت قرار دیتے ہیں۔ امام بیہقی نے اس کی سند کو غیر ثابت قرار دیا ہے، کیونکہ عبد الرحمن مذکور متروک ہے، علامہ نووی کہتے ہیں اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین کا

- اتفاق ہے کیونکہ عبدالرحمن اس روایت کا مرکزی راوی بالاتفاق ضعیف ہے۔
- ۲۔ اس حدیث کی سند میں دوسرا راوی زیاد بن زید السوائی ہے جس کو ابو حاتم نے مجہول قرار دیا ہے، علامہ ابن حجر نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ مجہول راوی کی روایت ضعیف اور نامقبول ہوتی ہے۔
- ۳۔ یہ روایت احناف کے اصول کے تحت قابل عمل نہیں کیونکہ حضرت علی ”وانحر“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے، اور اس طرح ان کا فتویٰ ملتانی کی پیش کردہ روایت کے خلاف ہے اور جب فتویٰ روایت کے خلاف ہو تو احناف اس کو روایت کے غیر مقبول ہونے کا قرینہ مانتے ہیں۔

ملتانی کی پیش کردہ تیسری حدیث

الحجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سالتہ قال قلت
کیف یصنع قال یضع باطن کف یمینہ علی ظاہر کف شمالہ
ویجعلہا اسفل من السرة۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۱/۱) وآثار السنن ص ۱۷۰ وقال اسنادہ صحیح۔

حضرت حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز سے سنا دریافت کیا کہ نمازی ہاتھ کس طرح رکھے تو انہوں نے کہا کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے بیرونی حصہ پر رکھے اور اس کو ناف نیچے رکھے۔

جواب: یہ حدیث قابل حجت نہیں اس لیے اس سے استدلال درست نہیں، کیونکہ یہ ایک تابعی کا قول ہے، مرفوع روایت کے مقابلہ میں تابعی کا قول کیسے قابل استدلال ہو سکتا ہے، صاحب آثار کا اس کی سند کو صحیح قرار دینا ملتانی صاحب کے لیے غیر مفید ہے۔

چوتھی حدیث

عن ابراهيم قال يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة،
مصنف بن ابی شیبہ (۱/۳۹۱) و آثار السنن ص ۷۱، اسنادہ حسن

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا کہ اپنا دائیاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف
کے نیچے رکھے۔

جواب: یہ بھی ایک تابعی کا قول ہے جو مرفوع حدیث کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں
رکھتا، اور نہ اس کے سبب مرفوع حدیث کو ترک کیا جاسکتا ہے۔
ایک دوسری علت بھی اس میں ہے: اس کی سند میں ربیع بن صبیح راوی سی الحفظ
ہے، لہذا اس اثر کی سند ضعیف ہے۔ اور ضعیف غیر مقبول ہے۔

پانچویں حدیث

عن ابی هريرة قال وضع الكف على الكف في الصلاة تحت السرة
(الجوهر النقی علی البیہقی (۲/۳۱) محلی ابن حزم)

حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ ہاتھ کو ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے
رکھا جائے۔

جواب: اس کی سند میں وہی عبدالرحمن واسطی ہے لہذا ناقابل استدلال ہے۔

چھٹی حدیث

عن انس قال ثلاث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار و تاخير
السحور و وضع اليد اليمنى على اليسرى في الصلاة تحت
السرة۔ الجوهر النقی علی البیہقی (۲/۳۲) المحلی (۳/۳۰)

حضرت انسؓ نے فرمایا تین باتیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں
روزہ کے افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا اور دائیں ہاتھ کو
بائیں ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے رکھنا۔

جواب: ملتانی صاحب پہلے اس کی سند نقل کریں پھر استدلال کریں جس حدیث کی سند
ہی موجود نہیں اور کوئی حنفی مولوی اس کی سند نقل نہیں کرتا تو اس سے استدلال چہ
معنی دارد؟ یہ تو محض دھوکہ ہے، بھلا بے سند روایت کی کیا حیثیت ہے؟

ساتویں حدیث

عن امیر المومنین علی قال ان من السنة فی الصلاة وضع الیمین
علی الشمال تحت السرة۔ دارقطنی۔ والبهقی مسند اهل بیت
یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں وہی عبد الرحمن واسطی ہے جو منکر
الحدیث لیس بشی، متروک اور ناقابل حجت مجروح راوی ہے، لہذا اس سے
استدلال محض بے سود ہے۔

ملتانی صاحب کی بے انصافی

محمد بن محمد الباقری شیعہ جو دو واسطوں سے میاں سیدنذیر حسین کا شاگرد ہے،
باوجود شیعہ ہونے کے دو واسطہ کے باوجود ملتانی کے نزدیک غیر مقلد ہو سکتا ہے تو حضرت
مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ بلا واسطہ شاگرد اساتذہ دارالعلوم دیوبند مقلد کیوں نہیں
کہلاتے اور ان کی بات سے دیوبندیوں پر حجت قائم کیوں نہ کی جائے؟ آخر ان لوگوں کا
نام آتے ہی دیوبندیوں کا بلڈ پریشر کیوں بڑھ جاتا ہے، مولوی ملتانی کو شرم آنی چاہئے
جب کوئی ڈھنگ کی دلیل نہیں ملی تو اوٹ پٹانگ ہی ہانکنے لگے۔

آخر اس طرح کی غیر متعلق باتوں سے ان کو فائدہ کیا ہوگا، کیا دلائل کی کمی ان

بے تعلق باتوں سے پوری ہو جائے گی ملتانی جی کی یہ حرکت صاف بتا رہی ہے ان کی پٹاری میں اب کچھ ہے نہیں۔

گستاخ کون؟

مولوی ملتانی صاحب نے مولانا محمد حنیف فرید کوٹلی پر توہین حدیث کا الزام لگایا ہے، جب کہ یہ سراسر الزام تراشی ہے، کیونکہ فرید کوٹلی صاحب نے آپ کی بے احتیاطی کا تذکرہ کیا ہے اور جب ان کے نزدیک زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح ہے ہی نہیں تو حدیث کی توہین کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے، آپ البتہ احادیث صحیحہ سے ثابت طریقہ کی توہین کر کے ان احادیث کی توہین کے قصور وار ہیں، کبھی آپ اس طریقہ کو خلاف ادب بتاتے ہیں کبھی پہلوانی قرار دیتے ہیں کبھی کشتی لڑنا بتاتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا تو آپ اس طریقہ کے خلاف زبان درازی کر کے گستاخ بنتے ہو، یہی نہیں آپ تو صفیں سیدھی کرنے پیر ملانے رفع الیدین کرنے ہاتھ باندھنے قرأت کرنے سے لیکر بیٹھنے کی کیفیت اور تشہد میں رفع سبابہ پر ٹھنھا و محول کرنے سے باز نہیں آتے۔ آپ کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ آپ مولوی فرید کوٹلی کا شکوہ کریں۔

مولوی ملتانی کا چیلنج اور اس کا جواب

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھ کر دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیتے ہیں، اگر غیر مقلدین اپنے اس عمل پر صحاح ستہ سے ایک صحیح مرفوع متصل حدیث پیش کر دیں اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید

کئے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“

جواب: مندرجہ بالا چیلنج میں دو باتیں قابل غور ہیں

ایک تو یہ کہ ”غیر مقلدین اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھ کر دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیتے ہیں“ یہ مولوی ملتانی کے بوکھلاہٹ ہے یا حواس باختگی کیونکہ یہ طریقہ اہلحدیث کا ہرگز نہیں ہے اور نہ یہ ممکن ہے جب دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھ لیں گے تو اس کا سینہ پر رکھنا ممکن نہ ہوگا، اہلحدیث کا عمل یہ ہے کہ وہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہیں جیسا کہ صحیحین کی روایت میں موجود ہے، جو بات مولوی ملتانی کہہ رہے ہیں وہ صریح غلط ہے۔

دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ اہلحدیث سے وہ اس بارے میں صحاح ستہ سے صحیح صریح مرفوع روایت طلب کر رہے ہیں آخر کیوں؟ کیا ان کے یہاں غیر صحاح ستہ کی روایات قابل قبول نہیں ہیں اگر قابل قبول نہیں ہیں تو خود انہوں نے کیوں اپنے دعوے کے اثبات میں غیر صحاح ستہ کی احادیث پیش کیں، ظاہر ہے غیر صحاح ستہ کی بھی وہ احادیث جو اصول محدثین کے اعتبار سے صحیح ہیں وہ یقیناً صحیح ہیں اور ایسے ہی قابل قبول ہیں جیسے صحاح ستہ کی احادیث پھر مولوی ملتانی نے یہاں یہ قید کیوں لگائی ہے تو اس کا بہت واضح سبب ہے اور وہ یہ کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث جو صحیح بھی صریح بھی ہے اور مرفوع بھی ہے حدیث کی مشہور کتاب صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہے۔ جو مولوی ملتانی کی تمام شرائط کے مطابق ہے۔ اور اس مقابلے کی کوئی روایت ان کے پاس موجود نہیں پھر ابن خزیمہ کی اس روایت میں ان کو کوئی عیب بھی نہیں ملتا اس لیے انہوں نے اپنی سابقہ عادت کے خلاف یہاں صحاح ستہ کا حوالہ مانگا ہے۔ یہ ان کی خود شکست فاش ہے اور ان کے موقف کی کمزوری کی دلیل ہے اگر ان کا موقف مدلل ہوتا تو ایسا ہرگز نہ

کہتے، بہر حال آئیے اب ہم آپ کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیلیں دکھاتے ہیں۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صحیح و صریح مرفوع حدیث

(۱) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث - وہ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ کی نماز کو اچھی طرح دیکھنے کا ارادہ کیا کہ آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں۔ میں نے دیکھا آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، تکبیر کہی کا نوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے پھر داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پہونچے اور کلائی پر رکھا الخ۔
الفاظ اس روایت کے یہ ہیں:

قللت لانظر الى صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف

يصلى: فنظرت اليه فكبر ورفع يديه حتى حاذتا اذنيه ثم وضع

يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ والساعد الخ

ابو داؤد، نسائی، دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود فی المستقی، بیہقی، احمد

وغیرہ نے اس روایت کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے سند یوں ہے عن زائدة قال: ثنا عاصم بن کلیب قال ثنی ابی الوائل بن حجر اخیرہ قال.....

یہ سند بلاشبہ مرفوع متصل اور شرط مسلم پر صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ابن خزیمہ ابن حبان علامہ نووی ابن القیم، ابن الملقن وغیرہ محدثین کرام نے اس کی صحت کی شہادت دی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہو سکتا ہے کوئی صاحب یہ کہیں کہ اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا لفظ تو ہے نہیں تو ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ذرا اس طریقہ پر ہاتھ باندھ کر دیکھو ہاتھ سینہ ہی پر پہونچیں گے۔ یہی حدیث اختصار کے ساتھ بھی مروی ہے جس کو مسلم، ابو داؤد، نسائی، دارمی ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، مسند احمد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے

الفاظ میں فاخذ شمالہ یمینہ اور مسلم کے الفاظ یوں ہیں ”ثم وضع يده اليمنى على اليسرى“ معنایہ روایات ایک ہی مدعا پر دلالت کرتی ہیں۔

(۲) حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے بازو پر رکھیں۔ الفاظ یوں ہیں

كان الناس يومرون ان يضع الرجل يده اليمنى على ذراعه في

الصلاة قال ابو حازم لا اعلمه الا ينمى ذلك الى النبي ﷺ۔

سند یوں ہے:

عن مالك عن ابى حازم عن سہل بن سعد

یہ روایت بخاری نے اپنی صحیح میں باب وضع الیمنی علی الیسری کتاب الاذان میں اور موطا میں امام مالک نے (۱۷۴۱) مسند ابو عوانہ بیہقی اور مسند احمد میں موجود ہیں۔

حدیث صحیح صریح اور مرفوع ہے اور تمام محدثین اس کی صحت پر متفق ہیں۔

(۳) حضرت وائل بن حجر کی دوسری حدیث جس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صراحت فرماتے ہیں۔

میں نے دیکھا اللہ کے بنی ﷺ کو آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا اور پھر ان دونوں کو سینہ پر رکھ لیا۔ الفاظ یہ ہیں:

انه رأى النبى صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله ثم

وضعها على صدره

سند یہ ہے عن مومل بن اسماعيل عن الثوري عن عاصم بن كليب عن ابيه عنه

اس سند کے رجال ثقہ ہیں مومل بن اسماعيل پر کچھ کلام ہے اور وہ صدوق سنی

الحفظ ہیں لیکن اس کے متعدد طرق ہیں جس سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

علامہ زیلعی نے نصب الراية میں اس کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا رواہ ابن خزيمة فی صحیحہ۔

(۴) حضرت طاؤس تابعی کی حدیث

فرماتے ہیں اللہ کے رسول اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے اور دونوں کو سینہ پر باندھتے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع اليمنى على يده

اليسرى ثم يشد بهما على صدره وهو في الصلاة

سند یہ ہے ثنا ابو توبہ، ثنا الهيثم يعني ابن حميد عن ثور عن سليمان بن موسى عن طاؤس

ابو داؤد فی مراسیلہ (۲۸۷) کتاب الصلاة باب وضع

اليمنى على اليسرى في الصلاة كما قد جاء موصولا من اوجه أخرى، كما ذكره الالباني

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے محدثین کے نزدیک حجت نہیں مگر احناف کے یہاں مرسل حجت ہے لہذا ان کو اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے۔

پھر اس مرسل روایت کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور یہ متعدد طرق سے مروی ہے بنا بریں کسی کو اس کے قبول کرنے میں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد روایات اس کی تائید میں بطور شواہد موجود ہیں جیسے امام بیہقی حضرت علی سے ”فصل لربك وانحر“ کی تفسیر میں سینہ پر ہاتھ باندھنا مروی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری سند سے خود حضرت علی کا عمل بھی نقل کیا ہے کہ وہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ بیہقی نے اس کی سند کو حسن کہا۔

اس کے علاوہ بھی اس کی روایات موجود ہیں جن کو فی الحال چھوڑتے ہیں۔

ملتانى صاحب کا مطالبہ پورا کر دیا گیا ہے بخاری مسلم و کتب ستہ و ابن حبان ابن خزیمہ بیہقی وغیرہ کی روایات سے صاف ظاہر ہے کہ محدثین کا موقف درست اور صحیح

ہے اور احناف کے پاس ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں۔

اکابر علماء احناف کے اقوال

الحدیث موقف کی درستی اور صحت خود اکابر علماء احناف کے اقوال سے ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ امیر الحاج، و بحر الرائق کے مصنف رقم طراز ہیں۔

وَأَمَّا كَيْفَ حَدَّثَ صَحِيحٌ مِنْ سَيْنَةٍ بِرِجَالِهِ بَانِدْهَنَّا ثَابِتٌ هُوَ أَنَّ اسَ كَ عِلَالَه كَوْنُ صَحِيحٍ حَدِيثٌ نَحْنُ جَسَ سَ كَسَى خَاصٌ جَلَّ هَاتِهَ بَانِدْهَنَ كَيْ تَعْيِينُ هُوَ سَكَّ۔
تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور از علامہ محمد حیات سندھی حنفی

حضرت علی اور سینہ پر ہاتھ باندھنا

قارئین کو یاد ہوگا کہ حضرت علی سے زیر ناف ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ متعدد محدثین و مفسرین نے ان سے و آخر کی تفسیر میں یہ بات نقل فرمائی ہے کہ اس سے مراد سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے چنانچہ امام حاکم نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس کی تحسین کی ہے یعنی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے تاریخ بخاری میں ذکر کیا ہے۔ عن علی "فصل لربك وانحر" وضع يده اليمنى على وسط ساعده اليسرى على صدره۔

یعنی آدمی کو چاہئے کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں کی کلائی پر رکھ کر سینہ پر باندھ لے۔

حضرت ابن عباس اور سینہ پر ہاتھ باندھنا

مشہور مفسر ابن ابی حاتم، ابن شاہین ابن مردویہ اور امام بیہقی فصل لربك وانحر کی تفسیر میں لکھتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا:

ضع يدك اليمنى على الشمال عند النحر۔ یعنی اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر

سینہ پر باندھے۔

حضرت علی و حضرت عبداللہ بن عباس کی اس تفسیر سے صاف طریقہ سے ثابت ہوا کہ یہ صحابہ کرام جن کی قرآن دانی اور تفسیر کی تعریف میں تمام اکابر علماء رطب اللسان ہیں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کو قرآن سے ثابت فرما رہے ہیں۔

مولوی ملتانی کی بے خبری اور ایک مزید چیلنج اور اس کا مسکت جواب مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتاویٰ ثنائیہ

ج اول ص ۴۴۳ میں لکھا ہے سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث

بخاری و مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں“..... الخ

مولوی ملتانی کو اس پر تعجب ہے کہ حضرت مولانا امرتسری نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر بخاری و مسلم میں کیسے بتا دیا ہے وہاں تو ہے نہیں حالانکہ امرتسری صاحب کی بات بالکل درست ہے۔ لیکن بخاری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اندھا مقلد نہ ہو شروح میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی احادیث تو ظاہر ہے موجود ہیں اس کا انکار تو صرف پیٹ اندھے ہی کر سکتے ہیں جن کو علم و بصیرت حاصل ہو وہ تو کریں گے نہیں اب رہی بات بخاری و مسلم کی تو ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری نے باب وضع الیمنی علی الیسری کتاب الاذان میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ جس کو ہم ازیں قبل نقل کر چکے ہیں۔

یہ حدیث صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم دیتے تھے۔ کیونکہ جو طریقہ اس حدیث میں مذکور ہے اس پر عمل کرنے سے ہاتھ سینے پر ہی آتے ہیں ناف کے نیچے ہرگز نہیں جاتے۔

یہ تو رہی بخاری کی بات مسلم شریف میں بھی ایسا ہی مذکور ہے ان دونوں کی

شروحات میں متعدد احادیث سینے پر ہاتھ باندھنے کی موجود ہیں پتہ نہیں ملتانی صاحب کو اس میں کیا دشواری پیش آئی کہ انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کی شرح فتح الباری ہی کو لیجیے اس میں ہی متعدد روایات موجود ہیں باقی شروح کو جانے دیجئے۔ چند ایک ملاحظہ کریں۔
حدیث وائل عند ابی داؤد والنسائی۔

”ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والبرسغ والساعد۔“

اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ وغیرہ محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس کی اصل مسلم شریف میں ہے۔

اسی میں حضرت علی کے اثر کا بھی ذکر کیا ہے اسی طرح حضرت وائل کی روایت جس کو ابن خزیمہ نے روایت کیا اس کو ذکر کیا اسی طرح مسند بزار کی روایت جس کے الفاظ میں عند صدرہ کے الفاظ ہیں اس کا ذکر کیا اسی طرح مسند کی روایت بلب الطائی کی بیان فرمائی۔

ابن حجر نے حضرت علی کے اس اثر کا بھی ذکر کیا جس کو ملتانی نے نقل کیا اور بتایا کہ وہ ضعیف ہے اس کے علاوہ علامہ ابن عبد البر کی تصریح کہ سینے پر ہاتھ باندھنا جمہور صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔ کیا اب بھی ملتانی صاحب کو اعتراض ہے؟۔

دوام قرآنہ خلف الامام یا ترک القرآنہ خلف الامام

مولوی ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

سوال: سنی حضرات امام کے پیچھے قرآنہ نہیں کرتے کیا اس پر کوئی دلیل ہے؟

جواب: ہمارے پاس بہت دلائل ہیں دلیل سے پہلے دو باتیں معلوم کر لیں۔ الخ

ص ۳۷ بارہ مسائل

مولوی ملتانی کی گستاخی

مولوی ملتانی کی ائمہ اعلام صحابہ کرام تابعین عظام محدثین خصوصاً ائمہ ثلاثہ کی شان میں گستاخی ملاحظہ ہو وہ ان بزرگوں کو سنی نہیں مانتے اگر یہ حضرات سنی نہیں ہیں تو کیا اہل بدعت ہیں یا کیا ہیں؟ مولوی ملتانی نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ سنی حضرات امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے اور قرأت سے مراد ان کی سورۃ فاتحہ ہے گویا جو لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ ان کے نزدیک سنی نہیں ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ چند منہی بھراہل کوفہ کے علاوہ سارا عالم اسلام نماز میں فاتحہ پڑھتا ہے اور اہل کوفہ میں بھی خود امام ہمام امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہم اللہ دونوں حضرات سری نمازوں میں امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں اور یہ ان کا قول جدید ہے یعنی وہ اپنے قدیم قول سے رجوع کر چکے ہیں اور اس کو دوسروں کے علاوہ خود علماء احناف بھی مانتے ہیں فقہ حنفی کی سب سے معتبر کتاب ہدایہ اس پر شاہد عدل ہے اب یہ کہنا کہ سنی حضرات امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے ملتانی جیسے مقلد کا ائمہ حدیث کے ساتھ ساتھ خود اپنے امام کو بھی غیر سنی قرار دینا ہے اس گستاخی پر بجائے نکیر کرنے کے آج کے بعض دیوبندی مولوی ہاں میں ہاں ملا

رہے ہیں جو قابل افسوس ہی نہیں قابل ملامت ہے۔ ان بیچاروں کو اتنا بھی احساس نہیں کہ اہلحدیث دشمنی میں ہم خود اپنے ائمہ کو بھی غیر سنی بنائے دے رہے ہیں۔ یسحر یون بیوتہم بایدیہم کی کیسی عجیب مثال ہے۔

مولوی ملتانی کے دو مغالطے

۱۔ مولوی ملتانی کو اپنے دلائل کی کمزوری اچھی طرح معلوم ہے اس لیے وہ ان کو مضبوط کرنے کے لیے نئے نئے حربے اپنا رہے ہیں جو بات آج تک کسی حنفی نے نہیں کہی کسی دیوبندی کو نہیں سوجھی وہ مولوی ملتانی اپنے مغالطوں کی بنیاد پر تراش رہے ہیں۔ لیکن مغالطے اندھے مقلدوں میں تو چل سکتے ہیں لیکن اللہ نے جن کو حق وانصاف کی نظر دی ہے ان کے نزدیک اس طرح کی حرکتوں کی کوئی قیمت نہیں وہ تو برملا کہہ دیتے ہیں۔

بہر رنگے کے خواہی جامہ می پوش

من انداز قدرت را می شناسم

مولوی ملتانی فرماتے ہیں:

”دلائل سے ثابت ہے کہ فاتحہ قرآۃ ہے.....“ الخ ص ۷۳

اس سے پہلے کہ ہم موصوف کے موہوم دلائل کا جائزہ لیں ان کے حواریوں سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ فاتحہ قرآۃ ہے اس کا کیا معنی ہے؟ اور آج سے قبل کسی مفسر محدث، شارح حدیث یا امام نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فاتحہ قرآۃ ہے۔ اگر کیا ہے تو کوئی دیوبندی اس کو ثابت کرے اور کتاب و مصنف کے نام کے ساتھ ساتھ اصل عربی عبارت بھی لکھے تاکہ اس کی ساری قلعی کھول دی جائے، ہمارے خیال سے تو یہ ملتانی مغالطہ اور جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ یہ کہنا کہ فاتحہ قرآۃ ہے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا بلکہ ایک مہمل بات ہے، اگر وہ یہ کہتے کہ علماء و فقہاء و محدثین کی عبارات میں مسئلہ زیر بحث میں جب وہ مطلق لفظ قرأت استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد قرآۃ فاتحہ ہوتی ہے تو یہ بات معقول

تھی لیکن وہ الٹی گنگا بہا رہے ہیں یہ کہنے کے بجائے کہ قرأت سے مراد قرأۃ فاتحہ ہے فاتحہ ہی کو قرأت بتلا رہے ہیں جو نہ صرف غلط بلکہ جہالت پر مبنی ہے۔

فاتحہ کے بہت سارے نام ہیں جس کو مفسرین و محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے لیکن فاتحہ کا ایک نام قرأۃ بھی ہے کسی نے نقل نہیں کیا یہ کارنیک ہمارے ملتان صاحب ہی کر رہے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ فاتحہ ایک خاص سورت کا نام ہے اور قرأۃ کے معنی پڑھنے کے ہوتے ہیں۔ يستفتحون القرأۃ بالحمد لله رب العالمین۔۔۔ اور ”اقرأ بها فی نفسك یا فارسی“ سے یہ دونوں باتیں اہل علم اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ لیکن مولوی ملتانی کی اگر سمجھ میں نہیں آرہے ہیں تو اس میں قصور ان کی تقلیدی روش کا ہے جو آدمی کو متعصب، اور اندھا بنا دیتی ہے۔

اب آئیے ہم مولوی ملتانی کے دلائل کا جائزہ لیں۔

مولوی ملتانی کہتے ہیں:

فاتحہ قرأت ہے دلائل سے ثابت ہے کہ فاتحہ قرأۃ ہے۔ (۱) صحیح بخاری جلد (۱۰۳/۱) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسکت بین التکبیر و بین القرأۃ فقلت بابی انت وامی یا رسول اللہ اسکا تک بین التکبیر و بین القرأۃ۔۔۔ ماتقول قال اقول اللهم باعد بینی الخ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قرأت کے درمیان کچھ آہستہ آہستہ پڑھتے میں نے کہا یا رسول اللہ مرے ماں باپ، (آپ پر) قربان آپ تکبیر اور قرأۃ کے درمیان آہستہ کیا کہتے ہیں فرمایا میں کہتا ہوں، اللهم باعد بینی و بین خطایای الخ۔ اور غیر مقلدین مانتے ہیں کہ یہ دعا تکبیر تحریرہ اور فاتحہ

کے درمیان پڑھی جاتی ہے لہذا یہاں فاتحہ کو قرأۃ کہا گیا ہے اور اگر غیر مقلدین کو اصرار ہے کہ فاتحہ قرأۃ نہیں ہے بلکہ فاتحہ کے بعد والی سورۃ قرأۃ ہے تو اس حدیث کے مطابق غیر مقلدین کو چاہیے کہ فاتحہ ختم کر کے تکبیر کہیں پھر اللھم بساعد والی دعاء پڑھیں اس کے بعد سورۃ پڑھیں۔

جواب۔ (۱) ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، سنا کرتے تھے آج دیکھ لیا، مولوی ملتانی کی یہ ساری کارستانی اسی قبیل کی ہے، ڈوبنے والا تنکے کو پکڑ کر سوچتا ہے کہ اب میں بچ جاؤں گا لیکن ظاہر ہے تنکے کی بساط ہی کیا ہے کہ وہ کسی ڈوبتے کو بچا سکے ایسے ہی مولوی ملتانی ہیں جانتے ہیں کہ ہمارے پاس دلیل اس مسئلہ میں ہے نہیں تو تنکے ہی کو دلیل سمجھ بیٹھے ہیں۔

جو حدیث بخاری شریف کی پیش کی ہے وہ حدیث کوئی نئی تو ہے نہیں امام بخاری سے لیکر آج تک محدثین نے اس کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن کسی نے اس کا معنی وہ نہیں سمجھا جو مولوی ملتانی نے سمجھا، یا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دوسرے علماء کو جانے دو آج تک کسی حنفی مولوی نے یہ معنی کیے ہوں اور یہ مطلب نکالا ہو تو صرف ایک کتاب کا حوالہ درکار ہے ورنہ شرم کرنی چاہیے۔

(۲) رسول اکرم ﷺ تکبیر کہتے اور قدرے خاموش رہنے کے بعد پڑھنا شروع کرتے اس درمیان خاموشی میں کیا پڑھتے تھے چونکہ صحابہ کرام کو پتہ نہ چلتا تھا اس لیے انہوں نے پوچھا اس درمیان آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللھم باعد الخ پڑھتا ہوں۔ چونکہ اس خاموشی کے بعد فاتحہ ہی پڑھی جاتی ہے اس لیے فرمایا کہ تکبیر اور قرأۃ کے درمیان اللھم باعد پڑھتا ہوں اور اس کو یہ معنی پہنانا کہ یہاں فاتحہ کو قرأۃ کہا گیا ہے۔ لہذا فاتحہ کا ایک نام قرأۃ بھی ہوا اور جب فاتحہ کا نام

قرأت بھی ہوا تو جن حدیثوں میں اذا قرأ فأنصتوا وارد ہے اس کا معنی یہ ہوا کہ جب امام فاتحہ پڑھے تو تم خاموش رہو

لیکن پیارے ملتانی نے اتنا بڑا مغالطہ تو تراش لیا لیکن یہ بھول گئے کہ اگر قرأت سے مراد صرف قرأت فاتحہ ہے اور جب قرأت کا لفظ آئے تو اس سے مراد فاتحہ ہی ہے تو فاتحہ کے بعد اگر امام قرأت کر لے تو نہ وہاں خاموش رہنا ضروری اور نہ اس کا خاموشی سے سننا ضروری کیونکہ اذا قرأ فأنصتوا اور فقراة الامام قرأة له کا معنی ملتانی صاحب کی تشریح کے مطابق یہ ہوگا کہ امام کی فاتحہ مقتدی کی فاتحہ ہے لیکن فاتحہ کے بعد قرآن کا جو حصہ پڑھا جاتا ہے وہ مقتدی کو پڑھنا پڑے گا کیونکہ قرأت سے مراد صرف فاتحہ ہے اور اسی پر ملتانی صاحب کا پورا زور ہے۔

اگر ہمارے دیوبندی بھائی ملتانی صاحب کی اس تشریح کو صحیح مانتے ہیں تو امام کے پیچھے فاتحہ تو وہ نہ پڑھیں لیکن فاتحہ کے بعد کوئی سورت ضرور پڑھیں کیونکہ قرأت سے مراد تو صرف فاتحہ ہے لہذا فاتحہ تو امام نے پڑھ لی اس لیے دیوبندی مقلدوں کو وہ پڑھنے کی ضرورت نہیں لیکن ضم سورۃ ضروری ہوئی اور اس میں خاموش رہنا بھی ضروری نہیں اگر وہ ایسا نہیں مانتے اور اس کو غلط مانتے ہیں تو ملتانی صاحب کی تشریح کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل کر کے بتائیں، ورنہ ملتانی صاحب کی اندھی تقلید پر شرم کریں اور انگلیں بجانا بند کریں۔ ملتانی صاحب کا یہ لکھنا کہ

”اگر غیر مقلدین کو اصرار ہے کہ فاتحہ قرأت نہیں ہے بلکہ فاتحہ کے بعد والی سورۃ قرأت ہے تو اس حدیث کے مطابق غیر مقلدین کو چاہیے کہ فاتحہ ختم کر کے تکبیر کہیں پھر اللہم باعد والی دعا پڑھیں اس کے بعد سورہ پڑھیں۔“

(بارہ مسائل ص ۳۸)

سراسر دھاندلی ہے اہل حدیث جن کو آپ غیر مقلدین کہتے ہیں نا اتنے بے وقوف

ہیں اور نہ اتنے بے توفیق کہ فاتحہ کا نام قرآۃ رکھ دیں یا بعد والی سورۃ کا نام قرآت رکھ دیں۔ ایسی بے توفیق فقہات آج کے بدنصیب دیوبندیوں کو مبارک ہو۔

ہمارے نزدیک اس کا وہی مطلب ہے جو آج تک تمام فقہاء و محدثین سمجھتے رہے ہیں کہ مقصود صحابہ یہ تھا کہ تکبیر کے بعد قدرے خاموش رہنے کے وقفے میں آپ کیا پڑھتے ہیں اور اس کا جواب صحابہ کرام کو رسول اکرم ﷺ نے دیا کہ اس وقفہ میں دعائے ثنا اللہم باعد الخ پڑھتا ہوں نہ یہ سوال تھا کہ فاتحہ قرآۃ ہے یا نہیں اور تا رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا۔ ملتانی صاحب کو ہوا میں لٹھ چلانے کی عادت ہے جس کا اظہار انہوں نے فرما دیا اب رہا ان کا سوال غیر مقلدین سے تو ظاہر ہے بے کار ہی ہے۔

امام بخاری اور مولوی ملتانی

ہمارے جو بھائی آج کل ہمارے دیوبندی بھائیوں خصوصاً پڑوسی ملک سے امپورٹ ہونے والی کتابوں اور ان میں بھی امام المغالطات وان کے شاگردوں کی کتابوں کو جن کو دیوبند میں بڑے تپاک سے چھاپا جا رہا ہے کو پڑھ رہے ہیں انہوں نے یہ بات محسوس ضرور کی ہوگی کہ آج کل یہ طبقہ امام بخاری پر بڑا مہربان ہے اور بڑے دھڑلے سے ان کی جامع صحیح کو تختہ مشق بنا رہا ہے کبھی اس کو لیکر الحمد یثوں پر لعن طعن ہے کہ یہ بخاری بخاری کہتے رہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے کہیں اس کو لیکر چیلیج ہیں کہ بخاری میں یہ دکھاؤ وہ دکھاؤ اور کہیں یہ واویلا ہے کہ میاں بخاری بخاری پڑھنے سے کیا ہوتا ہے بخاری میں کیا رکھا ہے ایک بہاری پاگل تو اس کو برملا بکھاری بتلاتا ہے اور ہمارے دیوبندی بھائی جھوم جھوم کر اس کو داد دیتے ہیں، باللعجب و ضیعة الادب۔ بہر حال بات تو یہاں مولوی ملتانی کی تھی ان کے دیگر بھائیوں کی طرف ذہن چلا گیا۔ موصوف نے بھی بخاری کی بہت دہائی دی ہے اب آپ کا سلوک بخاری شریف کے ساتھ کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

”(۲) امام بخاری نے باب قائم کیا ”باب وجوب القراءة للامام والمأموم اور اس کے تحت حدیث نقل کی ہے۔ لا صلاة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب (کذا) پس معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک فاتحہ الكتاب قرأہ ہے۔“

(بارہ مسائل ص ۳۸ مطبوعہ نخبة العلماء کرناٹک)

ناظرین کرام! ہمیں تعجب مولوی ملتانی پر تو ہے ہی کرناٹک کے دیوبندی مولویوں پر ان سے زیادہ ہے کہ آخر ان کو کیا ہوا اہلحدیث دشمنی میں وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے کیوں بن رہے ہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں جو باب باندھا وہ بھی مولوی ملتانی نے آدھا لکھا اور اس کے تحت جو حدیث لکھی وہ بھی غلط لکھی بلکہ یوں کہئے ناکوہاں لکھ دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الاذان میں باب باندھتے ہیں:

وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر وما يحجر فيها وما يخاف

یعنی باب ہے سورۃ فاتحہ کے واجب ہونے کا امام ومقتدی کے لیے تمام نمازوں میں سفر کی ہوں یا حضر کی جبری ہوں یا سری۔

اور اس کے تحت دوسری حدیث: یوں نقل کرتے ہیں:

”عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔“

جس کا ترجمہ یوں ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا۔

اور اس حدیث کے ذریعہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ نمازی چاہے مسافر ہو، مقیم ہو، امام ہو، مقتدی ہو، سری نماز پڑھ رہا ہو یا جھری نماز پڑھ رہا ہو، امام کے پیچھے ہو یا خود امام ہو، نمازی نمازی ہے اور کسی نمازی کی نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا باب باندھ کر یہ حدیث اسی لیے ذکر کی کہ سورۃ فاتحہ ہر حال میں ضروری ہے۔

ملتانی صاحب کی اندھیر نگری دیکھیں امام صاحب کا باندھا ہوا باب ادھوراً نقل کیا کیوں؟ تاکہ پول نہ کھل جائے اور پھر حدیث میں لمن لم یقرأ تھا اس کو لمن یقرأ کر دیا بنگلور میں چھپی ہوئی بارہ مسائل کا صفحہ نمبر ۳۸ دوبارہ دیکھ لیں، امام صاحب اللہ کے رسول کا فرمان یہ بتلا رہے ہیں کہ جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی اور مولوی ملتانی یہ نقل کرتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

ایک مزید بات

ہو سکتا ہے کہ کوئی بھائی یہ کہنے لگ جائے کہ مولوی ملتانی کا مقصد تو اس سے صرف اتنا تھا کہ امام بخاری کے نزدیک فاتحہ الکتاب قرأۃ ہے۔ اور کچھ نہیں تو میں ادبا عرض کروں گا کہ آپ نے بجا فرمایا لیکن ان کو یہ دو خیانتیں کرنے کی ضرورت کیا تھی کیا وہ بے مقصد تھیں امام بخاری کے الفاظ بھی آدھے ادھورے نقل کیے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھی چوری کر لیے آخر اس کی ضرورت کیا تھی فاتحہ پڑھنے کو قرأۃ بھی کہا جاتا ہے اس کا انکاری کون ہے اپنے حلقہ میں امام بخاری کا نام لیکر الحمدیث پر کچھڑ اچھالنے کے چکر میں یہ بھی بھول گئے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

قرأت فاتحہ کا نام نہیں

اگر مولوی ملتانی نے بخاری دیکھی ہوتی تو ایسی حماقت نہ کرتے کہ امام بخاری جنہوں نے اپنی صحیح کے علاوہ مستقل ایک کتاب امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر لکھی ہو اور اس کی فرضیت کے قائل ہوں اور مخالفین کے موہوم دلائل کے بخیئے ادھیڑے ہوں اس ہستی سے ذبح کی ممانعت ثابت کرنے چلے اور لگے ڈینگیں مارنے اگر قرأت سے مراد جیسا کہ مولوی ملتانی لکھتے ہیں ہر جگہ فاتحہ ہوتا ہے تو بخاری کے اسی کتاب الاذان کے دیگر ابواب پر بھی نظر ڈال لیں باب ۹۶ ہے باب القراءة فی الظہر، باب ۹۷ ہے باب القراءة فی العصر، باب ص ۹۸ ہے باب القراءة فی المغرب اور اسی طرح دسیوں ابواب امام بخاری نے بخاری میں قائم کئے ہیں۔

اب آپ تماشہ یہ دیکھیں کہ مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کہتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک فاتحۃ الكتاب قرأت ہے۔ لیکن بخاری شریف ان بچاروں کا منہ چڑھا رہی ہے کہ بھیا یہ کیا اندھیر نگری ہے امام صاحب پر یہ کیسا بد نما الزام ہے وہ تو ایسا نہیں کہتے آئیے ایک باب دیکھ لیں، امام بخاری باب قائم کرتے ہیں۔

”باب القراءة فی المغرب“ یہ کتاب الاذان کا باب نمبر ۹۸ مطبوعہ دار عالم

الکتب، ریاض

حدیث نقل کرتے ہیں:

.....عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان قال ان ام الفضل سمعته وهو یقرأ والمرسلات عرفا فقالت: یا بنی واللہ لقد ذکرتنی بقراءتک هذه السورة انہا لاخر ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بها فی المغرب۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ام الفضل نے

ان کو ”المرسلات عرفا“ پڑھتے ہوئے سنا تو بولیں واللہ اے بیٹے تیری اس قرآنہ نے مجھے یاد دلا دیا یہ آخری سورت تھی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں پڑھتے سنا تھا۔ دیکھا آپ نے امام بخاری نے باب القرآنہ قائم کر کے یہ بتلادیا کہ قرآنہ کا مطلب صرف فاتحہ پڑھنا نہیں ہوتا اور جو لوگ ایسا سمجھ رہے ہیں وہ اپنی عقل کے ناخن لیں۔ مولوی ملتانی کی تیسری بدحواسی:

(۳) عن انس قال كان النبي صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر يستفتحون القرآنة بالحمد لله رب العالمين.

سنن نسائی ۱۴۳/۱۔ بخاری ج ۱، ص ۴۰۱

”حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما قرآنہ شروع کرتے تھے الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ۔“ (۴) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تکبیر کے ساتھ اور قرآنہ الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ۔ مسلم (۱۹۴/۱) نیز امام نسائی نے (۱۴۲/۱، ۱۴۳) پر چار باب قائم کئے ہیں باب الدعائین التکبیر والقرآنہ ان میں قرآنہ سے مراد فاتحہ ہے کیونکہ یہ دعائیں تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان پڑھی جاتی ہیں پس معلوم ہوا کہ امام نسائی کے نزدیک فاتحہ قرآنہ ہے۔ نوٹ اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک صحیح صریح مرفوع متصل حدیث پیش کر رہے ہیں جس میں سرائست ہو کہ فاتحہ قرآنہ نہیں ہے اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کئے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

ناظرین کرام! ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب بخاری سے جو کچھ ثابت کیا ہے وہ اس بدحواسی کو زائل کرنے کے لیے کافی ہے۔ قرأت یا القراءة جس طرح فاتحہ پڑھنے پر بولا جاتا ہے ویسا ہی دیگر سورتوں کے پڑھنے پر بھی، امام بخاری نے اس کو بیسوں ابواب قائم کر کے بتلادیا ہے جو غلط فہمی ان کو امام بخاری سے متعلق تھی وہی امام نسائی سے متعلق ہے ہر بات کا جواب اس کتاب کو مزید طویل کر دیا جو پہلے ہی بہت طویل ہو چکی ہے۔ اب رہی بات نوٹ میں دیئے گئے چیلنج کی تو اوپر دی گئی بخاری شریف کی ابن عباس والی روایت صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ میں صحیح ہوں صریح ہوں مرفوع ہوں متصل ہوں اور ان تمام اوصاف کے لئے اس کا بخاری میں ہونا ہی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ اکابر محدثین و اجماع امت نے بخاری کی احادیث کو بلا تقلید صحت کا درجہ عطا کیا ہوا ہے اگر ایک اور حدیث آپ کو چاہیے تو آپ کی خاطر ایک مزید حدیث پیش خدمت ہے:

باب القراءة فی العشاء۔ حدثنا عدی بن ثابت سمع البراء

رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ والتین

والزیتون فی العشاء ماسمعت ابدا احسن صوتا منه او قراءة۔

(کتاب الاذان باب ۱۰۲۔ مطبوعہ ریاض ص ۱۸۶)

امام بخاری نے باب قائم کیا باب القراءة فی العشاء اور اس کے تحت حدیث نقل کی کہ حضرت براء بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا آپ سے بہتر قرأت یا آواز میں نے کوئی اور نہیں سنی۔ پتہ چلا کہ فاتحہ قرأت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں فاتحہ کا ذکر ہی نہیں اور باب ہے باب القراءة اور پڑھنے کا ذکر ہے والتین والزیتون کا جو ظاہر ہے فاتحہ نہیں ہے۔ یہ حدیث صحیح صریح مرفوع متصل ہے۔ اگر کسی ملتانی میں دم ہے تو اس کو غلط ثابت کرے۔

رہی بات آپ کی پیش کردہ حدیثوں کے ضعف کی تو آپ آئندہ دیکھ لیں گے

آپ کی یہ حسرت بھی پوری کر دی جائے گی۔

ملتانی صاحب کا فائدہ یا فساد

بے چارے ملتانی صاحب نے ازیں قبل یہ ثابت کیا تھا کہ فاتحہ الکتاب قرأۃ ہے، جس کو ہم نے باطل کیا یہاں تو جناب والا خود ہی یہ کہہ رہے ہیں کہ:

”آگے دلائل میں جہاں قرأۃ کا لفظ آئے گا وہاں فاتحہ بھی اس میں

داخل ہوگی کیونکہ فاتحہ بھی قرأۃ ہے۔“

اب یہ فائدہ ہے یا فساد کیونکہ جو کچھ بنایا تھا خود اپنے ہاتھوں ہی بگاڑ دیا لیکن ابھی بھی ذہن میں یہی ہے کہ ابھی بگڑا نہیں باقی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

”پس جو حکم قرأۃ کا ہوگا وہی فاتحہ کا ہوگا۔“

بچارے ملتانی صاحب اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ فاتحہ کا مسئلہ غیر منصوص نہیں ہے اور منصوص مسائل میں اجتہاد کی ضرورت نہیں پھر آپ اس قدر تک دود کیوں کر رہے ہیں ایک ایک لفظ کا سہارا ڈھونڈتے پھر رہے ہیں وہ بھی مل نہیں رہا ہے۔ آگے دیکھئے

آگے ملتانی صاحب نے ایک عنوان لگایا ہے محل نزاع اور اس کے تحت کئی دعوے کئے ہیں مثلاً:

۱۔ پہلے امام کے پیچھے قرأۃ ہوتی تھی بعد میں متروک ہو گئی۔

۲۔ امام کی قرأۃ ہی کو مقتدی کی قرأۃ قرار دیا گیا۔

۳۔ مقتدی کو خاموش رہنے اور امام پر اکتفا کا حکم دیا گیا ہے۔

۴۔ امام و مقتدی دونوں کی نماز قرأت کے ساتھ ہوتی ہے، امام کی حقیقتاً، مقتدی کی حکماً

ان چار دعوؤں میں سے کسی ایک کی بھی واضح دلیل پیش نہیں فرمائی بلکہ یونہی محض اٹکل سے اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جو ممکن نہیں اور جو موہوم دلائل اس کے لئے پیش فرماتے ہیں ان کی حقیقت ہم کھولے دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرات ہے۔

اس کے تحت حضرت جابر کی بظاہر چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

پہلی روایت۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے پیچھے قرأت کی اثناء نماز میں ایک آدمی نے اشارہ سے اس کو قرات سے منع کیا۔ نماز سے فراغت کے بعد اس نے منع کرنے کی وجہ پوچھی آپ نے دونوں کی بات سن لی فرمایا جو امام کے پیچھے ہو اس کے لیے امام کی قرات کافی ہے۔

(ملخص بارہ مسائل، ص ۳۹)

جواب: (۱)، یہ روایت اور اس معنی کی دیگر روایات خود علماء احناف کے نزدیک قابل استدلال نہیں کیونکہ روایتوں میں کئی طرح کے علل موجود ہیں۔ چنانچہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی اپنا فیصلہ یوں صادر فرماتے ہیں۔

لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النہی عن قرأۃ الفاتحہ خلف
الامام وکل ما ذکر وہ مرفوعا فیہ اما لا اصل لہ واما لا یصح

التعلیق الممجد ص ۹۹۔

یعنی صحیح مرفوع حدیث سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں اور مرفوع احادیث جو اس بارے میں پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو بے اصل ہیں یا غیر صحیح ہیں۔ موصوف نے السعایہ میں تو اس سے بھی زیادہ وضاحت سے فرمایا ہے۔“

تمام طرق حدیث پر نظر غائر ڈالنے سے یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہو گئی کہ قرأت خلف الامام کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت نہیں ممانعت بعض صحابہ کرام کے آثار سے ثابت ہوتی ہے اور اسی کو ہمارے اصحاب نے لے لیا ہے

اور اسی پر اعتماد کیا ہے اور کراہت کے قائل ہوئے ہیں۔

(۱) اما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يثبت النهي عن ذلك بسند

يعتمد به وكل ماروى من ذلك غير ثابت دیکھئے السعایہ (۳۰۲/۲)

(۲) خود جزء القراءت میں جس سے ملتانی صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے یہ

صراحت موجود ہے کہ اس شخص نے سح اسم ربک الاعلیٰ والی سورت پڑھی تھی اور

زور سے پڑھی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا اس

لیے جن روایات میں کوئی صورت پڑھی تھی اس کی وضاحت نہیں ان کو بھی اسی پر

محمول کیا جائے گا کیونکہ یہ سب احادیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ اور ظاہر

ہے آج بھی اگر کوئی امام کے پیچھے وہ بھی ظہر وعصر والی نمازوں میں اور وہ بھی

زور سے پڑھے گا۔ اس کو منع کیا جائے گا اور اس کو اجازت نہیں دی جائے گی نہ

اس میں فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے اور نہ فاتحہ پڑھنے سے منع ہی موجود ہے لہذا اس

سے فاتحہ کی ممانعت پر استدلال بے سود ہے۔

(۳) یہ احادیث جن کو ملتانی صاحب نے نقل کیا ہے خود امام بیہقی اور امام دارقطنی

ودیگر محدثین نے ان کو معلول قرار دیا ہے یہ بہت بڑی دھاندلی ہے کہ آپ ان

کی بیان کردہ روایت تو بیان کریں اور ان سے متعلق جو وہ اپنا فیصلہ لکھتے ہیں اس

پر جرح کرتے ہیں اس کو آپ ہضم کر جائیں یہ دیانت داری نہیں ہے۔

(۴) ملتانی صاحب کی چاروں روایتوں پر تفصیلی جرح تو بڑا وقت لیگی ہم مختصراً ان

پر ائمہ جرح وتعدیل کے فیصلوں کو نقل کرتے ہیں۔

لہذا۔ پہلی روایت میں ابو الولید مجہول ہے۔ والمجهول لانقوم به الحجة

امام بیہقی، دارقطنی اور ابن خزمیہ سب ہی اس کے مجہول ہونے پر متفق ہیں۔

دوسری روایت: جس کو ملتانی صاحب نے نقل فرمایا ہے امام دارقطنی نے اس کو نقل کرنے

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

کے بعد فرمایا:

”لم یسندہ عن موسیٰ بن ابی عائشہ غیر ابی حنیفہ والحسن بن

عمار۔ وھما ضعیفان۔“ دیکھئے سنن دارقطنی (۳۲۳/۱)

تیسری روایت: اس کی سند میں ابو الزبیر کی مدلس موجود ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ مدلس کا معنی قابلِ حجت نہیں لہذا استدلال غلط ہے۔

چوتھی روایت: اس حدیث کی سند میں بھی مذکورہ بالا علت موجود ہے۔

پانچویں حدیث: اس حدیث کے تمام طرق کو محدثین نے معلول قرار دیا ہے یہاں اس روایت میں سب سے ظاہر علت اس کا مرسل ہونا ہے جو صحیح صریح مرفوع متصل کے مقابلے میں ہرگز حجت نہیں ہو سکتی۔

چھٹی حدیث: یہ بھی مرسل ہے نیز محدثین کے نزدیک خود امام محمد جب امام مالک کے علاوہ سے روایت کریں تو ضعیف شمار ہوتے ہیں لہذا یہ روایات قابلِ استدلال نہیں۔

مندرجہ بالا کلام جو ان روایات پر کیا گیا ہے ان کی اسنادی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے اگر ہم ان کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو بھی ملتانی صاحب کا مطلب ان احادیث سے پورا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ متعدد علماء کرام نے فرمایا ہے:

من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قرأۃ۔

یہ ہیں وہ الفاظ جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ لیکن ملتانی صاحب ان کا من مانا ترجمہ کرتے ہیں جس سے لگتا ہے کہ ان الفاظ سے ان کی بات بن رہی ہے حالانکہ ان الفاظ سے ان کی بات پوری نہیں ہوتی کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأۃ اس کی قرأۃ ہے۔ اس میں لفظ اس کی جو ترجمہ ہے لہ کا اس میں جو

ضمیر ہے اس کا مرجع کیا ہے یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے اس ضمیر کے کئی مرجع ہو سکتے ہیں ایک ”امام“ جو قریب ہے دوسرا ”من“ جو بعید ہے اب قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر اپنے اقرب مرجع کی طرف لوٹے اور وہ ”امام“ ہے اور جب ہم اس ضمیر کو اقرب مرجع کی طرف لوٹائیں تو اس صورت میں اس فقرہ کا معنی یہ ہوگا کہ امام کی قرأت امام کے لئے ہے یعنی مقتدی کو اپنی قرأت خود کرنی ہوگی۔ مولوی ملتانی صاحب نے ضمیر کو بلا قاعدہ البعد مرجع کی طرف لوٹایا ہے جو قاعدہ کے خلاف ہے اس لیے ان کا ترجمہ غلط ہے۔

اب ان روایات میں موجود مندرجہ بالا فقرہ ”من کان له امام فقرأه الامام قراءة له یا له قراءة“ صاف صاف یہی بتلا رہا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی نہیں ہے۔

اس کی پوری بحث ہماری کتاب (مسئلہ قرات کی حقیقت میں ملاحظہ کریں)

جب امام کی قرأت کافی نہیں تو ملتانی صاحب کی ساری عمارت زمیں بوس ہوگئی اور ان کا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ اگر اس کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی ملتانی صاحب کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ جب دیگر صحیح احادیث میں فاتحہ کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو ان احادیث کا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ امام فاتحہ کے علاوہ دیگر قرأت میں مقتدی کی طرف سے قاری مانا جائے گا مقتدی کو فاتحہ کے علاوہ کچھ اور پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

ان احادیث کے مطالعہ سے یہ بات صاف ہے جیسا کہ ہم ازیں قبل بھی بتلا چکے ہیں ان احادیث میں ممانعت اس بات کی، کی گئی ہے کہ کوئی شخص امام کے پیچھے زور سے قرأت کرے فاتحہ یا کوئی دوسری صورت پڑھے اگر زور سے یعنی آواز بلند نہیں کرتا بلکہ آہستہ آہستہ پڑھتا ہے تو اس کی نا ممانعت ہے اور نہ یہ مراد ہی ہے کیونکہ دیگر صحیح احادیث میں الابام القرآن کے الفاظ صاف طور پر موجود ہیں۔

لہذا ملتانی صاحب کا دعویٰ محض باطل ٹھہرا۔ وهو المراد۔

چھٹی حدیث: حضرت عبداللہ بن شداد..... من کان له امام الخ

جواب: جواب اوپر گزر چکا ہے اس حدیث میں صاف ہے کہ وہ شخص جماعت میں امام کے پیچھے زور سے قرأت کر رہا تھا جس سے ان صحابی نے اس کو منع کیا۔ اور ظاہر ہے اہلحدیث و محدثین بھی امام کے ساتھ زور سے قرأت کرنے کو منع کرتے ہیں اور جہر کی اجازت نہیں دیتے۔

ساتویں حدیث: حضرت ابو درداء..... امام کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہے۔

(بارہ مسائل ص ۴۰)

جواب: یہ حدیث جس کو ملتانی صاحب نے دارقطنی سے نقل کیا ہے تعجب ہے دارقطنی سے اپنے مطلب کی روایت تو نقل کر لی مگر امام دارقطنی نے اس حدیث پر جو کلام کیا ہے اس کو ہضم کر گئے آخر ایسا کیوں؟ اور ظاہر ہے جھوٹ کے پیر ہی کتنے ہوتے ہیں ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک لائق استدلال تو کجا بطور حدیث پیش کر کے اس سے مسئلہ نکالنا بھی غلط ہے کیونکہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہی نہیں اس کو اس حدیث میں ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور یہ بہت بڑا جرم ہے اس پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔ لیکن مولوی ملتانی کو اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں اپنا مسلک بچنا چاہیے دین و ایمان بے شک داؤ پر لگ جائیں۔

ناظرین کرام امام دارقطنی و امام بیہقی نے اس حدیث پر دسیوں محدثین کے اقوال نقل فرمائے ہیں جو اس بات کو صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ جملہ:

”کہ امام کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہے۔“

ہرگز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ابو الدرداء کا قول ہے حدیث کے ایک راوی زید بن حباب کو وہم ہو گیا اس لیے اس نے اس جملہ کو مرفوع روایت کر دیا حالانکہ وہ ابو درداء پر موقوف ہے بلکہ زید بن حباب خود کبھی اس کو موقوف بھی

روایت کرتا ہے جیسا کہ امام بیہقی نے جزء القراءات حدیث ۳۸۰ میں ذکر فرمایا۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں :

”عن ابی الدرداء ان رجلا قال: یا رسول اللہ افی کل صلاة قرأۃ
قال: نعم، فقال رجل وجبت، فقال: ابو الدرداء: ما ارى الامام
اذا ام القوم الا قد كفاهم“

یعنی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا ہر نماز میں قرأۃ ہے آپ نے
فرمایا ہاں ہر نماز میں قرأت کرنا ہے اس شخص نے کہا تب تو واجب
ہوگی۔ تو ابو درداء نے کہا کہ میرا خیال تو یہ ہے کہ جب امام کسی قوم
کی امامت کرتا ہے تو اس کی قرأت ہی کافی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن خزیمہ نے اپنی کتاب میں اس بات پر
لمبی بحث کی ہے کہ یہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی
قرأۃ کافی ہے بلکہ اس کو صریحا غلط قرار دیا ہے۔

ایک اور طرح سے دیکھیں۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا
ہے کیا ہر نماز میں قرأت ضروری ہے، آپ فرماتے ہیں ہاں ضروری ہے تب وہ شخص کہتا
ہے تب تو واجب ہوگئی۔

ایک شخص کا سوال اور آپ کا جواب قرأت کو ضروری قرار دیتا ہے یہاں تک کہ
جب وہ یہ کہتا ہے کہ تب تو قرأۃ واجب ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سکوت
فرما کر اس کی تائید فرماتے ہیں۔ اب یہ کہنا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی کہہ
رہے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے۔ اول تو ماقبل سے میل نہیں
کھاتا دوسرے یہ کہ اس میں خیال اور رائے کی بات کہی جا رہی ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی بات رائے و قیاس خیال اور نظریہ پر نہیں یقین پر مبنی ہوتی ہے اس سے بھی یہ صاف طریقہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ بعد والا جملہ جس میں ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہے رسول کا نہیں کسی اور کا ہے اور وہ ہو سکتا ہے کہ ابو درداء کا ہو جیسا کہ دیگر محدثین فرماتے ہیں اس لیے اس کو استدلال میں پیش کرنا اور اس سے اپنا مطلب پورا کرنا سادہ لوحی تو ہو سکتی ہے اس کا نام علمیت نہیں رکھا جاسکتا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے جزء القراءة للامام بیہقی ص ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، مطبوعہ پاکستان۔ ثابت ہوا کہ یہ اثر دلیل نہیں بن سکتا ہے قول رسول کے ہوتے قول صحابی حجت نہیں بن سکتا۔

آٹھویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ..... امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

(بارہ مسائل، ص ۴۰)

جواب: تعجب ہے یہ حدیث ملتانی صاحب نے کتاب القراءة سے نقل فرمائی لیکن امام بیہقی نے اس کے بعد ہی اس حدیث پر جو کلام کیا ہے اور اس کا درجہ بتایا ہے اس کو چٹ کر گئے کس لیے؟ صرف اس لیے کہ اگر اس کو بھی نقل کر دیں گے تو سازی پول کھل جائے گی۔ اور مقصد فوت ہو جائے گا۔

ناظرین کرام! دیگر محدثین کرام نے اس حدیث کو کیسا بتلایا ہے وہ تو جانے دیجئے صرف امام بیہقی جن سے ملتانی صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے ان کا فیصلہ سن لیں۔

اس روایت میں ابو یحییٰ التیمی یعنی اسماعیل بن ابراہیم و محمد بن عباد الرازی دونوں ضعیف ہیں،

امام احمد بن حنبل سے نقل فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا اسماعیل بن ابراہیم ابو یحییٰ التیمی سخت ضعیف ہے، کتاب القراءة ص ۱۹۴

لہذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے ایسی سخت ضعیف سے آپ صحیح مرفوع متصل روایات کا مقابلہ کرنے چلے ہیں۔ تعجب ہے۔

ثانیاً حضرت ابو ہریرہ تو ہر حال میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں اور ان کا فتویٰ تمام کتب احادیث میں منقول ہے اگر مذکورہ بالا حدیث صحیح ہوتی تو وہ اس کے خلاف فتویٰ کیونکر دے سکتے تھے لہذا یہ بھی ملتانی کا وار خالی ہی گیا۔

نویں حدیث: عبد اللہ بن عمر..... امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

مخلص بارہ مسائل، ص ۴۰

جواب: اس کا جواب گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے ملتانی صاحب نے ترجمہ غلط کیا ہے اس لئے ان کو لگتا ہے کہ یہ ہمارے موافق ہے ورنہ ایسا ہے نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت منکر ہے جیسا کہ خود امام بیہقی نے اس پر جرح کر کے اس کے ضعف کو بتلا دیا ہے۔ جبکہ خود ابن عمر سے صحیح سند سے اس کے خلاف مروی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزاء القرات میں اور امام بیہقی نے کتاب القرات میں متعدد روایات نقل کی ہیں جس میں آپ نے امام کے پیچھے چپکے سے فاتحہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی دیگر صحابہ کرام کا بھی مسلک تھا امام کے پیچھے قرأت کرنے کو اگر چپکے چپکے ہو، ناپسند نہیں کرتے تھے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے مسئلہ قرات کی حقیقت ص ۲۲۳

دسویں حدیث: عبد اللہ بن عباس..... تجھے امام کی قرأت کافی ہے چاہے وہ آہستہ آواز میں قرأت کرے یا اونچی آواز سے۔ (خلاصہ بارہ مسائل، ص ۴۰)

جواب: امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے اپنی کتاب القرات میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ یہ منکر حدیث ہے، اس کا ایک راوی عاصم غیر قوی ہے اور یہ روایت اسی کا وہم ہے، امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی و دیگر محدثین تمام نے اس روایت کو عاصم کا وہم قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب القراءۃ

گیارہویں حدیث: حضرت انس..... کیا تم قرأت کرتے ہو جب کہ امام قرأت کر رہا ہو تو

صحابہ کرام چپ رہے آپ نے تین بار سوال کیا تیسری بار صحابہ نے عرض کیا ہاں ہم ایسا کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ کتاب القراءت

(مخلص بارہ مسائل، ص ۴۰، ۴۱)

جواب: کتاب القراءۃ للبيهقي کے حوالے سے یہ حدیث نقل کر کے امام بیہقی کا کلام اس حدیث کے تعلق سے حذف کر دینا اور اس کو ذکر نہ کرنا واقعی بڑی جرأت کی بات ہے، اور یہ جسارت بیجا ہمارے ملتانى بھائی کو بڑی اچھی لگتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس دنیا میں الحمد للہ بھی ہیں جو اس طرح کی گھٹیا حرکتوں کو برداشت نہیں کرتے اور برملا ذکر کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ حدیث عبید اللہ بن عمرو الرقی سے روایت کرنے والے ان کے تلامذہ میں یوسف بن عدی، عبد اللہ بن جعفر الرقی، اور یحییٰ بن یوسف الزمی، ومحمد بن الحسین ہیں جن میں یوسف بن عدی نے اس حدیث کو مختصر بیان فرمایا ہے اور باقی شاگردوں نے پورا بیان فرمایا اس حدیث کے آخر میں ہے:

”فلا تفعلوا وليقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه“۔

یعنی امام کے ساتھ جہر سے قرأت مت کیا کرو، ہاں فاتحہ الکتاب کو آہستہ پڑھ لیا کرو۔ تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب القراءۃ للبيهقي ص ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، دار الکتب

العلمیہ بیروت لبنان

سنن دارقطنی میں یوسف بن عدی سے ایک روایت مندرجہ بالا الفاظ جو اس روایت میں نہیں ہیں وہاں موجود ہیں لہذا امتلانی صاحب کے لیے یہ اثر کسی طرح مفید نہیں ہے۔

بلکہ ان کے خلاف ہے امام بخاری نے اپنی جزء القراءت میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے اوسط میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ

آہستہ آہستہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے۔ لہذا ملتانی صاحب سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنانا چھوڑ دیں۔ تفصیل کے لئے مسئلہ قرأت کی حقیقت ص ۲۱ دیکھئے

بارہویں حدیث: نواس بن سمعان..... میں نے رسول کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی میرے دائیں والے صاحب نے نماز میں قرأت کی بانیں والے کنکریوں سے کھیلتے رہے۔ نماز کے بعد آپ نے قرأت کرنے والے کو فرمایا امام کے پیچھے قرأت مت کر امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ کنکری والے سے فرمایا تمہیں نماز سے یہی حاصل ہوا۔ خلاصہ بارہ مسائل ص ۴۱، بحوالہ کتاب القرات۔

جواب: اس روایت کے تعلق سے اتنا لکھ دینا ہی ستاید کافی ہو کہ امام بیہقی اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سند باطل ہے اس کاراوی محمد بن اسحاق عکاشی جھوٹا راوی ہے حدیثیں گھڑا کرتا تھا، ملتانی صاحب کی بے چارگی کی یہ انتہا ہے کہ جھوٹی اور بناوٹی حدیثوں سے دلیل لینے پر بھی ان کا کام نہیں بن پارہا ہے امام بیہقی کے اس کلام کو نہ نقل کرنا ملتانی صاحب کی باطل پرستی اور حق پوشی و کوشی کی اچھی مثال ہے۔

تیرہویں حدیث: یحییٰ بن عبد اللہ یزید بن ابی عیاض سے مروی ہے..... امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ (خلاصہ بارہ مسائل، ص ۴۱، بحوالہ کتاب القرات بیہقی)

جواب: یہ حدیث سابقہ روایات کے مقابلے میں مزید ضعیف ہے یحییٰ بن عبد اللہ بقول امام بیہقی متکلم فیہ ہے۔ اور یزید بن عیاض سخت مجروح ہے امام مالک نے فرمایا وہ بہت جھوٹا ہے اور مشہور ناقد حدیث یحییٰ بن معین فرماتے ہیں یزید بن عیاض، کچھ بھی تو نہیں۔ اس کی حدیث لکھنے کے لائق نہیں۔ امام بخاری اس کو متروک الحدیث فرماتے ہیں۔

اس کی سند میں ایک اور بھی علت ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔

ایسی روایت سے استدلال وہی کر سکتا ہے جس کو حدیث سے کچھ لینا دینا نہ ہو یا

وہ جو مذہبی تعصب میں اندھا ہو کر لوگوں کو دھوکہ دیتا پھرے والعیاذ باللہ
ناظرین کرام!

مولوی ملتانی کی پیش کردہ تیرہ وہ احادیث جن سے نہ ان کے مدعا کو کوئی فائدہ
بہو نچا اور نہ ان کے موقف پر اس سے کوئی خاص روشنی ہی پڑی بلکہ یہ ثابت ہو گیا کہ ان
حضرات کے پاس کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اب ہم ان کی بے جا ضد کی طرف آتے
ہیں موصوف اُتے ہیں۔

مولوی ملتانی کا چیلنج

نوٹ: اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک صحیح صریح مرفوع
حدیث پیش کر دیں کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت نہیں
اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا
ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں
تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ (بارہ مسائل، ص ۴۱)

لیجئے حدیث صحیح مرفوع متصل موجود ہے اور یہ صرف مثال کے لیے ہے ورنہ ایک
دو نہیں کتاب القرأۃ جس سے ملتانی نے روایات نقل کی ہیں اس میں مولوی ملتانی صاحب
کی پیش کردہ روایات سے کئی گنا زیادہ روایات موجود ہیں احباب وہاں دیکھ لیں یہاں ہم
صرف ایک روایت پیش کر رہے ہیں جس کو امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اور امام نسائی نے
اس کو اپنی سنن میں امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں
متعدد مقامات پر نقل فرمایا ہے۔ امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام ترمذی،
دارقطنی، و امام بیہقی نے اس کو حسن قرار دیا ہے دیگر ائمہ نے بھی اس کو حسن قرار دیا ہے:

عن عبادة بن الصامت، قال: كنا خلف رسول الله صلى الله عليه

وسلم فى صلاة الفجر فقرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم
فتنقلت عليه القراءة، فلما فرغ قال: لعلكم تقرؤون خلف امامكم
قلنا: نعم هذا، يارسول الله قال: "لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه
لا صلاة لمن لم يقرأ بها۔"

(ابوداؤد کتاب الصلاة، ابواب تفریع استفتاح الصلاة حدیث نمبر ۸۲۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز فجر
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے آپ نے قرأت شروع
کی تو وہ آپ پر دشوار ہوگئی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید تم
لوگ اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ
جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۃ
فاتحہ کے علاوہ کچھ مت پڑھا کرو، کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز
نہیں ہوتی۔"

یہ حدیث صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت نہیں
کیونکہ اگر امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوتی تو آپ، تلاوت دشوار ہونے پر بھی اس
کے پڑھنے کا حکم نہ دیتے اور یہ نہ فرماتے کہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو، اگر امام کی
قرأت مقتدی کی قرأت ہوتی تو آپ ہرگز امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔

حدیث اپنی جگہ صحیح و صریح مرفوع متصل ہے اور اس کے ثابت کرنے کے لیے
اتنا ہی کافی ہے کہ اجلہ محدثین نے اس کو صحیح و حسن مانا ہے۔ یاد رہے محدثین کرام کے فیصلے
احادیث کے بارے میں ماننا تقلید نہیں ہے اس کو ہم پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں۔

اسی طرح ملتانی کی پیش کردہ روایات کو اصول محدثین کی بنیاد پر ناقابل
استدلال ثابت کیا جا چکا ہے دیکھ لیں اور اس کا نام تقلید نہیں ہے۔

امام کی قرأت کے وقت مقتدی خاموش رہیں

مولوی ملتانی صاحب نے اس عنوان کے تحت جو کچھ نقل فرمایا۔ وہ ایک مغالطہ اور ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس لئے تطویل سے بچتے ہوئے بنیادی بات ذکر کی جاتی ہے۔

آیت کریمہ - وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ سے

ملتانی صاحب یہ ثابت کر رہے ہیں کہ یہ آیت کریمہ گویا فاتحہ پڑھنے سے روک رہی ہے۔ حالانکہ اس آیت کریمہ کا تعلق نماز سے قطعاً ہے ہی نہیں اور جب نماز سے اس کا تعلق نہیں تو امام کے پیچھے فاتحہ سے کیونکر ہو سکتا ہے؟ تعجب تو یہ ہے کہ علماء احناف کی صراحت کے باوجود کہ یہ آیت کریمہ مسئلہ مابہ النزاع میں پیش کیے جانے کے لائق نہیں ملتانی صاحب نے اس کو پیش فرمادیا آخر کیوں؟ تو ظاہر ہے کہ ان کے پاس کوئی اور معقول دلیل نہیں ہے لہذا اس کو ہی پیش کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام! تمام مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ سورہ اعراف مکی سورت ہے اور یہ نبوت کے دسویں سال نازل ہوئی، علامہ سیوطی، بغوی اور صاحب روح المعانی نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس کے مکی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

یہ بات بھی تمام علماء بخوبی جانتے ہیں کہ نماز باجماعت کا حکم مدینہ طیبہ میں دیا گیا، اور ظاہر ہے جب تک نماز باجماعت ہوتی ہی نہ تھی اور نہ فرض تھی تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے روکنے کی بات کوئی عقلمند تو سوچ نہیں سکتا ایسی بات وہی کر سکتا ہے جو دن کے اجالے میں دھوکہ دینا چاہے، لہذا اس آیت کریمہ سے فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا نری

جہالت اور مغالطہ آمیزی ہے۔

ایک دوسری بات یہ بھی دھیان میں رہے کہ آیت کریمہ کا جو ترجمہ مولوی ملتانی نے کیا ہے:

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف خوب کان لگاؤ اور

خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے“

اس کو بار بار پڑھئے اور بتائیے کہ اس کے ترجمہ کے کس جز کا معنی یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھو، کس لفظ کا ترجمہ ہے فاتحہ اور کس لفظ کا ترجمہ ہے فاتحہ مت پڑھو جب آیت میں فاتحہ کا ذکر ہی نہیں تو اس سے اس کی ممانعت کشید کرنا کہاں کی علمیت ہے۔

ہو سکتا ہے کوئی یوں کہے کہ فاتحہ کا لفظ تو بے شک نہیں لیکن جب سننے اور چپ رہنے کا حکم ہے تو اس میں فاتحہ بھی داخل ہے، تو عرض یہ ہے کہ حضرت یہ تو آپ کا اجتہاد ہوا اس کو قرآن سے ثابت کہنا کہاں کی عقلندی ہے؟ رہی بات یہ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سننا چاہئے اور خاموش رہنا چاہئے یہ ایک عام حکم ہے اس لیے اس میں کسی کی خصوصیت نہیں فاتحہ بھی اس میں شامل ہے۔ تو میں کہوں گا کہ بجا فرمایا لیکن خاموش رہنے اور سننے کا معنی آج تک کسی نے فاتحہ نہ پڑھنا نہ بتلایا اور نہ ہی کسی لغت میں لکھا ہے، سننا ضد ہے نا سننے کی اور خاموش رہنا ضد ہے بولنے کی بولنا کہتے ہیں آواز منہ سے نکالنے کو جس کو دوسرے لوگ سن سکیں اور جب بات ایسی ہے تو فاتحہ دشمنی کا کوئی قرینہ یہاں نہیں فراہم ہوا ایک آدمی خاموش ہو اور پھر کچھ پڑھ بھی رہا ہو یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور اس کی ایک دو نہیں سیکڑوں مثالیں ہیں خود مولوی ملتانی نے اس کتاب کے ص ۳۷ پر جو حدیث حضرت ابو ہریرہ کی نقل فرمائی ہے جس میں ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسكت بين التكبير وبين

القرأة فقلت بابی انت وامی یارسول الله اسکاتک بین

التکبیر و بین القرأة ماتقول قال اقول اللهم باعد

اس میں دیکھئے رسول اکرم تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے تھے صحابی نے پوچھا آپ کا اس درمیان خاموش رہنا کس لئے ہے آپ کیا پڑھتے ہیں اس درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تکبیر اور قرأة کے درمیان کی خاموشی میں اللہم باعد بینی و بین الخ پڑھتا ہوں۔

صاف ہے کہ خاموشی بھی ہے اور رسول اکرم پڑھ بھی رہے ہیں صاف ظاہر ہے کہ خاموشی پڑھنے سے مانع نہیں ہے ایک آدمی بیک وقت خاموش ہو اور پڑھ بھی رہا ہو یہ ممکن ہے۔ لہذا آیت کریمہ اذا قرى القرآن الخ میں مقتدی سنتا بھی ہے اور خاموشی کے ساتھ الحمد پڑھتا بھی ہے ہاں آواز بلند کر کے پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے لہذا آہستگی کے ساتھ پڑھنا نہ صرف جائز ہوا بلکہ ضروری ہوا کیونکہ جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اسی نے یہ بات بتلا دی کہ بغیر فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی چاہے امام ہو یا مقتدی مسافر ہو یا مقیم، نماز سری ہو یا جہری اس لیے اس آیت کریمہ کی بنیاد پر فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا آیت کے معنی و مفہوم کو بدلنا اور اس میں معنوی تحریف کرنا ہے جو خود ظلم ہے۔

ایک اور بات

اگر یہ آیت کریمہ سورۃ فاتحہ کے متعلق ہے اور مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کو اس پر اصرار ہے تو براہ مہربانی وہ اگلی آیت بھی پڑھ لیں جس میں فاتحہ پڑھنے کی اجازت موجود ہے کیونکہ اگر یہ آیت کریمہ فاتحہ سے متعلق ہے تو اگلی آیت بھی اسی سے متعلق ہوگی اور اس میں یوں کہا گیا۔

”وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً وَ دُونَ الْحَمْدِ مِنَ الْقَوْلِ

بِالْعُدْوِ وَالْآصَالِ

یعنی اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کرو چپکے چپکے اور گڑ گڑاتے ہوئے
ہاں بات زبان سے باہر نہ نکلے اور یہ حکم صبح اور شام بجا لاؤ۔

ذرا ملاحظہ فرمائیں حکم ہو رہا ہے عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے بغیر آواز بلند کئے
ہوئے اپنے رب کو یاد کرو یعنی فاتحہ پڑھو ایک خاص بات قابل غور ہے اس میں غلّو
وآصال کا لفظ خصوصیت سے ذکر کیا گیا کیونکہ جہری قرأت ان نمازوں میں ہی ہوتی ہے
فجر مغرب وعشاء ان نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ پابندی لگادی ہے
کہ آواز بلند نہ ہو، فاتحہ پڑھنے کا کام نہایت خاموشی سے کیا جائے اب اگر آپ اس کو سمجھ
گئے ہیں تو اب پوری آیت کریمہ پڑھئے:

”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ (۲۰۴)

وَإِذْ كُنْزُ رَبِّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَذُوقَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعُدُوِّ
وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (۲۰۵) سورة اعراف

ترجمہ: جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر
رحم کیا جائے اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے جی میں عاجزی اور آہستگی
سے آواز بلند کئے بغیر صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

ان دونوں آیات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چاہئے ہاں
آواز سے نہیں بلکہ آہستہ آہستہ۔ لہذا ملتانی صاحب کی خامہ فرسائی بے سود محض ہے۔

ایک اور بات

اگر بات مولوی ملتانی صاحب کی تشریح کے مطابق مان بھی لی جائے تو عرض
ہے کہ امام کی قرأت جب مقتدی سن رہا ہو تو کان لگانا اور چپ رہنا ضروری ہوا۔ لیکن
اگر مقتدی صف میں اس قدر پیچھے ہے جہاں امام کی آواز ہی نہیں پہنچ رہی ہو تو کیا

مولوی ملتانی اینڈ پارٹی اس مقتدی کو فاتحہ آہستہ پڑھنے کی اجازت دے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بہرا ہے امام کی قرأت سنتا ہی نہیں کیا اس کے لیے فاتحہ کی اجازت ہے اگر ہے تو بسم اللہ فتویٰ دیجئے اور اگر نہیں تو بتایا جائے آخر کیوں؟

اب رہی یہ بات مولوی ملتانی کی کہ:

”امام جب قرأت کرے تو مقتدی خاموش رہیں اور چونکہ خاموش رہنے کا حکم امام کی قرأت پر مرتب ہو رہا ہے اور وہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں قرأت کرتا ہے تو مقتدی دونوں نمازوں میں خاموش رہے۔“

تو محض مغالطہ ہے امام کی قرأت کے وقت صرف خاموش رہنے کا حکم نہیں ہے بلکہ سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے اور یہ خاموشی تلاوت قرآن سننے ہی کی وجہ سے تھی جب تلاوت ہی ہم نہیں سن رہے تو خاموشی کا مقصد ہی فوت ہوا لہذا یہ کہنا کہ جہری و سری سب میں مقتدی خاموش رہے یعنی فاتحہ نہ پڑھے محض مغالطہ آمیزی ہے جو محض بے سود ہے۔

آخری بات

آیت کریمہ کا تفصیلی جواب ہماری کتاب مسئلہ قرأت کی حقیقت میں ملاحظہ کریں۔ یہاں آخر میں ایک بات عرض کرنا ہے اصول فقہ احناف کی اکثر کتابوں میں آیت کریمہ اذا قرى القرآن فاقروا ماتیسر من القرآن، دونوں کو باہم متعارض قرار دیا گیا ہے اور یہ بات صاف طور پر لکھی ہے کہ اس حالت میں دونوں آیتوں کا حکم ساقط ہے لہذا ان سے استدلال کرنا اصول احناف کی رو سے غلط ہے۔

تجربہ ہے مولوی ملتانی اس صراحت کے باوجود اس آیت کریمہ کو استدلال میں پیش کر رہے ہیں جس کو حنفی فقہاء و اصولیین نے حکماً ساقط مانا ہے؟

یہاں تک تو بات تھی آیت کریمہ کی۔ اب دو ایک بات ان احادیث کے متعلق بھی سن لیں جن کو مولوی ملتانی نے پیش کیا ہے۔

پیش کردہ احادیث جو ہمارے خلاف نہیں اور مولوی ملتانی کے موافق نہیں

مولوی ملتانی نے چھ احادیث نقل کی ہیں جن میں ایک ہی حکم ہے اذاقراء فانصتوا، جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو!

قطع نظر اس کے کہ یہ روایات سند کیا حیثیت رکھتی ہیں اور ناقدین حدیث مثل امام بخاری، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی بن معین، وغیرہ نے جملہ اذاقراء فانصتوا کے بارے میں کیا فرمایا ہے ہم صرف اس کے معنی پر توجہ کرتے ہیں اور مولوی ملتانی اینڈ پارٹی کو بتانا چاہتے ہیں کہ ان روایات میں نہ تو فاتحہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور نہ یہ فاتحہ کے خلاف ہیں یہاں صرف اتنی سی بات ہے کہ امام کے پیچھے جبراً کوئی چیز نہ پڑھی جائے سر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ منع بھی نہیں بلکہ الابام القرآن جیسی صحیح حدیث سے اس کا پڑھنا لازم و ضروری ثابت ہے۔

ایک شخص منہ سے آواز نہ نکالتے ہوئے آہستہ آہستہ پڑھے اور امام کی قرأت بھی سنے یہ بالکل ممکن ہے لہذا دونوں احادیث پر عمل کرنا ضروری ہوا کیونکہ جہاں جمع کرنا ممکن ہو وہاں نسخ کی بات نہیں کی جاتی اور یہاں دونوں احادیث پر عمل ممکن ہے۔

چھٹی حدیث جو مولوی ملتانی نے نقل فرمائی ہے:

اتنی بات تو اس سے اندھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ امام کے پیچھے ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ پڑھنے والے کو رسول نے منع کیا کیونکہ وہ اتنی آواز سے پڑھ رہا تھا کہ آپ کو تلاوت کرنے میں دشواری ہو رہی تھی اس سے پتہ چلا فاتحہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کو وہ بھی بلند آواز سے پڑھنے کو منع کیا گیا ہے اور بس۔

مولوی ملتانی کا چیلنج

مولوی ملتانی فرماتے ہیں:

اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک حدیث صحیح مرفوع متصل پیش رک دیں جس میں آپ نے مقتدیو کو اذا کبر فکبروا اذا رکع فارکعوا اذا سجد فاسجدوا کی طرح حکم دیا ہو، اذا قرأ فاقروا اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال اور آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں تو ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“ (بارہ مسائل، ص ۴۴)

جواب: مولوی صاحب اس طرح کی احادیث ازیں قبل بھی نقل کی جا چکی ہیں اگر اب بھی آپ کا پیٹ نہیں بھرا تو ملاحظہ فرمائیں:

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی باصحابہ بعض صلوٰۃ فقال: اتقرون فی صلاتکم والامام یقرأ“ حتی قالہا ثلث مرات۔ فقال قائل او قائلون: انا لنفعل قال: ”فلا تفعلوا، ولیقرأ احدکم بفاتحة الكتاب فی نفسه“

(کتاب القراءات للبيهقي، سنن الكبرى للبيهقي)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ کرام کو کوئی نماز پڑھائی اور اس کے بعد پوچھا کیا امام کے قرأت کرنے کے وقت امام کے پیچھے تم کچھ پڑھتے رہتے ہو، یہ سوال آپ نے تین بار دہرایا تو ایک صاحب نے یا کئی لوگوں نے جواباً کہا ہاں ہم ایسا کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایسا مت کرو ہاں فاتحہ

ہر ایک کو اپنے جی میں پڑھنا چاہئے۔

شاید اسی ہدایت کا سبب ہے کہ خلفاء راشدین و دیگر اجلہ صحابہ کرام اس پر سختی سے عامل رہے۔ چنانچہ مشہور تابعی یزید بن شریک التیمی بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

اقرأ وراء الامام يا امير المؤمنين؟ قال نعم، قال: وان قرأت يا امير

المؤمنين قال وان قرأت (کتاب القرات للبیہقی ص ۹۰)

کیا میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھوں انہوں نے فرمایا ہاں پڑھو میں

نے پوچھا اگرچہ آپ قرأت کر رہے ہوں فرمایا ہاں چاہے میں

قرأت کر رہا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے

بارے میں سوال کیا تو امیر المؤمنین نے فرمایا: ”اقرأ بفاتحة الكتاب“ سورہ فاتحہ پڑھ لیا

کرو۔ انہوں نے کہا چاہے آپ کے پیچھے ہوؤں کہا چاہے میرے پیچھے ہو میں نے کہا

چاہے آپ جہر سے قرأت کر رہے ہوں بولے چاہے میں جہر سے قرأت کر رہا ہوں۔

یہ روایات صحیح ہیں:

ہم نے ملتانی صاحب کا مطالبہ پورا کر دیا ہے اب وہ اپنا وعدہ پورا کریں۔

مدرک رکوع مدرک رکعت ہے

مولوی ملتانی صاحب کا یہ دعویٰ اس لیے ہے کہ ان کے خیال میں چونکہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے اور اس نے فاتحہ پڑھی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ فاتحہ ضروری نہیں بغیر فاتحہ کے نماز ہو جاتی ہے۔

لیکن ملتانی صاحب جیسے لوگ جب اس مسئلہ پر لکھتے ہیں تو ان کے ذہن میں صرف ایک بات رہتی ہے کہ ابو بکرؓ نے فاتحہ نہیں پڑھی تھی لہذا بس اتنا کافی ہے اور یہ فاتحہ نہ پڑھنے کے لئے دلیل ہے حالانکہ، حضرت ابو بکرؓ کی روایت میں کئی اور باتیں بھی ہیں ان میں سے کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں حضرت ابو بکرؓ مسجد میں آئے جیسے ہی داخل ہوئے نظر پڑی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں ہیں فوراً رکوع میں چلے گئے اور پھر یہاں سے صف تک رکوع کی حالت میں چل کر گئے اور صف میں ملے رسول اکرم نے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر فرمایا اللہ تمہاری حرص کو زیادہ کرے آئندہ ایسا مت کرنا۔“

چونکہ یہ واقعہ، کہ کوئی مسجد کے دروازے سے رکوع کر کے صف تک چلتا جائے اور امام کے ساتھ سلام پھیر دے بالکل نیا تھا نہ رسول اکرم نے اس کے متعلق کچھ فرمایا تھا اور نہ صحابہ کرام ہی کو اس کا حکم معلوم تھا۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ آئندہ ایسا مت کرنا۔ اور جب رسول نے منع کر دیا تو اب کسی دوسرے کے لئے کیسے جائز ہوگا کہ وہ بھی رکوع میں مل کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے اور فاتحہ وغیرہ کو غیر ضروری خیال کرے۔

ملتانی صاحب جیسے حضرات کا یہ کہنا کہ نماز صحیح ہے مت لوٹا، اور اس کو ”ولا تعد“

سے ثابت کرنا غلط ہے کیونکہ طہرائی میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”صل ما ادرکت واقض ما سبقك“

یعنی جو ملے وہ پڑھو جو چھوٹ جائے اس کو پورا کرو۔

اب اس کے ہوتے وہ تاویل کیسے درست کہی جاسکتی ہے جو ملتانی صاحب فرما رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرہ نے صرف فاتحہ ہی نہیں چھوڑی تھی ان سے تکبیر تحریمہ اور قیام بھی فوت ہو گیا تھا اور یہ دونوں تو احناف کے نزدیک بھی ضروری ہیں قیام تو رکن صلاۃ ہے اگر اس روایت سے فاتحہ ساقط ہوتی ہے تو اب قیام اور تکبیر تحریمہ بھی ساقط فرمادیں، ساتھ ہی نماز میں وہ بھی رکوع کی حالت میں چلنے کو جائز کر دیں۔ اگر ان تین چیزوں کا فتویٰ آپ دیدیتے ہیں قیام ضروری نہیں تکبیر تحریمہ ضروری نہیں نماز میں خصوصاً رکوع میں چلنا بھی درست ہے تو پھر آپ فاتحہ پر ہاتھ صاف کیجئے گا اور جب تک قیام تحریمہ، اور نماز میں چلنے کا جواز نہیں مان لیتے تب تک فاتحہ کو غیر ضروری قرار دینا مناسب نہیں ہوگا۔

ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”اگر کوئی مقتدی امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی رکعت ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس نے تکبیر تحریمہ کہنے کی مقدار قیام بھی کیا ہو اور تکبیر تحریمہ بھی کہی ہو۔“ (بارہ مسائل ص ۴۴)

ملتانی صاحب اور ان کے حواریوں سے عرض ہے کہ وہ حضرت ابوبکرہ کی روایت میں قیام بقدر تکبیر تحریمہ اور تکبیر تحریمہ کہنا دونوں ثابت فرمائیں ان کی روایت میں یہ دونوں چیزیں موجود نہیں اور آپ ان کو ضروری قرار دے رہے ہیں اور اس کو شرط قرار دے رہے ہیں روایت میں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے یہ آخر کہاں سے نکالا اگر کسی اور حدیث سے نکالا ہے تو فاتحہ بھی دوسری حدیث سے ضروری قرار پائے گی اس کو ساقط کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے یہ ترجیح بلا مرجع اور نا انصافی ہی ہوگی۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مدرک رکوع کے مسئلہ کو فاتحہ کی بحث میں ذکر کرنا مناسب نہیں اور ابوبکرہ کی حدیث سے استدلال درست نہیں۔

اب رہی بات ”من ادرك الركعة فقد ادرك الركوع“ کی تو اس سے بھی استدلال درست نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ یہ ایک خصوصی صورت ہے شریعت نے اس میں ایک نیا حکم دیا اس پر قیاس کر کے اس کو حکم کلی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

ثانیاً: اس حدیث کا معنی جیسا کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی یعنی کہ رکعت پوری ہوگئی دہرانے کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ درست نہیں معنی تو یہی ہے جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی لیکن یہاں مراد رکعت سے ثواب رکعت ہے تاکہ رکعت کیونکہ جس طرح یہ حدیث ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة، جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی اور ظاہر ہے اس کا یہ معنی تو صریحاً غلط ہے کہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھنے والے کو امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہئے کیونکہ اس کی نماز پوری ہوگئی اور چھوٹی ہوئی رکعات پڑھنی ضروری نہیں کیونکہ اس کا کوئی قائل نہیں لہذا ایسا معنی بیان کیا جائے گا جس سے حدیث کا معنی درست ہو سکے اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کے معنی یہ کئے جائیں کہ جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی اس نے یہ نماز جماعت سے پڑھنے کا ثواب پالیا اگرچہ چھوٹی ہوئی رکعات کو دہرانا پڑے گا۔ اسی طرح جس شخص نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے یہ رکعت امام کے ساتھ جماعت سے پڑھنے کا ثواب پالیا یہ معنی نہیں کہ یہ رکعت اس کو دہرائی نہیں ہے رکعت تو پڑھنی پڑے گی کیونکہ قیام اور فاتحہ دودو رکن اس سے فوت ہو گئے اس لئے یہ رکعت ہونے کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اس کو امام کے ساتھ یہ رکعت پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔

علامہ محمد اسماعیل صنعانی شارح بلوغ المرام کی طرف جو بات منسوب کی ہے وہ آدھی ادھوری ہے بلکہ ملتان صاحب کی خائن طبیعت کی آئینہ دار ہے۔

صنعانی صاحب نے سبل السلام میں حضرت ابوبکرہ کی حدیث کی شرح میں فرمایا:

الحدیث يدل على ان من وجد الامام راكعا فلا يدخل في

الصلاة حتى يصل الصف لقوله صلى الله عليه وسلم "ولا تعد"

وقيل بل يدل على انه يصح منه ذلك لانه صلى الله عليه وسلم

لم يامر بالاعادة لصلاته فدل على صحته. قلت: لعلة صلى الله

عليه وسلم لم يامر لانه كان جاهلا للحكم الجهل عذر

(سبل السلام (۴۷/۲) مطبوعه احياء التراث الاسلامی)

یعنی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حالت رکوع میں اگر مصلی امام کو پائے تو صف میں پہونچنے سے پہلے رکوع نہ کرے کیونکہ آپ کا فرمان ولا تعد آئندہ ایسا نہ کرنا اسی کا مشعر ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا درست ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نماز دوہرانے کا حکم نہیں دیا جس سے پتہ چلا کہ اس کی نماز صحیح ہوگئی۔

میں کہتا ہوں (علامہ صنعانی) اللہ کے رسول نے اس کو اعادہ کا حکم اس لیے نہیں

۱۔ مولوی ملتان نے ترجمہ کیا ہے مت لوئا تو، یعنی اپنی نماز کو مت لوئا تیری نماز صحیح ہے یہ ترجمہ نہیں تحریف ہے مت لوئا یا تیری نماز صحیح جیسی بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تب کہتے جب وہ لوئا رہے ہوتے یا انہوں نے یہ پوچھا ہوتا کہ میں نماز لوئاؤں یا میری نماز صحیح ہے جب حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں تو اپنی طرف سے احتمال پیدا کرنا تحریف معنوی کرنا ہے۔

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

دیا کہ وہ مسئلہ نہیں جانتے تھے اور جہل ظاہر ہے عذر ہے۔

اس عبارت سے ان کے رجحان کو سمجھنا آسان ہے اور وہ ملتانی اینڈ گروپ کے خلاف ہے۔

ملتانی صاحب نے مدرک رکوع مدرک رکعت ہے اس کے لیے کتب احناف کو چھوڑ کر غیر مقلد مولویوں کی کتابوں سے مدد لی ہے۔ جو ان کی بے چارگی کی دلیل ہے۔ فتاویٰ ستاریہ میں مسئلہ زیر بحث میں جو کچھ ہے اس کا کافی و ثانی جواب فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ، فتاویٰ المجدیث میں موجود ہے۔

حکیم محمد اسرائیل صاحب کی کتاب اس بارے میں تازہ ترین کتاب ہے جس کا نام ہے مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں۔ مطبوعہ دہلی صرف اس کو ہی دیکھ لیجئے۔ اور اس طرح مولوی ملتانی صاحب کے اس قسم سوم کا جواب بھی مکمل ہوا۔ رہی بات ان کے چیلنج کی تو اس کا جواب بھی حاضر ہے، مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

نوٹ: اگر غیر مقلدین صرف اور صرف ایک صحیح صریح مرفوع متصل حدیث پیش کر دیں جس میں صراحۃً مذکور ہو کہ مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ احادیث کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں تو ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ (بارہ مسائل، ص ۴۵)

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اذا اقيمت الصلاة فلاتأتوها تسعون و آتوها تمثون و علیکم السکينة فما ادرکتہم فصلوا و ما فاتکم فاتموا۔ بخاری (۱/۳۵۲)

عن الاعرج قال سمعت ابا ہریرۃ یقول لا یحزیک الا ان تدرک الامام قائمًا قبل الرکوع۔ رواہ البخاری فی جزء القراءة

(۳) عن عبد الرحمن الاعرج عن ابی ہریرۃ قال اذا ادركت القوم ركوعا لم

تعتد بتلك الركعة، رواه البخاری فی جزئہ ومسدد فی مسنده۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا آپ فرماتے تھے جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑتے ہوئے مت آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ سکون کے ساتھ جو نماز ملے وہ پڑھ لو اور جو حصہ چھوٹ جائے اس کو پورا کرلو۔ بخاری (۳۵۲/۱)

(۲) حضرت عبد الرحمن اعرج بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا وہ کہتے تھے جب تک امام کو حالت قیام میں رکوع سے پہلے نہیں پالیتا تیری رکعت نہیں ہوگی۔ بخاری جزء القراءة

(۳) حضرت عبد الرحمن اعرج حضرت ابو ہریرہ سے بیان کرتے ہیں: انہوں نے فرمایا جب تم آؤ اس حال میں کے لوگ رکوع میں ہیں تو اس رکعت کو شمار نہ کرو۔ یہ تین روایات پیش خدمت ہیں پہلی روایت میں جو بخاری کی ہے اس بات کی صراحت موجود ہے کہ نماز کا جو حصہ چھوٹ جائے اس کو پورا کرنا پڑے گا مدرک رکوع مدرک رکعت نہ ہوگا کیونکہ اس سے قیام، اور فاتحہ دونوں فوت ہو گئیں، دوسری اور تیسری روایت میں صاف صاف مذکور ہے کہ رکعت نہ ہوگی یعنی مدرک رکوع مدرک رکعت نہ ہوگا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں حدیث اول کی شرح میں لکھتے ہیں:

استدل بهذا الحديث على ان من ادرك الامام راكعاً لم تحسب

له تلك الركعة للامر باتمام ما فاتته الوقوف والقراءة فيه وهو قول

ابی ہریرۃ وجماعة بل حكاه البخاری فی القراءة خلف الامام

عن كل من ذهب الى وجوب القراءة خلف الامام واختاره ابن

خزيمة والضبيعي وغيرهما من محدثي الشافعية وقواه الشيخ

تقی الدین السبکی من المتأخرین واللہ اعلم۔

ترجمہ: فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو اس کی یہ رکعت شمار نہ ہوگی کیونکہ اس میں صاف حکم ہے کہ مافات کو پورا کرو اور رکوع کی حالت میں ملنے والے کے قرات اور قیام دونوں فوت ہو گئے۔ یہی مسلک ہے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت کا بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءة میں یہ قول تمام ان حضرات سے نقل کیا ہے جو قرأت خلف الامام کے وجوب کے قائل ہیں۔ یہی مذہب امام ابن خزیمہ، امام ضعی وغیرہ۔ ان محدثین کا ہے جو امام شافعی کی طرف منسوب ہیں اور اس کو قوی قرار دیا ہے۔ متأخرین شافعیہ میں سے علامہ سبکی رحمہ اللہ نے۔ واللہ اعلم۔

ہم نے ملتانی صاحب کا وعدہ پورا کر دیا ہے ان کو بھی اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔ یاد رہے مدرک رکوع مدرک رکعت ہے اس بارے میں ایک بھی حدیث صریح مرفوع متصل نہیں ہے اور جو مولوی ملتانی صاحب نے روایات پیش کی ہیں ان میں کوئی بھی صریح نہیں ہے کیونکہ ابوبکرہ کی روایت تو ظاہر ہے صریح نہیں۔ دوسری روایت ابو داؤد کی ہے اس میں ”من ادرك الركعة فقد ادرك الصلاة“ میں رکعت سے مراد رکوع لیا ہے جو صریحا اس بات پر دلیل ہے کہ اس پر ان کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں کیونکہ رکعت کو رکوع کر دینا زبردستی ہے۔

رہی تیسری حدیث جس کو ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے اس میں بھی رکوع پانے سے مراد، فضل الركوع وقت الصلاة، یا ”ثواب الركعة“ ہے جیسا کہ محدثین کرام نے بیان فرمایا ہے اس لئے ملتانی صاحب کا دعوی غلط اور ہم سے مطالبہ بے جا ہے

جبکہ ان احادیث کی اسناد پر محدثین کو سخت کلام ہے، کتاب القراءۃ میں بیہقی نے ان کی تضعیف کی ہے۔ اصل مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے فرض و ضروری ہونے کا ہے اس پر لاتعداد احادیث صریح صحیح مرفوع متصل موجود ہیں اور جب اس کے بغیر نماز نہ ہونے کی احادیث صاف صریح موجود ہیں تو ظاہر ہے اس صورت میں اس کا خلاف تلاش کرنا محال کی تلاش ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ ملتانی صاحب کا موقف ثابت نہ ہو سکا اور جو دعویٰ ان کا تھا اس پر کوئی صاف صریح مرفوع متصل روایت پیش نہ کر سکے وہو المراد۔

قسم چہارم

قسم چہارم میں ملتانی صاحب نے جو چار روایات نقل کی ہیں، جن میں ایک حضرت ابو ہریرہ کی دوسری حضرت جابر کی اور ایک حضرت ابن عباس کی ہے مزید اور روایات کا بھی تذکرہ کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ کثرت طرق سے یہ روایات صحیح یا حسن ہو جاتی ہیں۔

عرض یہ ہے کہ ملتانی صاحب کے اس رویہ سے یہ بات تو صاف ہو گئی کہ انہوں نے جو روایات پیش کیں وہ خود ان کے نزدیک بھی ضعیف ہیں اس سے کثرت طرق کا بہانہ بنا کر ان کو صحیح کرنا چاہا ہے۔ لیکن شاید ملتانی صاحب کثرۃ طرق کا معنی نہیں جانتے یا جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں شاذ و منکر قسم کی روایات کثرت طرق سے صحیح نہیں ہو سکتیں، پھر یہاں کثرت طرق موجود ہی نہیں۔

ملتانی صاحب نے اس باب میں جو روایات پیش کی ہیں تینوں صحابہ کرام اپنی ان روایات کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور احناف کا یہ اصول معروف ہے کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اعتبار فتویٰ کا ہوگا اس کی روایت کا نہیں اس صورت میں حضرت ابو ہریرہ حضرت جابر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی پیش کردہ روایات خود فقہ حنفی کی رو سے قابل استدلال نہیں۔

جب کہ پہلی روایت میں عبد الرحمن بن اسحاق المدنی ہے جو محدثین کے نزدیک مضطرب الحدیث و اہم، غیر مثبت غیر قوی جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ کا فتویٰ موجود ہے ان سے پوچھا گیا اگر ہم امام کے پیچھے ہوں تو فاتحہ پڑھیں یا ناپڑھیں جواب دیا چپکے چپکے پڑھو، ”اذا نكحنا وراء الامام فقال اقرأ بھافی نفسک“ صحیح مسلم

دوسری اور تیسری روایت حضرت جابر کی ہے اس کی سند میں جو کلام ہے امام

بیہقی اور امام بخاری نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہاں حضرت جابر کا فتویٰ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

كنا نقرأ فى الظهر والعصر خلف الامام فى الركعتين الاوليين
بفاتحة الكتاب وسورة وفى الاخرين بفاتحة الكتاب ابن
ماجه، وكتاب القراءة للبيهقى

یعنی ہم ظہر و عصر میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی سورت اور آخری دو میں صرف فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ چوتھی روایت حضرت عبد اللہ بن عباس کی ہے جس کی سند کا مدار ایک مجہول پر ہے گویا وہ مجہول کی روایت ہے اور مجہول کی روایت قابل قبول نہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عباس "قال اقرأ خلف الامام بفاتحة الكتاب" كتاب القرأت،
دوسری روایت میں تو اس کی بھی صراحت ہے کہ میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہوں نماز
جبری ہو یا سری اور یہ دونوں اثر صحیح ہیں۔ یہاں تک ملتانی صاحب کی پیش کردہ روایات پر
ہمارے ملاحظات مختصر ختم ہوئے اور دعویٰ ملتانی صاحب کا ثابت نہیں ہوا۔

ملتانی کا چیلنج

مولوی ملتانی صاحب کو مغالطہ آمیزی اور دھوکہ دہی میں کافی مہارت ہے لیکن بد قسمتی سے وہ اہلحدیث سے الجھ پڑے جو ان کی مغالطہ آمیزیوں اور دھوکہ دہیوں کو چلنے نہیں دیتے اب دیکھئے نا آپ نے ایک نوٹ لکھا جو تقریباً ڈیڑھ صفحہ کا ہے اتنا لمبا نوٹ لکھنا بھی ان ہی کی خصوصیت ہے بہر حال، اس نوٹ میں پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں اور ان کے درمیان اختلاف و تضاد ظاہر کرتے ہوئے سب سے ضعیف ترین روایت کو ترجیح دیکر امام صاحب کو فقیہ اعظم قرار دے ڈالا اور اہلحدیث کو چیلنج کر دیا۔ اس اوجھی حرکت پر ان کو کیا کہا جائے۔ بہر حال

ہم ان پانچوں حدیثوں کا جائزہ لیکر دیکھیں گے کہ مولوی ملتانی نے جو فیصلہ دیا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے؟

۱۔ لا صلاة لمن لم يقرأ بام القرآن فصاعدا۔ رواہ الشيخان ولم يخرج البخاری قوله فصاعدا،

۲۔ لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔

۳۔ فلا تقروا بشئ من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن۔ رواہ ابو داؤد والنسائی كلاهما من حديث عباده

۴۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من صلاة جهر فیہا بالقرأت فقال: هل قرأ معی احد منکم آنفا فقال رجل نعم یا رسول اللہ ، قال: انی اقول مالى انازع القرآن؟ قال: فانتہی الناس عن القراءة مع رسول اللہ فیما جهر فیہ بالقراءة من الصلوات حین سمعوا ذلك من رسول اللہ (رواہ ابو دائود والترمذی والنسائی۔)

۵۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبر واذا قرأ فانصتوا۔

(رواہ ابو دائود وابن ماجہ فی الصلاة۔)

قال ابو داؤد - وهذه الزیادة "اذا قرأ فانصتوا" لیست بمحفوظة الوهم عندنا من ابی خالد هذا آخر کلامہ۔

۱۔ قال النووی وانکر الائمة علی الترمذی تحسینہ واتفقوا علی ضعف هذا الحديث لان اُکیمہ مجهول وعلى ان قوله فانتہی الناس عن القراءة الى آخره لیست من الحديث بل هی من کلام الزهری مدرجة فیہ هذا متفق علیہ عند الحفاظ المتقدمین والمتاخرین منهم الاوزاعی ومحمد بن یحی الذہلی والبخاری وابو

دائد و الخطابی والبیہقی وغیرہم۔ (کشف المناجیح ص ۳۶۰)

پہلی دوسری اور تیسری روایات کمال درجہ کی صحیح ترین روایات ہیں اور ان کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چوتھی اور پانچویں حدیث پر محدثین کرام کو کلام ہے۔ چوتھی میں دو خرابی ہیں اس کی سند میں اکیمہ نامی شخص مجہول ہے اس کی ثقاہت کا پتہ نہیں دوسرے فاتحی الناس سے آخر تک کا جملہ اس حدیث میں مدرج ہے اور یہ امام زہری کا کلام ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں۔

پانچویں روایت میں ”اذا قرأ فانصتوا“ کو محدثین نے غیر محفوظ بتلایا چنانچہ امام ابو داؤد نے اس پر کلام کیا ہے اور اس کو ابو خالد کا وہم بتلایا ہے۔

اب آپ ذرا دیکھیں جن احادیث کے درجات متفاوت ہیں ان کے درمیان تضاد بتلانا مولوی ملتانی ہی کا کام ہے جب ان کے درجات الگ الگ ہیں ان کو باہم متعارض اور مخالف کیسے کہہ سکتے ہیں۔ یہ جہالت کی بات ہے۔

اب ہم آپ کو بتلاتے ہیں کہ پہلی دوسری اور تیسری میں کوئی تفاوت نہیں ”فصاعدا“ کی زیادتی کو محدثین نے شاذ قرار دیا ہے لہذا دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ رہی تیسری حدیث تو اس کا مضمون بھی وہی ہے اور وہ ماہ النزاع میں سب سے زیادہ صریح اور صاف ہے یہ کہنا کہ جہری اور سری میں فرق کیا ہے یہ مولوی ملتانی کی سادہ لوحی ہے ورنہ اس کا سیدھا سا مطلب ہے کہ نماز جہری میں بھی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ہے کہ یہ حکم نبوی ہے اور جب جہری نماز میں فاتحہ پڑھنا ہے تو سری نماز میں بدرجہ اولیٰ فاتحہ پڑھی جائے گی۔

اب چوتھی اور پانچویں حدیث کا مختلف ہونا جیسا کہ مولوی ملتانی نے نقل کیا ہم دیکھتے ہیں۔ تو یہ بات پہلے ہی فیصل ہو چکی کہ لوگ جہری نماز میں رسول کے ساتھ قرأت کرنے سے رک گئے ایک تابعی یعنی زہری کا قول ہے ناکہ قول رسول، اور رسول کے قول

کے ہوتے صحابی کی بات تو حجت ہوتی نہیں تابعی کی بات حجت کیسے ہوگی لہذا یہ حجت بننے کے لائق نہیں۔

دوسری ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ حضرت ابو ہریرہ فاتحہ خلف الامام کے ناصر راوی ہیں بلکہ قائل فاعل اور عامل ہیں اور کسی صورت میں اس کے ترک کو جائز نہیں سمجھتے پھر ان کی روایت ان کے قول اور فتویٰ سے معارض ہوئی تو خفی مذہب کا فیصلہ کیا ہے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

پانچویں روایت میں اول تو ”جب وہ قرأۃ کرے تم چپ رہو“ محفوظ نہیں دوم یہ کہ اس کا مضمون ہمارے مخالف نہیں جیسا کہ ہم کئی بار نقل کر آئے ہیں کہ چپ رہتے ہوئے فاتحہ کا آہستہ آہستہ پڑھنا ممکن ہے لہذا وہ منع نہیں بلکہ اگر منع ہے تو آواز بلند کرنا یا فاتحہ کے علاوہ کچھ اور پڑھنا منع ہے۔

مولوی ملتانی کی فقاہت

فرماتے ہیں ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کی ان مختلف روایات کے بارے میں فقہیانہ اور مجتہدانہ رائے یہ ہے کہ قرأۃ کے مسئلہ میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اخیر میں مقتدیوں کو علی الاطلاق خاموش رہنے کا حکم دیا۔ اور امام کی قرأت کو ہی مقتدیوں کی قرأت قرار دیا گیا“

جواب: امام اعظم کی فقہیانہ و مجتہدانہ رائے جس کا آپ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، آپ کو ان کی کس کتاب میں ملی اگر ان کی کسی کتاب میں نہیں ملی تو ان کے کس شاگرد نے اپنی کتاب میں ان کی یہ بات نقل کی اگر یہ دونوں باتیں نہیں اور یقیناً نہیں تو اللہ سے ڈرو اور خلق خدا کو گمراہ نہ کرو جو بات امام عالی مقام نے نہیں فرمائی اس کو ان کے ذمہ مت لگاؤ کچھ لوگ گزرے ہیں جن کا حال قرآن نے یہ بتلایا ہے۔ ”یکتبون باید ہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ“ اپنے من سے لکھ

کر اللہ کے ذمہ لگاتے ہیں۔

نیز یہ بھی بتاؤ اگر مسئلہ قرأت میں تبدیلی ہوتی رہی ہے تو جو ترتیب تم نے لکھی ہے اس کا علم تم کو کیونکر ہوا کیا معلوم یہ ترتیب جو تم نے لکھی ہے الٹی ہو، اگر کوئی دلیل ہے تو ذکر کرو ورنہ بلا دلیل دعوؤں سے باز آؤ

آخر میں جو چیلنج تم نے ہم کو کیا ہے اس کا جواب بھی سن لو۔

یہ احادیث مختلف ومتضاد نہیں ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کیا ہے ایک بار پھر پڑھ لو۔

تیسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صریح فیصلہ موجود ہے۔ اور یہ حدیث مرفوع متصل ہے اور صحیح ترین حدیث ہے اس پر کوئی کلام نہیں۔ ہم ہی نہیں تمہارے اساطین علماء احناف نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی غیث الغمام میں فرماتے ہیں:

هذا الحديث صريح في اثبات قراءة الفاتحة للمؤمنين

في الجهرية واذا جازت فيها ففي السرية بالطريق الاولى

یعنی یہ حدیث امام کے پیچھے جہری نمازوں میں فاتحہ

پڑھنے پر مقتدیوں کے لئے نص صریح ہے اور جب جہری نماز میں

فاتحہ پڑھنا جائز ہوا تو سری میں تو بطریق اولیٰ اجازت ہوگی۔

ایک بار پھر پلٹ کر دیکھ لو آپ کا مطالبہ پورا کر دیا گیا ہے اب اپنا وعدہ پورا

کرو اگر کچھ وعدہ کا پاس ہے۔

قسم پنجم

ناظرین کرام!، مولوی ملتانی کا یہ آخری پڑاؤ ہے مگر افسوس ہے بچارے کو اپنی ساری کوشش میں سوائے ناکامی کے کچھ حاصل نہ ہوا حد تو یہ ہے کہ آخر میں انہوں نے صرف ضعیف و منکر معضل موقوف و مرسل اقوال پیش کر دیئے بلکہ جھوٹی اور بناؤٹی روایات جمع کر دیں۔ یہ صاف طور پر ان کی شکست فاش اور بے چارگی پر دلالت کرتا ہے ضرورت تو تھی کہ ان موضوعات کا جواب دیا جائے لیکن اگر ان کا جواب نہ دیا گیا اور ان کی قلعی نہ کھولی گئی تو جن لوگوں سے ہمارا واسطہ ہے وہ اسی کو بنیاد بنا کر بگلیں بجانا شروع کر دیں گے اور کہہ دیں گے کہ جواب نہ ہو سکا۔ لہذا نا چاہتے ہوئے بھی یہ فریضہ ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اس سے پہلے کہ ہم ملتانی صاحب کی پیش کردہ روایات پر آئیں ان کو فقہ حنفی کی چند مسلمات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ملتانی صاحب کی ان مساعی کی قیمت احناف کو بھی معلوم ہو جائے۔

علماء الہدایت کا مسئلہ تو صاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ہوتے کسی کے قول و فعل کی طرف نہیں دیکھا جاسکتا ہے بلکہ بہر حال رسول کی بات ہی مانی جائے گی۔

علماء احناف بھی صحابی کی بات بھی مانتے ہیں جب ان کی بات رسول کی سنت کے خلاف نہ ہو اگر سنت سے اس کی تردید ثابت ہو جائے تو جائز نہیں کہ اس کو قابل عمل تسلیم کیا جائے ”ان قول الصحابی حجة مالم تنفہ من السنة“

اسی طرح اگر صحابہ کرام میں باہم اختلاف ہو تو کسی صحابی کی بات حجت نہیں بن سکتی۔ ”ولا یحب اجماعا فیما ثبت الخلاف بینہم“

ان دو اصولوں کے ہوتے مولوی ملتانی یا کسی اور کے لیے کب جائز تھا کہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں جب صحیح صریح مرفوع متصل احادیث موجود ہیں کسی صحابی کا قول و فعل بطور معارضہ پیش کیا جائے لیکن کیا کیا جائے بچارے ملتانی صاحب کے پاس کوئی اور راستہ بھی تو نہیں اس لئے دین و مسلک کے خلاف بھی قدم اٹھانا پڑا لیکن ظاہر ہے عوام کو اس سے دھوکہ دیا جاسکتا ہے اہل علم کو نہیں۔

مولوی ملتانی صاحب کی پیش کردہ روایات کی حقیقت پہلی روایت:

”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القراءة خلف

الامام.“ (مصنف عبد الرزاق. ۱۳۹/۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع

فرمایا۔ (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب: (۱) اس کی سند میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم ہے جو باتفاق محدثین ضعیف ہے بلکہ موضوعات و مناکیہ کا روایت کرنے والا ہے، دیکھئے کتب رجال۔

(۲) یہ روایت ضعیف و منکر ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح مرفوع متصل روایات کے مخالف

ہے، اس لئے لائق استدلال نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحیح حدیث

میں یہ فرمایا کہ:

لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام۔

(كتاب القراءات للبيهقي وقال اسناده صحيح)

یعنی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ تو اب اس کے

خلاف کوئی ضعیف روایت کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے یہ تو ہونہیں سکتا

کہ بیک وقت رسول دو مختلف اور متضاد حکم دے دیں۔

(۳) یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حجت نہیں خصوصاً جب وہ مرفوع کے خلاف ہو،
 (۴) اگر اس کو درست مان بھی لیں تو بھی یہ ملتانی صاحب کے لیے مفید نہیں کیونکہ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ امام کے پیچھے زور سے پڑھنا منع ہے جیسا کہ دیگر احادیث میں اس سے منع وارد ہے آہستہ آہستہ پڑھ لینا درست ہے جیسا کہ بے شمار احادیث میں وارد ہے۔

دوسری روایت

موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر، عمر، عثمان امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ۲/۱۳۹) (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب: (۱) موسیٰ بن عقبہ صغار تابعین میں سے ہیں انہوں نے نہ رسول اکرم ﷺ کا زمانہ اور نہ خلفاء کا زمانہ اس عمر میں پایا جو اس جیسے مسئلہ کے لیے ضروری ہو، محدثین کے نزدیک ان کا سماع بھی ان سے ثابت نہیں پھر یہ روایت کیوں کر درست ہو سکتی ہے۔ یہ روایت مرسل و منقطع ہونے کے سبب لائق استدلال نہیں۔
 (۲) یہ اثر صحیح احادیث کے خلاف ہے اس لیے لائق استدلال نہیں۔

(۳) رسول اکرم و خلفاء راشدین سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی روایات ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں جو سند اصح ہیں لہذا یہ ثابت شدہ حقیقت کے خلاف ہونے کے سبب ناقابل قبول و مردود ہے۔

تیسری روایت

”عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں حضرت علی امام کے پیچھے قرأت

کرنے سے منع کرتے تھے۔“ مصنف عبد الرزاق ۲/۱۳۸

(بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب (۱) اس روایت کی سند میں موجود مختار بن ابی لیلیٰ منکر الحدیث ہے محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ترین شخص ہے۔

(۲) اس کی سند میں ایک اور شخص مجہول ہے جو پتہ نہیں کون ہے (عن رجل) اور مجہول کی روایت قابل حجت نہیں۔

(۳) اس کی سند میں مختار کا عبد اللہ بن ابی لیلیٰ سے اور اس کا حضرت علی سے سماع ثابت نہیں۔

(۴) یہ اثر صریحاً غلط ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرأت خلف الامام کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ عامل ہیں اور یہ بات مشہور ہے امام حاکم مستدرک میں فرماتے ہیں:

قد صحت الراویة عن عمر و علی انهما کانا یامران بالقرأة خلف الامام، مستدرک الحاکم (۱/۲۳۹) سنن دار قطنی، کتاب القرأة للبیہقی، و سنن الکبری للبیہقی و جزء القرأت للبخاری میں صاف صاف لکھا ہے کہ وہ فاتحہ خلف الامام کو پسند کرتے تھے اور پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

”انه كان يامر ويُحِبُّ ان يقرأ خلف الامام في الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة“

(۵) اگر بفرض محال اس کو لائق استدلال مان بھی لیں تو اس کا معنی صرف یہ ہوگا کہ وہ ایسی قرأة سے منع کرتے تھے جو امام کو تشویش میں مبتلا کر دے۔

چوتھی روایت

”زید بن اسلم کہتے ہیں حضرت ابن عمر امام کے پیچھے قرأت سے منع

کرتے تھے۔“ (مصنف عبد الرزاق ۲/۱۴۰) (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب: (۱) اگر اس روایت کو مانا جائے تو اس سے مراد صرف ایسی قرأت ہوگی جو امام کو تشویش میں مبتلا کر دے۔

(۲) سورہ فاتحہ کے علاوہ پر محمول ہے۔

(۳) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مشہور قائلین فاتحہ خلف الامام میں سے ہیں اس کے خلاف کوئی بات قابل قبول نہیں۔ امام بخاری نے جزء القراءت میں نقل فرمایا ہے:

عن يحيى البكاء سئل ابن عمر عن القراءة خلف الامام فقال: ما كانوا يرون باسان يقرأ بفاتحة الكتاب في نفسه، (رواه البخاري في جزء القراءة)

یعنی ابن عمر سے قرأت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا صحابہ کرام اپنے جی میں امام کے پیچھے فاتحہ خلف الامام پڑھنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ روایت زید بن اسلم کی روایت میں موجود ممانعت کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔

پانچویں روایت

”حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام

کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ہو۔“

مصنف عبدالرزاق - ۲/۱۳۸ (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب: (۱) یہ اثر ناقابل قبول ہے کیونکہ اس کا بنیادی راوی محمد بن عجلان ہے جو سی الحفظ کے علاوہ مدلس بھی ہے اور یہاں عنعنہ سے روایت کرتا ہے، جب کہ اس کا سماع حضرت عمر سے ثابت بھی نہیں۔ ایسی روایت ہرگز قابل قبول نہیں ہوتی۔

(۲) اگر بالفرض مان لیں تو اس میں قرأت مشوشہ مراد ہوگی یا علاوہ فاتحہ کے قرات مراد ہوگی۔

(۳) حضرت عمر کا متعدد صحیح روایات سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا اور اس کا فتویٰ دینا

مروی ہے اور جب صحیح سند سے ان کا فاتحہ پڑھنا اور اس کا فتویٰ دینا مروی ہے تو اس کے خلاف کوئی بات کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ سنن دارقطنی، سنن بیہقی کتاب القرات للبیہقی وغیرہ کتب میں حضرت یزید بن شریک سے بسند صحیح مروی ہے۔

انه سال عمر عن القراءة خلف الامام فقال اقرأ بفاتحة الكتاب

قلت وان كنت انت قال وان كنت انا قلت وان جهرت قال وان

”جہرت“

یزید بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھو میں نے کہا اگر چہ امام آپ ہوں بولے چاہے میں ہی امام ہوں میں نے کہا چاہے آپ جہری قرأت کر رہے ہوں بولے چاہے میں جہری نماز میں امام ہوں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب فاتحہ خلف الامام کے مانع نہیں قائل و عامل تھے اور یہ بات حضرت عمر کی طرف منسوب کرنا کہ وہ فاتحہ پڑھنے والوں کے منہ میں پتھر کی بات کرتے تھے محض بہتان ہے۔

چھٹی روایت

”حضرت علی فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قراۃ کرتا ہے اس کی فطرت

خراب ہے۔“ مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۷ (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب (۱) حضرت علی پر یہ بہتان ہے وہ نہ صرف فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے بلکہ اس کا فتویٰ بھی دیا کرتے تھے اسی کتاب میں ہم ازیں قبل نقل بھی کر چکے ہیں، سنن دارقطنی سنن کبریٰ بیہقی کتاب القراۃ للبیہقی امام حاکم وغیرہ نے صحیح سند سے ان کا پڑھنا اور اس کا فتویٰ دینا نقل کیا ہے:

”انه كان يامر ويحب ان يقرأ خلف الامام الخ“

(۲) اس اثر کی سند میں ازیں قبل مذکور عبد اللہ بن ابی لیلیٰ، اور حسن بن عمارہ دونوں ہی انتہائی درجہ کے ضعیف راوی ہیں یہاں تک کہ بعض محدثین نے تو ان پر وضع الحدیث تک کا حکم لگایا ہے اور جب حال یہ ہے تو ایسی حدیث کب قابل استدلال ہو سکتی ہے۔

ساتویں روایت

”حضرت علی فرماتے ہیں جس نے امام کے پیچھے قراۃ کی اس کی نماز

ہی نہیں ہوئی۔“ مصنف عبد الرزاق ۱۳۹/۲ (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب: یہ روایت مجاہل کی سند سے ہے جن کی ثقاہت معلوم نہیں ایسی روایت قابل قبول نہیں ہوتی پھر حضرت علی کے عمل و فتویٰ کے خلاف یہ روایت مجاہل کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے۔

آٹھویں روایت

”زید بن ثابت فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے اس کی

نماز نہیں ہوتی۔

مصنف عبد الرزاق ۱۳۹/۲، مصنف ابن ابی شیبہ (۴۱۳/۱) (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب (۱) یہ اثر زید بن ثابت پر بہتان ہے کیونکہ وہ تو فرماتے تھے ”من قرأ خلف

الامام فصلاته تامّة ولا اعاده“ علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں حضرت زید بن

ثابت کا یہ فتویٰ اس کو رد کرتا ہے جو ان کی طرف منع فاتحہ میں منسوب ہے۔

(۲) اس اثر کی سند میں موجود راویوں کا بعض سے بعض کا سماع ثابت نہیں ہے اور

جب سماع ثابت نہیں تو صحت بھی ساقط ہوئی جزء القرات میں اس پر کلام موجود

ہے۔ اسی لیے علامہ عبد الحیٰ فرنگی محلی فرماتے ہیں ”انه مما لا يحتج به ولا

يستقيم الاستدلال به“ یعنی زید بن ثابت کا مذکورہ بالا اثر ناقابل احتجاج ہے

اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔ امام الکلام میں اس پر بحث دیکھیے۔

نویں روایت

”حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے۔“

(مصنف عبد الرزاق ۲/۱۳۸) (بارہ مسائل، ص ۴۷)

جواب: یہ اثر دیگر آثار صحابہ کی طرح نصوص صریحہ سے معارض ہے بنا بریں لائق استدلال نہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود جیسے صحابی کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ حکم رسول کو اس قدر برا خیال کرتے تھے بڑی سخت قسم کی بدگمانی ہے جو لائق التفات نہیں بلکہ لائق رد ہے۔

دسویں روایت

”حضرت سعد فرماتے ہیں مجھے یہ پسند ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارے ہوں۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲) (بارہ مسائل، ص ۴۸)

جواب: (۱) حضرت سعد جیسا صحابی اتنی غلط بات کہہ سکتا ہے کہ فاتحہ پڑھنے والوں کے منہ میں انگارے ہوں جب کہ خود رسول نے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ ایسا گمان کسی صحابی کے بارے میں رکھنا بدترین قسم کی بدگمانی ہے، جس سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) یہ اثر منقطع اور مرسل ہے۔ اور ایسی سند قابل قبول نہیں ہوتی۔

(۳) اس اثر کا ایک راوی ابن نجار غیر معروف ہے جس کی ثقاہت معلوم نہیں لہذا یہ اثر ناقابل قبول ہے۔

تفصیلی بحث التہذیب لابن عبد البر (۱۱/۵۰) اور جزء القرأت للامام بخاری میں دیکھیے ص ۱۳

گیارہویں روایت

”اسود بن یزید تابعی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ جو آدمی امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔“

(مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۸)

جواب۔ (۱) یہ اثر ایک تابعی کا محض قول ہے اور تابعی کا قول کسی کے یہاں بھی حجت نہیں جبکہ اس کے خلاف صحاح و حسان مرفوعہ موجود ہوں ایسے اثر کی قول و فعل رسول کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں،

(۲) تابعی کے اثر کی ویسے بھی کوئی حیثیت نہیں پھر اس کی سند میں تین تین مدلس ہوں اور سب کے سب عن سے روایت کریں تو بھلا اس کی حقیقت ہی کیا رہی۔

(۳) شاید اسود بن یزید کا مطلب یہ ہو کہ امام کے پیچھے جہر سے قرأت کرنے والا ایسا ہے کیونکہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی درست نہیں کہ وہ احادیث صحیحہ کی مخالفت میں ایسی بات کہے گا۔

بارہویں روایت

”حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں مجھے پسند ہے جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔ اس کا منہ گرم پتھروں سے بھر جائے۔“

(مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۹) (بارہ مسائل، ص ۲۸)

جواب۔ (۱) یہ بھی ایک تابعی کا قول ہے جو بذاتہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر حسن ظن ان کے بارے میں نہ ہوتا تو ان کے اس قول کی شدید مذمت کی جاتی لیکن کسی مسلم کے قول کی اچھی تاویل ضروری ہے اس بنا پر یہ کہیں گے کہ ان کی مراد اس قرأت سے ہے جو امام کے پیچھے جہراً کی جائے جو امام کے لیے تشویش کا باعث نہ ہو۔

(۲) اس کی سند میں ابواسحاق مدلس ہے اور تصریح سماع کی نہیں۔

(۳) احادیث صحیحہ حسنہ مرفوعہ کے خلاف کسی کی بات قابل قبول نہیں ہوتی۔

ناظرین کرام۔ مولوی ملتانی کی پیش کردہ روایات کا حال آپ نے پڑھ لیا ان میں اتفاق سے ایک بھی روایت اس لائق نہیں کہ مسئلہ مابہ النزاع میں فیصلہ ثابت ہو سکے۔

اگر ہم چاہیں تو اس سے کئی گنا اقوال رسول، صحابہ، تابعین و تبع تابعین قرأت فاتحہ خلف الامام کی تائید میں پیش کر سکتے ہیں لیکن اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جو شخص چاہتا ہے تو وہ جزء القراءة امام بخاری کی اور کتاب القراءة امام بیہقی کی دیکھے یا تحقیق الکلام توضیح الکلام، اور ”مسئلہ قرأت کی حقیقت“ کی طرف رجوع کرے۔

مولوی ملتانی کا نوٹ

مولوی ملتانی صاحب فرماتے ہیں:

(۱) اگر مقلدین امام کے پیچھے فاتحہ کی فرضیت اور ۱۱۳ سورتوں کی حرمت کے بارے میں صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کر دیں (۲) قرأت خلف الامام کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا تاکید حکم پیش کر دیں (۳) امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی سخت وعید کی صحیح حدیث پیش کر دیں۔ اور ان احادیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ احادیث کا ضعف امتیوں کے اقوال و اراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“

(بارہ مسائل، ص ۴۸)

جواب: مولوی ملتانی صاحب نے چیلنج کیا کہ غیر مقلدین امام کے پیچھے فاتحہ کی فرضیت ۱۱۳ سورتوں کی حرمت کے بارے میں صحیح، مرفوع، متصل حدیث پیش کر دیں۔ ان کے مطالبے پر یہ حدیث پیش خدمت ہے:

(۱) ”عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه كنا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فى صلاة الفجر فقرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم فثقلت عليه القراءة فلما فرغ قال لعلكم تقرؤن خلف امامكم قلنا نعم هذا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لاصلاة لمن لم يقرأ بها“ رواه الترمذى وقال هذا حديث حسن ، والدارقطنى وقال هذا اسناد حسن والبيهقى فى كتاب القراءة وقال هذا اسناد صحيح وابن حبان وابن خزيمة فى صحيحها“۔

حضرت عباده بن صامت رضى الله عنه بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے آپ نے قرآن فرمائی جو آپ پر مشکل ہوئی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم لوگ امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو ہم نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کچھ نہ پڑھا کرو، سوائے فاتحہ کے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

ماتانی صاحب یہ حدیث صحیح ہے صریح ہے مرفوع متصل ہے اور اس میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ فاتحہ پڑھو اور ۱۱۳ سورتوں میں سے کچھ نہ پڑھو جب تم امام کے پیچھے ہو۔

(۲) قرأت خلف الامام کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین کا تاکیدى حکم پیش کرد۔ دینے کے سوال پر جواباً عرض ہے کہ رسول کے تاکیدى حکم کے ہوتے کسی دوسرے کے تاکیدى حکم کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی اگر آپ کو اس کی ضرورت ہو تو گزشتہ اوراق میں حضرت عمر بن الخطاب و حضرت علی رضی اللہ عنہما کا تاکیدى حکم ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب رواه البخارى، ومسلم و الترمذى،
والنسائى، وابن ماجه، وابن حبان، وابن خزيمة، والامام احمد فى مسنده
والبيهقى فى سننه وغير هم۔

جو شخص نماز میں فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی

یہ فرمان رسول ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی وعید ہے کہ ساری زندگی کی محنت
اکارت چلی جائے اس لیے متعدد علماء، فقہاء و صوفیاء نے باوجود حنفی ہونے کے امام کے
پیچھے فاتحہ پڑھنا اختیار کیا۔

یہاں تک کہ مشہور حنفی فقیہ عبدالرحیم جو شیخ التسلیم کے نام سے مشہور ہیں جو علماء ماوراء
النہر و خراسان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور اعتراض
کرنے والوں سے کہا کرتے تھے:

”لو كان فى فمى حمرۃ يوم القيامة احب الى من ان يقال لاصلاة

لك“ (دیکھئے: امام الکلام از عبدالحی فرنگی محلی)

یعنی قیامت کے روز میرے منہ میں انگارہ دیا جائے، مجھے یہ پسند
ہے لیکن یہ پسند نہیں کہ مجھ سے یہ کہا جائے کہ تیری کوئی نماز نہیں
ہوئی (تو دنیا سے بے نماز آیا)

محبوب الہی خواجہ نظام الدین ولی رحمۃ اللہ علیہ جو نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور
ہیں ان کے تمام تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل و عامل تھے
حالانکہ حنفی تھے چنانچہ صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

”انه كان حنفيا ولكنه كان يُجَوِّزُ القراءة بالفاتحة خلف الامام
و كان يقرؤها فى نفسه فعرض عليه بعض اصحابه ماروى ”انى
وددت ان الذى يقرأ خلف الامام فى فيه حمرۃ“ فقال وقد صح

عنه صلى الله عليه وسلم لاصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب
فالحديث الاول مشعر بالوعيد والثاني ببطلان الصلاة لمن لم
يقرأ بالفاتحه واني احب ان اتحمل الوعيد ولا استطيع ان تبطل
صلاتي الخ

ترجمہ: وہ خفی تھے مگر فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھتے اور آہستہ آہستہ
پڑھتے تھے ان کے بعض مصاحبوں نے ان پر اس حدیث کو لیکر
اعتراض کیا جس میں ہے کہ جو فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتا ہے میں
چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارے ہوں انہوں نے جواب دیا
کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات صحیح طور پر ثابت
ہوگئی ہے کہ جو شخص نماز میں فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی
پہلی حدیث میں اگر وعید ہے تو دوسری میں نماز کے باطل ہونے کا
بیان ہے میں وعید تو برداشت کر سکتا ہوں مگر یہ بات برداشت نہیں
کر سکتا کہ مجھ سے کہا جائے کہ تمہاری نماز ہی نہیں ہوئی۔

ناظرین کرام! متعدد علماء فقہاء و صوفیاء کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں جو فاتحہ خلف
الامام پر عامل تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: نماز میں سورہ فاتحہ از مولانا کرم الدین صاحب
اس میں متعدد علماء و فقہاء و صوفیاء کے واقعات درج ہیں۔
ہم نے مطالبہ پورا کر دیا ہے امید کہ ان کو بھی اپنا وعدہ یاد رہے گا۔

سوال نمبر ۱

اس بحث کے آخر میں مولوی ملتانی نے عنوان لگایا ہے سوال نمبر ۱ پتہ نہیں سوال نمبر ۲
/ اور نمبر ۳ کہاں ہیں بہر حال اس سوال کا جواب بھی حاضر خدمت کیا جاتا ہے۔
مولوی ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”ابن ماجہ ص ۲۸۷ مسند احمد (۲/۲۳۲) میں ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں مسجد میں تشریف لائے حضرت ابوبکر صدیق مکرم بن گئے آپ امام تو آپ نے قرأت وہاں سے آگے شروع کی جہاں حضرت ابوبکر نے چھوڑی تھی۔

اس کے مطابق آپ کی پوری فاتحہ کا کچھ حصہ رہ گیا۔ سوال یہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز درست ہوئی یا نہیں۔“

(بارہ مسائل ص ۴۸)

جواب: بخاری و مسلم میں جو تفصیلات مرض الوفات کی موجود ہیں ان میں کہیں وہ بات موجود نہیں جس کا ذکر مولوی ملتانی کر رہے ہیں اور جس حوالہ سے یہ جملہ نقل کیا وہ روایت اس لیے قابل استدلال نہیں کے اس کے راوی ابو اسحق سمعی قابل استدلال نہیں اول اس لیے کہ وہ مدلس ہیں اور یہاں تحدیث کی صراحت نہیں کی دوم یہ کہ وہ آخر میں مغلط ہو گئے تھے اور اس حدیث کے راوی ان سے اسرائیل اور زکریا بن ابی زائدہ ہیں جن کا سماع اختلاط کے بعد کا ہے لہذا یہ روایت قرأت فاتحہ جیسے مسئلہ میں کوئی بنیاد فراہم نہیں کر سکتی کیونکہ صاف صریح مرفوع متصل روایات موجود ہیں جس میں یہ بات موجود ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی، اب ابن ماجہ کی اس ضعیف روایت کی بنیاد پر ان صحیح روایات کو کیسے ترک کیا جاسکتا ہے۔ اور اس میں کہاں یہ قوت ہے کہ ان روایات کا معارضہ کر سکے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ مولوی ملتانی نے بحث کے آخر میں یہ سوال داغ کر شاید یہ سوچا ہے کہ بہت بڑا تیر مارا ہے اور اس کا جواب الہحدیث سے بن نہیں پڑے گا اور یہ گویا بڑا زبردست سوال ہے۔

حالانکہ یہ کوئی معقول سوال نہیں ہے اور نا اس سے مسئلہ زیر بحث میں کوئی روشنی پڑتی ہے بلکہ ان حضرات کی بے چارگی کا اظہار ہو جاتا ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ اہلحدیث دشمنی میں اس قدر اندھے کیوں ہو رہے ہو کہ کچھ ہوش ہی نہیں کہ ہم سوال کیا کر رہے ہیں۔

احناف و اہلحدیث کے درمیان فاتحہ خلف الامام کے بارے میں اختلاف صرف مقتدی کے لئے ہے آج تک کسی حنفی نے اس میں امام کو شامل نہیں کیا تھا آج ملتانی صاحب نے مسئلہ کو آگے بڑھا کر امام کو بھی اس میں شامل کر لیا ہو سکتا ہے نئے زمانے کے دیوبندیوں کو کوئی نیا انکشاف ہوا ہو جس کے سبب وہ اختلاف کے حدود و اداب کو بھی بھول گئے ورنہ آج تک احناف کے یہاں بھی امام کے لئے فاتحہ ہر نماز میں ضروری ہے چاہے امام مسافر ہو یا مقیم مریض ہو یا تندرست، نماز نفلی ہو یا فرض اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا تمام کتب احناف امام کے لئے فاتحہ کو ضروری اور فرض قرار نہیں دیتی ہیں۔

اب دیکھئے اگر حضرت ابو بکر مکبر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام اور انہوں نے قرأت وہاں سے شروع کی جہاں سے ابو بکر نے چھوڑی تھی اب فاتحہ کا کچھ حصہ رہ گیا اب آپ کا سوال یہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ تو یہ سوال تو آپ فقہاء احناف سے کیجئے کہ آپ جب امام تھے تو امام کے لئے تو فاتحہ کی چھوٹ ہے نہیں جیسا کہ احناف کے یہاں مقتدی کے لئے ہے، تو جو جواب آپ عنایت کریں وہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لیں اور اپنی عقل کے ناخن لیں۔ ضعیف روایت کی بنیاد پر سوال اٹھا کر رسول کی نماز کو غیر درست ثابت کرنا یقیناً گستاخی ہے جس کے مولوی ملتانی اور ان کے حواری مرتکب ہوئے ہیں ہمارے نزدیک تو یہ روایت ہی درست نہیں لہذا اس کی بنیاد پر سوال کرنا بھی درست نہیں ”ثبت العرش تم انقش“ ہمارا جواب ہے۔ آپ کو خیال نہیں رہا بحث فاتحہ خلف الامام کی تھی آپ نے قرأت الفاتحہ للامام کو بحث بنا ڈالا فی اللعجب و ضیعة الادب۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

کیا آمین آہستہ کہنا مسنون ہے

جہری نمازوں میں امام کے ساتھ آمین جہر سے کہنا احادیث صحیحہ کی روشنی میں مسنون ہے۔ احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ لیکن تقلید کے چکر میں ہمارے دیوبندی بھائیوں کو آمین جہر سے کہنا گوارہ نہیں، چلو وہ نہ کہیں لیکن اس کے لئے اپنے مذہب کی بے جا طرفداری میں، کہنے والوں کو لعن طعن کریں اور بلا کسی ثبوت کے کہنے والوں کو چیلنج بازی کریں بڑے تعجب کی بات ہے۔

ملتانى صاحب نے اہلحدیث سے چھیڑ خانی کے لیے جن مسائل کو چنا ہے۔ ان میں یہ مسئلہ بھی ہے ان کا دعویٰ ہے کہ آمین آہستہ کہنا مسنون ہے۔

اب ان سے کوئی پوچھے کہ جناب من اس آہستہ کی حد کیا ہے آہستہ اور زور سے یہ دونوں لفظ نسبی ہیں ایک آواز بیک وقت جہری اور سری دونوں کہلائی جاسکتی ہے کیونکہ ایک آواز جو برابر والے تک پہنچ رہی ہے وہ پہلی صف تک پہنچنے والی آواز کے مقابلے آہستہ، یا سری ہی کہلائے گی اور پہلی صف تک پہنچنے والی آواز ساری مسجد میں گونجنے والی آواز کے مقابلے آہستہ اور سری کہلائے گی۔ تو جو آواز بلند کہلا رہی ہے وہی دوسری بلند آواز کے مقابلے میں ہلکی ہے۔ اب ان میں کوئی آواز کو مسنون کہیں گے۔

مولوی ملتانی صاحب آہستہ آمین کو مسنون فرما رہے ہیں اور آہستہ کی نہ کوئی حد متعین کرتے ہیں اور ناکسی جگہ کو مثال میں پیش کرتے ہیں عملاً تو دیوبندی مساجد میں آمین کی آواز نامانوس اور ناپسندیدہ کہلاتی ہے لیکن یہ صرف نماز کی حد تک ہے ورنہ نماز ختم ہوتے ہی آمین کی جھڑپاں لگ جاتی ہیں اور اجتماعی دعاؤں کی بہار میں آمین کے

پھول خوب مہکتے ہیں۔

اب آئیے! ملتانی صاحب کیا فرماتے ہیں اس کی طرف توجہ کریں،
ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

سوال۔ سنی حضرات آمین آہستہ کہتے ہیں کیا اس پر کوئی دلیل ہے؟
(بارہ مسائل، ۴۸)

جواب: مولوی ملتانی نے یہاں یہ کہہ کر کہ سنی حضرات آمین آہستہ کہتے ہیں ائمہ ثلاثہ صحابہ وتابعین وامامان دین کی شان میں گستاخی کی ہے کیونکہ ان حضرات کو انہوں نے سنیٹ سے خارج کر دیا کیا صرف دیوبندی یا مقلدین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی سنی ہیں کیا شافعی حنبلی، مالکی و دیگر ائمہ مثل اسحق بن راہویہ وغیرہ کے فیض یافتہ حضرات سنی نہیں ہیں کیونکہ آپ کا یہ کہنا کہ سنی حضرات آمین آہستہ کہتے ہیں بظاہر یہی معنی رکھتا ہے۔

اگر اس کا جواب یہ دیا جائے کہ کتاب ہند و پاک میں لکھی گئی ہے اور یہاں ان ائمہ کے مقلدین نہیں ہیں لہذا ہمارا لکھنا درست ہوا تو ہم عرض کریں گے کہ ہندوستان میں بھی شوافع کی اچھی خاصی تعداد ہے اور ان کی مساجد میں آمین کی آواز گونجتی رہتی ہے پھر آپ کا ایسا لکھنا کیونکر درست ہوگا دوسری بات یہ بھی دھیان میں رہے کہ ہندو پاک میں بریلوی حضرات نے اپنے آپ کو سنی کہلانا مخصوص کر رکھا ہے جس کو آپ بھی جانتے ہیں اور وہ حضرات آمین بھلے ہی آہستہ کہتے ہوں یا نا کہتے ہوں لیکن وہ دیوبندیوں کو مسلمان ماننے کو تیار نہیں۔ تجانب اہل السنۃ، اور حسام الحرمین اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ دیکھ لیجئے۔

جب یہاں کے احناف کا بڑا گروپ آپ کو مسلمان تک نہیں مانتا آپ کو سنی کب مان سکتا ہے۔ آپ آخر ایسا کیوں لکھتے ہیں، سیدھے سیدھے یہ لکھئے کہ دیوبندی حضرات آمین آہستہ کہتے ہیں یا یہ کہئے کہ فقہ حنفی میں آمین کو آہستہ کہنا رائج مانا گیا ہے اور پھر اپنے

دلائل دیتے لیکن آپ نے ایسا تو کیا نہیں اٹھ دوسرے مسلمانوں کو سنیّت سے خارج کر دیا جو سراسر ظلم ہے۔

یاد رہے سنیّت کے علم بردار احناف کے دونوں گروپ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ جن کو دونوں گروپ فخر سے غوث اعظم و دستگیر بھی کہتے ہیں انہوں نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں مقلدین امام ابوحنیفہ کو نہ صرف سنیّت سے خارج کیا ہے بلکہ گمراہ فرقوں میں شمار کیا ہے، اب آج جو لوگ سنیّت کے ٹھیکے دار بنے ہوئے ہیں وہ اپنے قول و کردار کا جائزہ لیں۔

ملتانی صاحب کے شبہات

فرماتے ہیں:

”آمین دعا ہے اور دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ادعوا ربکم

تضرعوا وخفیة“ لہذا آمین چونکہ دعا ہے تو قرآن کے اس حکم کے

مطابق آمین آہستہ ہونی چاہئے۔“ ملخص بارہ مسائل ص ۴۹

جواب: مولوی ملتانی صاحب نے پہلے آمین کو دعا فرمایا پھر دعا کو آہستہ کہنا قرآن سے

ثابت فرمایا ہم کہتے ہیں کوشش تو آپ نے اچھی فرمائی لیکن ضروری تو نہیں کہ ہر

کوشش کامیاب ہو جائے وجہ یہ ہے کہ صغریٰ کبریٰ جب درست ہوں تب ان کا

نتیجہ درست ہوتا ہے اگر صغریٰ کبریٰ ہی درست نہ ہوں تو نتیجہ درست نہیں نکلتا۔

چونکہ ہم یہی تسلیم نہیں کرتے کہ آمین مستقل دعا ہے بلکہ آمین دعا کے لئے طالع اور

خاتم کی طرح ہے تاکہ مستقل دعا اس لئے کوئی صرف آمین آمین کہتا رہے اس کو نہ دعا مانا

جائے گا اور نا اس پر کسی کا آج تک عمل ہی رہا، ہاں ہر شخص دعا کرنے کے بعد آمین کہتا

ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے دیکھا فرمایا اگر اس نے

اس پر آمین کی مہر لگادی تو دعا قبول ہو جائے گی، سنن ابوداؤد شریف میں ابو زہیر نمیری

صحابی کا قول یوں مروی ہے کہ آمین مثل مہر کے ہے جیسے خط لکھ کر آخر میں مہر لگائی جاتی

ہے ایسی ہی آمین ہے۔ اس لئے آمین مستقل دعا نہیں بلکہ یہ دعا کے تابع ہے اگر دعا جبر سے کی جاتی ہے تو آمین بھی جبر سے کی جاتی ہے اور اگر دعا سرا کہی جاتی ہے تو آمین بھی سرا ہی کہی جاتی ہے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ آمین دعا ہے تو یہ ہرگز قبول نہیں کہ ہر دعا ہر حال میں سرا پڑھی اور کہی جاتی ہے۔ آمین فاتحہ کے بعد کہی جاتی ہے فاتحہ دعا ہے یا نہیں حدیث قسمت الصلاة بنی وبن عبدی نصفین جس کو مسلم نے روایت کیا ہے اس پر شاید عدل ہے کہ فاتحہ دعا ہے اگر آپ اس کو نہیں بھی مانتے تو ذرا یہ ایاک نعبد و ایاک نستعین اهدنا الصراط المستقیم الخ کیا دعا نہیں ہے ظاہر ہے دعا ہے لیکن اس کے باوجود جبری نمازوں میں امام جبر سے پڑھتا ہے۔

دیوبندی مساجد میں بھی یہی طریقہ رائج ہے آپ ذرا ان اماموں کو بتلائیں کہ یہ کیا غضب کر رہے ہو یہ تو دعا ہے اور دعا کو آہستہ کہنا چاہئے اگر وہ آپ کی بات مان لیں تو آپ الحمد یثوں سے مطالبہ کیجئے گا کہ آمین دعا ہے اور دعا کو آہستہ کہنا چاہئے ورنہ آپ کی یہ دورنگی چال بے ڈھنگی کہلائے گی کوئی معقولیت پسند اس کو قبول نہیں کر سکتا۔

تعجب ہے ہمارے دیوبندی بھائی آمین دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ نماز میں آمین کہنے والوں پر تشدد کرتے ہیں ان کو مساجد سے نکالتے ہیں اور خود نماز کے بعد جلسے جلوسوں میں تبلیغی اجتماعات میں نہ صرف بلند آواز سے دعا کرتے ہیں بلکہ مبالغہ کی حد تک بلند آواز سے آمین آمین کہتے ہیں کہ سارا مجمع آمین آمین کی آواز سے گونج جاتا ہے۔ آخر ان مواقع پر یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ دعا آہستہ کریں اور آمین بھی آہستہ کہیں کیا یہ قول فعل کا تضاد نہیں ہے۔ بہر حال ملتانی صاحب کی دونوں باتیں غیر مسلم ہیں لہذا اس کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے۔

ملتانی صاحب کا دوسرا شبہ

”صحیح مسلم میں ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہیں جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کی بخشش ہو جائے گی۔ فرشتوں کی آمین آہستہ ہوتی ہے۔ کبھی کسی نے فرشتوں کی آمین کی گونج نہیں سنی۔ موافقت تبھی ہوگی جب کہ وقت بھی ایک ہو اور آہستہ کبھی جائے۔“ (ملخص، بارہ مسائل، ۴۹)

جواب: مولوی ملتانی صاحب نے اس نمبر میں کئی دعوے کیے ہیں۔ ہم مختصراً ہر ایک سے متعلق اپنی گزارشات رکھیں گے۔ صحیح مسلم کی جس روایت کا ملتانی صاحب نے ذکر کیا ہے وہیں مسلم و بخاری میں حضرت ابو ہریرہ ہی کی ایک حدیث اور بھی ہے جس میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه،، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ ان دونوں حدیثوں میں یہ بات صاف ہے کہ امام آمین کہے گا جس کو سن کر مقتدی آمین کہیں گے اور ان دونوں حدیثوں سے زور سے آمین کہنے کی بات صاف طور پر ثابت ہوگئی۔ جو حدیث ملتانی صاحب نے نقل فرمائی ہے اس سے تو اس طرح کہ الفاظ حدیث یہ ہیں:

اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين۔ الخ

اس میں ”قولوا اور قال“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور قول اور قال اپنی اصل وضع میں جبر پر بولا جاتا ہے جب قول بول کر آہستہ کہنا مراد لیتے ہیں تو اس وقت کسی قرینہ کی

ضرورت پڑتی ہے اور یہاں قال اپنی اصل وضع میں موجود ہے لہذا یہاں زور سے آمین کہنا ہی مقصود اصلی ہے اگر آمین کو آہستہ کہنا مراد ہوتا تو اس وقت کوئی قرینہ ہوتا جو آہستہ کہنے پر دلالت کرتا حالانکہ یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے لہذا نقولوا آمین، کے معنی ہوئے زور سے آمین کہو۔ یہ جو ہم نے قاعدہ بیان کیا یہ ناسمجھا جائے کہ یہ ہماری ذہنی ایچ ہے اور اختراع ہے بلکہ اہل لغت ہی اس کی صراحت کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن رشید وغیرہ نے کہا:

”والقول اذا وقع به الخطاب مطلقا حمل على الجهر ومتى اريد به

الاسرار او حديث النفس قيد بذلك“ دیکھئے فتح الباری (۲/۳۳۹)

لہذا ملتانی صاحب کی پیش کردہ حدیث کا معنی ہوا کہ جب امام ”ولا الضالین جہرا کہے تو تم بھی آمین جہرا کہو“ ثابت ہوا کہ حدیث میں زور سے آمین کہنا ہی درست ہے۔
 رہی دوسری حدیث جس کو ہم نے بخاری و مسلم سے نقل کیا اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ مقتدی زور سے آمین کہیں کیونکہ امام کی آمین جب مقتدی سنیں تو آمین کہیں اور جب تک زور سے آمین نہ کہے گا مقتدی کیسے سنیں گے لہذا امام کا زور سے آمین کہنا بھی ثابت اور مقتدیوں کا آمین کہنا بھی ثابت۔

ملتانی صاحب نے دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ

”فرشتوں کی آمین آہستہ ہوتی ہے۔ کیونکہ آج تک کسی نے ان کی

آمین کی گونج نہیں سنی۔“ (مخلص بارہ مسائل ص ۳۹)

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ملتانی صاحب یہاں نہ صرف قرآن و سنت سے بے نیاز ہو گئے بلکہ منکرین سنت پرویزیوں اور جکڑ الویوں کے طرز فکر کو مسلمانوں میں جاری کرنے لگے یہ طرز فکر ان ہی کا ہے کہ چونکہ فلاں چیز ہم دیکھتے نہیں ہم سنتے نہیں لہذا اس کا وجود نہیں عذاب و نعم قبر ان کے نزدیک اس لئے غلط ہے کہ ہم قبروں کو کھودتے ہیں کبھی کبھی تازہ قبر میں پرانی ہڈیاں نکلتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قبر تھی

روایات کہتی ہیں کہ جنت یا جہنم کی کھڑکیاں قبر میں کھول دی جاتی ہیں قبر کشادہ کر دی جاتی ہے یا تنگ کر دی جاتی ہے لیکن ہم تو ایسا نہیں دیکھتے مردے پر عذاب کی بات بھی غلط ہے کیا کسی نے کسی مردے کی آواز سنی؟ اس طرح کا انداز انتہائی خطرناک اور افسوس ناک ہے۔ مولوی ملتانی کا احادیث کے ساتھ یہ سلوک انتہائی الم ناک ہے۔

ملتانی صاحب آسمان پر کبھی جانے والی آمین کو زمین پر سننا چاہتے ہیں اور لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کسی نے فرشتوں کی گونج سنی۔ یہاں ہم دنیا میں دیوار کے پیچھے کی آواز سنتے نہیں آسمان پر کبھی جانے والی آمین کو کیسے سن سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اذا قال احدكم آمین وقالت الملائكة في السماء آمین (بخاری (۱۰۸/۱))

یعنی فرشتہ آسمان پر آمین کہتے ہیں۔ جب وہ آسمان پر کہتے ہیں تو ہم کیسے اس کو سن سکتے ہیں اور جب ہمیں سن سکتے تو یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ ہم چونکہ فرشتوں کی آمین نہیں سنتے لہذا ثابت ہوا کہ وہ آہستہ آمین کہتے ہیں اور جب وہ آہستہ آمین کہتے ہیں تو ہمیں بھی آہستہ آمین کہنا چاہئے کیونکہ یہ نہ صرف قیاس مع الفارق ہے بلکہ محض مغالطہ ہے جو غلط ہے۔

اب ایک بات اور باقی رہی کہ فرشتوں سے موافقت کا کیا مطلب ہے۔

تو ملتانی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ ”وقت بھی ایک ہو اور آہستہ کبھی جائے“ لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طرز عمل کے خلاف ہے اور ظاہر ہے جس نے موافقت کی بات کی اس نے اس کا معنی و مطلب بھی سمجھایا ہوگا۔ اور عمل کر کے بھی دکھایا ہوگا تو آپ ملاحظہ کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تلى غير المغضوب

عليهم ولا الضالين قال آمين حتى يسمع من يليه من الصف

الاول۔ رواه ابو داؤد (۵۱/۱) وابن حزم في المحلى (۲۶۳/۳)

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الضالین کہتے تو آمین بھی

کہتے اور آواز اتنی بلند ہوتی تھی کہ پہلی صف کے لوگ سنتے تھے۔

عن ابی اسحق عن ابن ام الحصین عن امہ انہا صلت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین فسمعتہ وہی فی صف النساء (زیلعی) وفی روایۃ وانا فی صف النساء۔ (الخرج احق بن راہویہ فی مسندہ والطبرانی فی الکبیر۔)

یعنی ام الحصین صحابیہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی جب آپ نے ولا الضالین کہا تو آمین کہی انہوں نے آمین کی آواز عورتوں کی صف میں سنی۔ ایک روایت میں ہے کہ میں عورتوں کی صف میں تھی وہاں میں نے آپ کی آمین کی آواز سنی۔

ایک صحابیہ رسول اللہ کی آواز عورتوں کی صف میں سنتی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ عورتوں کی صف بچوں کی صف کے پیچھے ہوتی تھی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ موافقت، وقت اور طریقہ ادا میں مقصود ہے اور وہ ولا الضالین کے بعد آمین کہنا اور اتنی زور سے کہنا کہ عورتوں کی صف تک آواز جائے یہی صحیح اور درست اور یہی موافقت کا معنی ہے۔

رسول اللہ کے سکتے

مولوی ملتانی فرماتے ہیں:

(۳) ابوداؤد (۱۱۳/۱) ترمذی (۵۹/۱) حضرت سمرۃ بن جندب کی

حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کرتے (یعنی دو جگہ کچھ

آہستہ کہتے) ایک جب تکبیر تحریمہ کہتے (یہ سکتہ برائے ثنا تھا) دوسرا

جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے فارغ ہوتے۔ (یہ دوسرا

سکتے اس لیے تھا کہ اس میں آمین کہتے)۔ (بارہ مسائل، ص ۴۹)
 ملتانی صاحب نے اس میں ابو داؤد کی روایت نقل کی کہ دو سکتے کرتے تھے ایک ابتداء
 میں دوسرا آمین کے لیے اس سے مسئلہ ماہ النزاع پر کیا روشنی پڑی اتنا ضرور اس سے
 ثابت ہوا کہ آپ آمین کہتے تھے جب کہ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ امام آمین نہ کہے مقتدی
 آمین کہیں چنانچہ موطا محمد میں موجود ہے:

”فَمَا أَبُو حَنِيفَةَ فَقَالَ يُؤْمِنُ مِنْ خَلْفِ الْإِمَامِ وَلَا يُؤْمِنُ الْإِمَامُ۔“

موطا امام محمد ص ۱۰۵ مطبوعہ دیوبند

ملتانی لکھتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہم
 وسلم نے ہمیں نماز بڑھائی جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ
 چکے تو آمین کہا اور آمین میں آواز کو آہستہ کیا۔ (بارہ مسائل، ص ۴۹)

جواب: یہ حدیث جو ملتانی صاحب نے نقل فرمائی ہے جس میں ہے کہ آپ نے آمین
 آہستہ آواز میں کہی۔ کئی وجوہ سے ضعیف و ناقابل استدلال ہے وجوہات اس کی
 یہ ہیں:

- ۱۔ اس حدیث کے ایک راوی علقمہ بن وائل کا لقاء اپنے باپ سے نہیں ہے گویا کہ
 روایت منقطع ہے۔ خود علامہ زیلیعی حنفی تخریج ہدایہ میں فرماتے ہیں علقمہ اپنے باپ
 کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔
- ۲۔ اس حدیث کے راوی شعبہ جو باوجود اس کے کہ ثقہ ہیں لیکن اس روایت کے بیان
 کرنے میں ان سے کئی طرح کی غلطیاں سرزد ہوئیں۔
- اول یہ کہ انہوں نے حجر ابی العنبر کہا جب کہ وہ حجر بن العنبر ہے اور ان کی کنیت
 ابوالسکن ہے۔

دوم یہ کہ انہوں نے کہا عن علقمہ بن وائل جبکہ اس روایت میں عن علقمہ نہیں ہے بلکہ وہ حجر بن العننس عن وائل ہے۔

سوم یہ کہ انہوں نے کہا، خفض بها صوته، جبکہ حدیث کے اصل الفاظ ہیں ومد بها صوته، دیکھئے ترمذی باب نمبر ۱۸۴ باب ماجاء فی التامین۔

اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ سفیان اور شعبہ دونوں ہی ثقہ اور حافظ ہیں تو اس روایت میں ہر جگہ شعبہ کو خطا وار بتانا اور سفیان کو بے قصور گردانا کہاں تک درست ہے۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ خطا کی نسبت شعبہ کی طرف کی گئی ہے سفیان کی طرف نہیں کیونکہ رجال کے سلسلے میں شعبہ کا کثیر الخطا ہونا محدثین کے نزدیک مسلمات میں سے ہے جبکہ سفیان کو اس سلسلے میں کسی نے مطعون نہیں کیا امام ابو داؤد، امام ترمذی امام دارقطنی و دیگر محدثین کے علاوہ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں باوجود ثقہ و ثبت ماننے کے یہ کہنے پر مجبور ہیں ”وکان یخطی فی اسماء الرجال“۔

امام ترمذی نے تو جامع ترمذی میں ان کے رجال کے سلسلے میں اغلاط کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے

۱۔ اسانید و متون میں شعبہ کو اکثر شک ہو جاتا تھا جب کہ سفیان اس سے بری ہیں۔

۲۔ شعبہ و سفیان دونوں ہی ثقہ و حافظ ہیں لیکن سفیان شعبہ سے احفظ ہیں۔

۳۔ شعبہ اس روایت میں دونوں مقامات پر متفرد ہیں اور کسی نے ان کی متابعت نہیں کی جبکہ سفیان متفرد نہیں بلکہ ان کی متابعت متعدد لوگوں نے کی ہے۔ جن میں اعلیٰ بن صالح، محمد بن مسلمہ وغیرہ ہیں ان وجوہات کی بنا پر غلطی کی نسبت شعبہ کی طرف کی گئی سفیان کی طرف نہیں ہو سکتا ہے کہ اس پر کوئی صاحب یہ کہیں کہ علامہ عینی نے شرح البخاری میں اس کا جواب دیا ہے تو ہم کہیں گے امکان اور وجود میں بڑا فرق ہے جس کو انہوں نے ناممکن بتایا ہے اس کا وجود کتب رجال میں نہیں پایا جاتا اس لیے ان کی بات محل نظر ہے۔

ابو العننس کے سلسلے میں ابو داؤد کی روشنی میں اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ ابو سفیان خود

شعبہ کے متابع ہیں تو ہم کہیں گے کہ وہ روایت غیر محفوظ اور شاذ ہے کیونکہ یحییٰ القطان اور عبد الرحمن بن مہدی دونوں اپنی روایتوں میں جبر بن العنبر ہی کہتے ہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے اور وہ دونوں احفظ و اتقن ہیں لہذا سفیان کی روایت ہی محفوظ اور رائج ہے اگر کوئی یہ کہے کہ شعبہ کو اس زیادتی کے سلسلہ میں خطی بتلانا اگر مان لیا جائے تو صرف اتنا ہوگا کہ وہ صرف ایک ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

تو ہم کہیں گے ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے پر ایسی جگہ نہیں کیونکہ شعبہ رجال میں غلطی کرنے میں مشہور ہیں اور اس زیادتی میں متفرد ہیں اور جب ان کا کوئی متابع بھی نہیں جو ان کے مقابلے میں سفیان اور علاء بن صالح اور علی بن صالح و محمد بن مسلمہ بیان نہیں کرتے۔ اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ سفیان شعبہ سے احفظ ہیں اور اس کا اقرار خود شعبہ کو بھی ہے اور محدثین کے درمیان اس بات پر اتفاق ہے کہ جب شعبہ سفیان کی مخالفت کریں تو سفیان کا قول رائج ہوگا۔

اس حدیث میں شعبہ کا ”خفض بہا صوتہ“ کہنا محدثین کے نزدیک غلط ہے بلکہ اصل حدیث ”مد بہا صوتہ“ کے الفاظ کے ساتھ ہے امام بخاریؒ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

یحییٰ القطان اور یحییٰ بن معین کا یہ قول ”اذا خالف الشعبه السفیان فالقول قول السفیان“ خود علامہ زبیدی حنفی نے نقل کیا ہے۔

اوپر کی بحث سے یہ بات صاف ہو گئی کہ ہمارے دیوبندی بھائی محض مسلک کی حمایت میں ”خفض بہا صوتہ“ کو پکڑے ہوئے ہیں جو محدثین کے نزدیک اس روایت میں غلط ہے اور خود علماء احناف کو اس کا اعتراف ہے۔

اگر ہمارے بعض بھائی شعبہ کی روایت ”خفض بہا صوتہ“ پر اب بھی جے ہوئے ہیں تو ہم ان کو کہیں گے کہ بھائیو! یہ ضد چھوڑ دو خود شعبہ صحیح سند سے ”رافعا بہا صوتہ“ روایت کرتے ہیں جو حضرت سفیان ثوری کی روایت کے موافق ہے جس سے

ثابت ہوتا ہے کہ شعبہ کو اپنے وہم پر اطلاع ہوگئی تھی اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اس روایت میں صحیح لفظ ”مدبھا صوتہ“ ہے۔ اس لئے بعد میں حضرت سفیان ثوری کے موافق روایت کرنے لگے۔

یہ روایت جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اس طرح ہے:

”عن وائل بن حجر انه صلى خلف النبي صلى الله عليه وسلم

فلما قال ولا الضالين قال **همين** رافعاً بها صوتہ“

رواہ البیہقی وقال اسنادہ صحیح۔

تنبیہ:

ناظرین کرام! خفض اور مد یہ دونوں الفاظ نسبی ہیں اگر ہم اپنے بھائیوں کی بات مان بھی لیں تب بھی ان کا مطلب اس حدیث سے جس کو وہ پکڑے بیٹھے ہیں حاصل نہیں ہوتا کیونکہ خفض کا اعلیٰ درجہ یقیناً یہ ہے کہ پاس والا سن لے جیسا کہ جبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قریب کا آدمی سن لے اور جبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دور کا آدمی سن لے لہذا، بہر حال خفض سے آمین بالجبر ثابت ہے۔

ہماری اس بات کی تائید احناف کے مشہور ترین محقق عالم امام ابن الہمام کی اس بات سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی مایہ ناز کتاب فتح القدیر میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

(اگر فیصلہ میرے سپرد ہوتا تو میں جبر اور اخفاء کی روایت میں یوں تطبیق دیتا کہ آہستہ کہنے کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ چلا کر نہ کہے اور جبر کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ درمیانی آواز سے کہے) اسی طرح علامہ عبدالحی فرنگی محلی فرماتے ہیں:

(انصاف کی بات یہ ہے کہ دلیل کی رو سے آمین بالجبر قوی ہے) دیکھئے التعلیق

الممجد صفحہ ۱۰۵۔

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ کہے، اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین، اللھم ربنا لك الحمد۔

ابو وائل کہتے ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں اعوذ باللہ اور آمین میں اونچی آواز نہیں کرتے تھے۔ (دیکھئے بارہ مسائل صفحہ ۵۰)

جواب: اولاً تو ملتانی صاحب کو یہ آثار پیش ہی نہیں کرنے چاہئے تھے کیونکہ اصول احناف کی روشنی میں یہ قابل حجت نہیں اولاً اس لیے کہ احادیث مرفوعہ کے خلاف ہیں ثانیاً یہ وہ آثار ہیں کہ صحابہ آپس میں اس بارے میں مختلف فیہ ہیں۔ اور اصول احناف کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قول صحابی اسی وقت حجت ہے جب کہ وہ کسی مرفوع صحیح حدیث کے منافی نہ ہو اور صحابہ بھی آپس میں مختلف فیہ نہ ہوں۔ اس کے لئے دیکھئے فتح القدیر لابن ہمام ص (۴۶/۲)

اور چونکہ اس مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف ہے اور جب اختلاف ہو تو صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا جیسا کہ صاحب نور الانوار نے صراحت کی ہے اس کو ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔

یہاں تک تو بات تھی اصول احناف کی جب ان کے اصول میں مرفوع حدیث کے مقابلے آثار صحابہ حجت ہی نہیں تو ان کو پیش کرنے سے کیا فائدہ، رہی بات اصول محدثین کی تو ان کے نزدیک یہ دونوں آثار ناقابل اعتبار اور لائق حجت نہیں کیونکہ ان کی سند میں سعید بن المرزبان البقال، مشہور ضعیف راوی ہے جس کو امام بخاری نے منکر الحدیث اور دیگر محدثین نے متروک الحدیث کہا ہے۔ پھر سعید مدلس بھی ہے اور یہاں عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور مدلس جب عن کے ساتھ روایت کرے تو اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے لہذا ان دونوں آثار کے پیش کرنے سے ملتانی صاحب کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

مولوی ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت ابووائل کہتے ہیں حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ بسم اللہ،
اعوذ باللہ، اور آمین میں اونچی آواز نہیں کرتے تھے (معجم طبرانی
ج ۹ ص ۲۶۳، بارہ مسائل ص ۵۰)۔

جواب: اس اثر میں سعید بن المرزبان البقال موجود ہے یہ سخت ضعیف ہے اور
قابل حجت نہیں۔

تجب ہے مولوی ملتانی صاحب ان آثار کو نقل کر رہے ہیں وہ نہ ان کی صحت کو
دیکھتے اور نہ یہ دیکھتے ہیں کہ علماء احناف نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے اگر وہ صرف
علامہ زیلعی حنفی کی نصب الراية ہی دیکھ لیتے تو شاید یہ صفحہ سیاہ نہ کرتے انہوں نے حضرت
عمرؓ اور حضرت علیؓ سے جبر اور عدم جبر دونوں نقل کر کے لکھا ہے۔۔

(والواجب فی مثل هذه المسئلة الرجوع الى الدليل لا الى الاقوال)
یعنی ان جیسے مسائل میں واجب یہ ہے کہ دلیل یعنی قرآن و سنت کی طرف رجوع کریں
اقوال صحابہ کی طرف نہیں کیونکہ سنت کی موجودگی میں اقوال رجال حجت نہیں۔
مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم نخعی تابعی کا فتویٰ یہ ہے کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں:

سبحانك اللهم، اعوذ بالله، بسم الله، آمین، ربنا لك الحمد

(مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۸۷، بارہ مسائل ص ۵۰)۔

جواب: احادیث مرفوع کے مقابلے میں جب صحابہ کے اقوال حجت نہیں تو تابعی کے
اقوال کی حیثیت ہی کیا ہے خود علماء احناف نے اس کو قبول نہیں کیا ہے اگر دیکھنا
چاہتے ہو تو نصب الراية دیکھو۔ اس بحث سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ احناف
کے پاس کوئی ایک بھی صریح، صحیح، مرفوع، روایت موجود نہیں ہے۔ محض ضد ہٹ
دھرمی اور اندھی تقلید کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔

فائدہ یا فساد؟

مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

سنی حضرات اور غیر مقلدین کے درمیان اصل اختلاف یہ ہے سنی حضرات کہتے ہیں کہ ان دلائل کی وجہ سے آمین بلند آواز سے کہنے کا طریقہ متروک ہو گیا ہے جب کہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اخیر زندگی تک ہمیشہ اونچی کہی جاتی رہی۔

لہذا اصل جھگڑا دوام اور ترک کا ہے تم غیر مقلدین کو چاہئے کہ وہ آمین بالجبر کے دوام پر دلیل پیش کریں۔

جواب: ملتانی صاحب کا اپنے آپ کو سنی کہنا محض فراڈ ہے اس پر ہم ازیں قبل احتجاج کر چکے ہیں اور رہی بات اصل اختلاف کی تو اصل اختلاف یہ نہیں ہے کہ آمین بالجبر کا دوام ثابت ہے یا ترک بلکہ اصل اختلاف یہ ہے کہ بات معصوم کی مانی جائے یا غیر معصوم کی اور اگر ہم ملتانی صاحب کی بات تسلیم کر لیں تو ذرا ملتانی اور ان کے حواری یہ بتلائیں کہ:

(۱) بلند آواز کہنے کا طریقہ کب متروک ہوا نبی کے زمانے میں یا ان کے بعد۔

(۲) اس کو متروک کرنے والا کون تھا۔

(۳) اگر یہ ناخ و منسوخ والا معاملہ ہے تو جبر کا ناخ کیا ہے اس کو آپ نے کیوں نہیں ثابت کیا۔

(۴) ناخ و منسوخ پر جن علماء نے کتابیں لکھیں ہیں ان میں سے کس کس نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔

(۵) جب ترک کا کوئی ثبوت ہی نہیں تو دوام پر دلیل طلب کرنا کٹ جتنی ہی تو

ہے۔ اگر مولوی ملتانی اور ان کے حواریوں کو دوام کی دلیل چاہئے جو کہ ان کا غلط مطالبہ ہے پھر بھی ہم ان کی تسلی کے لیے صرف ایک حدیث جبکہ متعدد حدیث موجود ہیں پیش کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلی غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من ینبہ فی الصف الاول

(رواہ ابو داؤد فی سننہ وابو یعلیٰ فی مسندہ)

یعنی حضرت ابو ہریرہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف کے وہ لوگ جو آپ سے قریب ہوتے آمین کی آواز سنتے تھے اس روایت میں صاف ظاہر ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی ہمیشہ کی عادت مبارکہ تھی۔

کان دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے جبکہ ترک پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ ملتانی صاحب کے اس فائدہ کو ایک بار پھر پڑھئے کیا آپ کو نہیں لگتا خود ملتانی صاحب اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ آمین بالجہر رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ اور وہ صرف دوام کی دلیل چاہتے ہیں ورنہ آمین بالجہر کی سنیت کے ثابت ہونے میں انہیں کوئی شک نہیں اور ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ترک جہر پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے اگر ہوتی تو ملتانی صاحب ضرور اس کو ذکر کرتے۔

آخر میں نوٹ کے تحت جن چیزوں کا مطالبہ ملتانی صاحب نے اہل حدیث سے کیا ہے وہ خود ان کی بے چارگی پر دال ہے۔ ظاہر ہے جو رکعات جہری پڑھی جائیگی ان میں

آمین جہراً کہی جائیگی اور جو سرا پڑھی جائیگی ان میں سرا کہی جائے گی۔ اوپر خود ملتانی صاحب نے آمین کے مسنون ہونے کا اعتراف کیا ہے دوام پر ان کو دلیل چاہئے تھی جو دے دی گئی اب یہاں دوبارہ اس پر دلیل مانگنا سوائے مجادلہ اور تھو کے ہوئے کو چاٹنے کے کچھ نہیں۔

ہم نے ملتانی صاحب کے پیش کردہ شبہات جن کو وہ دلیل کہہ رہے ہیں اور ان کا ضعف بلا تقلید ثابت کر دیا ہے اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ آمین بالجبر ہی سنت رسول ہے۔

رفع الیدین کا دوام ہے یا ترک

ناظرین کرام! مولوی ملتانی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی ترک رفع الیدین کو سنیت سے جوڑ دیا ہے گویا جو لوگ رفع الیدین کرتے ہیں وہ سنی نہیں ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ رفع الیدین کرنا ہی اصل سنت ہے اور جو لوگ اس پر کار بند ہیں وہ ہی دراصل سنی ہیں اور جو لوگ اپنے اماموں کی اندھی تقلید میں ثابت شدہ سنت رسول کی مخالفت کرتے ہیں ان کو کیوں کر سنی کہا جاسکتا ہے، چنانچہ امام حسن بصری فرماتے ہیں: سنت کے شیدائی و فدائی رفع الیدین کرتے ہیں اور سنت سے اعراض و لاپرواہی کرنے والے رفع الیدین نہیں کرتے ہیں۔ (ابن حبان، ابوداؤد) بہر حال اس پر ہم ازیں قبل لکھ چکے ہیں۔

ایک بات

اس سے پہلے کہ ہم ملتانی صاحب کے موہوم دلائل کا جائزہ لیں ملتانی صاحب کے عنوان سے جو بات جھلک رہی ہے اور بباگ دہل پکار رہی ہے کہ ملتانی صاحب محض ضد میں اس سنت کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ عنوان میں وہ اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ رفع الیدین دائمی ہے یا نہیں ورنہ رفع الیدین کے مسنون ہونے کا ان کو اعتراف ہے۔ اور جب اس کی مسنونیت کا اعتراف ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ بعد میں یہ منسوخ ہوگئی تو ناخ اور تاریخ نسخ پیش کرنا چاہئے تھی اور انہوں نے ایسا نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے مدعا کو ثابت نہیں کر سکے۔

اب آئیے ہم ان کی پیش کردہ دلیلوں کا جائزہ لیں:
مولوی ملتانی لکھتے ہیں:

پہلی دلیل: عن عبد الله انه قال الا اصلى بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم
فصلى فلم يرفع يديه الا مرة واحدة۔ عبد الله بن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی خبر دوں سو کھڑے ہوئے پس پہلی مرتبہ
رفع یدین کیا پھر دوبارہ نہ کیا۔ نسائی شریف (۱۵۸/۱) بارہ مسائل ص ۵۱
دوسری دلیل: عن عبد الله قال الا اخبركم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال
فقام فرفع يديه اول مرة ثم لم يعد۔

..... پہلی مرتبہ رفع یدین کیا پھر دوبارہ نہ کیا نسائی شریف (۱۵۸/۱)

(بارہ مسائل ص ۵۱)

تیسری دلیل: عن عبد الله قال الا اريكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلی
فلم يرفع يديه اول مرة۔ (کذا)

..... پس آپ نے رفع یدین نہ کیا مگر ایک ہی مرتبہ

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۶/۱)

چوتھی دلیل: عن ابن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه الا
عند افتتاح الصلاة ولا يعود لشيء من ذلك۔

..... نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے دوبارہ نہیں کرتے تھے۔

(بارہ مسائل ص ۵۱)

جواب: مولوی ملتانی صاحب نے جو تین روایات نقل کی ہیں اصلاً وہ ایک ہی حدیث ہے
جس کو تین بنا کر پیش کر دیا ہے کیونکہ ان کا دار و مدار عاصم بن کلیب پر ہے۔ اور
اس کی بنیادی سند یوں ہے

سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبد الله بن مسعود۔

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

یہ سند چونکہ کئی وجوہ سے ضعیف ہے لہذا حدیث قابل استدلال نہیں۔

اول

چونکہ عاصم بن کلیب کا کوئی متابع نہیں نہ صحیح نا ضعیف اس لئے یہ سخت ترین ضعیف ہے اور عاصم کی روایت عند الانفراد قابل حجت نہیں چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام علی بن مدینی نے عاصم کے تعلق سے یہ فیصلہ فرمایا ”لایحتج بما انفرد بہ“ دیکھئے میزان، وتہذیب۔ یہی وجہ ہے کہ اساطین فن حدیث نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحمیر میں علماء محدثین کا فیصلہ اس حدیث کے بارے میں یوں نقل فرمایا ہے:

قال ابن المبارك لم يثبت عندي، وقال ابن حاتم عن ابيه هذا حديث خطأ، وقال احمد بن حنبل وشيخه يحيى بن آدم هو ضعيف، نقله البخاري عنهما وتابعهما على ذلك وقال ابو داود وليس هو صحيح وقال الدارقطني لم يثبت، وقال ابن حبان: في الصلاة هذا احسن خبر روى لاهل الكوفة في نفى رفع اليدين في الصلاة عند الركوع وعند الرفع منه وهو في الحقيقة اضعف شيء يعول عليه لان له عللا تبطله، انتهى۔

امام عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں، ابن ابی حاتم کہتے ہیں یہ حدیث خطا ہے، امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔ امام بخاری نے ان دونوں محدثین کی بات نقل کر کے ان کی موافقت فرمائی اور تائید کی، امام ابو داؤد فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں، امام ابن حبان اپنی

کتاب ”الصلوة“ میں فرماتے ہیں عدم رفع الیدین میں اہل کوفہ کی دلیلوں میں یہ سب سے اچھی دلیل مانی جاتی ہے حالانکہ یہ ضعیف ترین دلیل ہے کیونکہ اس میں کئی علتیں ہیں جو اس کو باطل کرتی ہیں۔

محدثین کرام کے فیصلوں کا یہ مختصر خلاصہ ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرنے کی ممانعت میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں، یہی وجہ ہے کہ اکابر علماء احناف نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ رفع الیدین مواضع ثلاثہ میں ثابت ہے اور رائج ہے چنانچہ علامہ عبدالحی فرنگی مہلی فرماتے ہیں:

والحق انه لاشك في ثبوت رفع الیدین عند الركوع والرفع منه
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وكثير من الصحابة بالطرق

القوية والاخبار الصحيحة السعاية ص ۲۱۳

اس میں کوئی شک نہیں کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سارے صحابہ کرام سے قوی سندوں اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، نیز ”التعليق الممجد“ میں فرماتے ہیں:

”ورواة الترك جماعة فليلة مع عدم صحة الطرق“ ص ۹۔

یعنی ترک رفع الیدین کو روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد بہت تھوڑی سی ہے اور وہ بھی صحیح سندوں سے ثابت نہیں۔
علامہ سندھی حاشیہ نسائی میں فرماتے ہیں

”والرفع اقوى واكثر“

یعنی رفع الیدین کی روایات سنداً قوی ہیں اور تعداد میں زیادہ ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فان احادیث الرفع اکثر والبت“ حجۃ اللہ البالغہ (۱۰/۲) یعنی رفع الیدین کی احادیث تعداد میں زیادہ اور ثابت تر ہیں۔

دوم

عاصم بن کلیب سے روایت کرنے والے دو حضرات ہیں ایک سفیان ثوری دوسرے عبد اللہ ابن ادریس اور دونوں کی روایت میں فرق ہے سفیان کی روایت میں ”تم لم يعد الامر“ کے الفاظ ہیں جب کہ عبد اللہ بن ادریس کی روایت میں یہ لفظ موجود نہیں حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: کہ مجھ سے یحییٰ بن آدم نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن ادریس کی کتاب خود دیکھی ہے اس میں ”تم لم يعد الامر واحدة“ کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کی روایت کو ترجیح دی جائے تو محدثین کے نزدیک حفظ پر کتاب کو ترجیح دی جائے گی لہذا سفیان کی روایت کو ترجیح نہیں ہوگی لہذا عبد اللہ بن ادریس کی روایت سفیان کی روایت پر ترجیح رکھتی ہے۔

سوم

اگر محدثین کرام کی مانی جائے اور ظاہر ہے یہ فن حدیث سے متعلق مسئلہ ہے اس میں انہی کی بات رائج ہوگی تو یہ بات ظاہر ہے کہ سفیان کی روایت کو محدثین نے بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے، اور ترمذی کا اس کو حسن قرار دینا ان کے نزدیک مکروہ و نا پسندیدہ ہے یہی بات علامہ نووی نے خلاصہ میں یوں لکھی ہے۔

”اتفقوا علی تضعیف هذا الحديث وانكروا علی الترمذی تحسینہ“۔

چہارم

جن احادیث میں صرف ایک بار، رفع الیدین کا ذکر ہے، اس سے مراد افتتاح

صلاۃ ہے۔ رکوع جاتے اٹھتے اور تشہد کے بعد والے رفع الیدین سے اس میں بحث نہیں بلکہ سکوت ہے۔

(۴) نمبر ۴ میں جو کچھ لکھا گیا ہے بلا حوالہ ہے اور شاید ملتانی صاحب خود بھی اس سے مطمئن نہ تھے اس لیے حوالہ نہیں دیا جس حدیث کا حوالہ ہی ندارد ہے اس کی بناء پر حکم کیا لگایا جاسکتا ہے۔

غالباً یہ وہی روایت ہے جس کو مسند خوارزمی والے نے نقل کیا ہے بعض حنفی اس کو مسند امام ابو حنیفہ بھی کہتے ہیں جبکہ یہ سراسر غلط ہے امام صاحب کی کوئی مسند نہیں اور اس کی سند امام تک نہیں پہنچتی اس کی بنیاد پر اس مسئلہ کو حل کرنا محض خوش فہمی ہے۔

رفع یدین نہ کرنے کی پانچویں دلیل:

”براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے

تو ایک مرتبہ رفع یدین کرتے پھر اس نماز میں دوبارہ رفع یدین نہ

کرتے۔“ (مصنف عبدالرزاق) [بارہ مسائل، ص: ...]

جواب: یہ حدیث ملتانی صاحب نے مصنف عبدالرزاق سے نقل فرمائی ہے حالانکہ

ابوداؤد میں یہ روایت موجود ہے۔ ابوداؤد جیسی عام طور پر ہر جگہ مل جانے والی

کتاب کو چھوڑ کر ایک نادر کتاب کا حوالہ دینا کیا مقصد رکھتا ہے۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

بہر حال ہم اور باتوں سے قطع نظر ملتانی صاحب کی پیش کردہ روایت کی طرف

آتے ہیں۔

یہ روایت جو ملتانی صاحب نے پیش فرمائی ہے ناقابل استدلال ہے، اس لیے

اس کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں، ان کو چاہئے تھا کہ ایسی روایت پیش کرتے جو صحیح

ہوتی، تعجب ہے ہم سے تو وہ صحیح مرفوع روایت طلب کرتے ہیں اور خود صحیح کے بجائے ضعیف روایات پیش کرتے ہیں۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ (۱) اس کے راوی یزید بن ابی زیاد ضعیف ہیں کیونکہ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا اور یہ روایت اس زمانہ کی ہے جب ان کا حافظہ عمر کی زیادتی کے سبب متغیر ہو گیا تھا۔ کیونکہ محدثین کرام نے ان سے یہ روایت جب مکہ میں سنی تو اس میں لفظ ”ثم لا يعود“ کا وجود نہیں تھا، لیکن جب وہ کوفہ تشریف لے گئے تو وہاں جن لوگوں نے یہ حدیث ان سے سنی تو وہاں (اہل کوفہ) کی تلقین کے سبب ”ثم لا يعود“ کا اضافہ کرنے لگے، تعجب تو اس پر ہے کہ جب بعض محدثین نے ان سے اس تبدیلی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے صاف طور پر اپنے عدم علم کا اعتراف کر لیا۔

چنانچہ حضرت امام سفیان بن عیینہ بیان فرماتے ہیں:

”ثم قدمت الكوفة فلقیت یزید فسمعتہ یحدث بهذا و قد زاد

فیہ ”ثم لا يعود“ فظننت انہم قد لقنوه“

اس کے بعد جب میرا آنا کوفہ ہوا تو یزید سے ملاقات ہوئی میں نے سنا کہ وہ اب اس حدیث کو ”ثم لا يعود“ کے اضافہ کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، میرا گمان ہے یزید اہل کوفہ کی تلقین کا شکار ہو گئے ہیں۔

اگر سنن بیہقی کو دیکھئے تو اس میں حضرت سفیان ثوری کا بیان بہت واضح ہے کہ یہ اضافہ اہل کوفہ کی تلقین کے سبب تھا، اور یزید عمر کی زیادتی کے سبب ضعف دماغ میں مبتلا ہو گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ اہل کوفہ کی سازش کا شکار ہو گئے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے سنن ابی داؤد (۱۲۵/۱) و سنن بیہقی (۷۷/۲))

امام بیہقی نے صاحب مستدرک امام ابو عبد اللہ الحاکم سے یزید کی اس روایت پر جو تمبرہ نقل فرمایا ہے وہ یہ ہے:

”یزید بن ابی زیاد کان یذکر بالحفظ فلما کبر ساء حفظه

فکان یقلب الاسانید و یزید فی المتون و لا یمیز“

یعنی یزید بن ابی زیاد، جو حدیث براء کے مرکزی راوی ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے حافظہ سے روایت حدیث کیا کرتے تھے، بڑھاپے میں ان کا حافظہ چونکہ خراب ہو گیا تھا اس لیے اسانید کو الٹ پلٹ کر دیتے تھے اور متون احادیث میں اضافہ کر دیا کرتے تھے اور بچارے کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ کیا ہو گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے، التعليقات السلفیہ (۱۳/۲) مکتبہ سلفیہ پاکستان۔

مشہور حافظ حدیث اور شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی اپنی مشہور زمانہ کتاب تلخیص الحمیر میں اس حدیث پر جو تبصرہ فرماتے ہیں وہ یہ ہیں:

اتفق الحفاظ علی ان قوله ”ثم لا يعود“ مدرج فی الخبر من

قول یزید بن ابی زیاد و رواه عنه بدونها شعبة و الثوری و خالد

الطحان، و زهیر و غیرهم من الحفاظ۔

یعنی حفاظ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ”ثم لا يعود“ کا جملہ حدیث میں بعد میں اضافہ کیا گیا ہے، اور یہ یزید بن ابی زیاد کا اپنا قول ہے جو انہوں نے آخری زمانہ میں بڑھایا، اس جملہ کے بغیر یزید سے ان کے متعدد قدیم تلامذہ نے اس کو روایت کیا ہے، چنانچہ امام شعبہ، امام ثوری، خالد الطحان اور زہیر وغیرہ، محدثین نے ”ثم لا يعود“ کے بغیر ہی روایت کیا ہے۔

مشہور محدثین نے اس پر جو تبصرہ فرمایا وہ یہ ہے۔

امام حمیدی:

انما روی هذه الزیادة، یزید، ویزید: یزید۔

یہ اضافہ یزید کی جانب سے ہے اور یزید کا اس طرح کا اضافہ معروف ہے۔
امام عثمان داری امام احمد بن حنبل سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی
طرح اس حدیث کی تضعیف امام بخاری، امام احمد، ترمذی داری اور حمیدی وغیرہ مشہور ائمہ
حدیث نے کی ہے۔

ترمذی بن محمد بیان کرتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل کو سنا فرماتے تھے:
یہ حدیث سخت ضعیف ہے، حالانکہ خود یزید اپنی عمر کے ایک بڑے حصہ تک اس کو روایت
کرتے تھے اور اس میں ”ثم لا یعود“ روایت نہیں کرتے تھے، لیکن بعد میں کچھ لوگوں نے
ان کو لقمہ دیا اور انہوں نے اس کو قبول کر لیا پھر ”ثم لا یعود“ کہنے لگے۔

امام بزار فرماتے ہیں: اس حدیث میں ”لا یعود“ کا اضافہ صحیح نہیں ہے۔
ناظرین کرام! یہ ہے اس حدیث کی مختصر صورت حال، جس حدیث کو محدثین
کرام بالاتفاق ضعیف قرار دیں اور جس لفظ سے ملتان صاحب کا استدلال ہے اسی کو وہ
مدرج قرار دیں، یعنی ایک راوی حدیث کا کسی لفظ کا اضافہ ہو اس کی بنیاد پر صحیح صریح
مرفوع احادیث کا رد کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے اور ایسی ضعیف روایت کیا احادیث
صحاح کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ لیکن ملتان صاحب کو اس سے کیا، انہوں نے تو قسم کھا رکھی
ہے کہ حنفی مذہب کی پاسداری کریں گے چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔

رفع یدین نہ کرنے کی چھٹی و ساتویں دلیل:

جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ ہم سلام کے وقت دونوں طرف ہاتھ کے ساتھ
اشارہ کرتے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا:

”تم کیوں رفع الیدین کرتے ہو، گویا کہ یہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی

دُمیں ہیں۔“ (مسلم شریف: ۱۸۱/۱)

”جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو

رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا: یہ کیا؟ میں تمہیں رفع یدین کرتے
دیکھ رہا ہوں گویا کہ سرکش گھوڑوں کی دھن میں ہیں، نماز میں سکون کرو۔“

(مسلم شریف: ۱۸۱/۱) [بارہ مسائل، ص: ...]

مندرجہ بالا دونوں احادیث مولوی ملتانی صاحب نے مسلم شریف کے حوالے سے لکھی
ہیں اور صفحہ و جلد نمبر بھی لکھ دیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ملتانی صاحب نے زبردست دلیل
دی ہے، اور رفع الیدین سے جب رسول نے خود منع کر دیا ہے تو اب اس پر عمل کیسے کیا
جاسکتا ہے۔ لیکن ناظرین آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ مولوی ملتانی کی یہ کارستانی اسی
قبیل کی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے ”مارو گھٹنا پھوٹے سر“ مولوی ملتانی کو معلوم
تھا کہ میری پیش کردہ دلیل کا ”رفع الیدین“ عند الركوع، وعند رفع الرأس منہ سے کوئی
دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اس کے باوجود لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ان
دو احادیث کو نقل فرمادیا۔ چونکہ وہ خود بھی اچھی طرح جانتے تھے یہ استدلال نا تو درست
ہے اور ناپی تا تم ہے بلکہ محض فراڈ ہے، ان کو ڈر بھی تھا کہ کہیں میرا فریب کھل نہ جائے
اس لیے موصوف نے حدیث کے الفاظ نقل نہیں فرمائے صرف ترجمہ کر دیا اور وہ بھی من
مانا، حالانکہ انہوں نے اس مسئلہ میں بزعیم خویش دس دلیلیں دی ہیں تمام کے عربی الفاظ نقل
کیئے ہیں سوائے ۵، ۶، ۷، کے، آخر ایسا کیوں؟ وہ اس لیے کہ الفاظ نقل کر دیئے جائیں تو
بھانڈہ پھوٹ جائے گا اور جو زور وہ پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ پیدا نہیں ہوگا۔ اب آئیے ہم
آپ کو مسلم شریف کی سیر کراتے ہیں۔
مسلم شریف میں باب ہے۔

باب الامر بالسكون فى الصلاة و النهى عن الاشارة باليد و
رفعها عند السلام و اتمام الصفوف الاول ، و التراص فيها و
الامر بالاجتماع۔

یہ باب صاف طور پر بتا رہا ہے کہ نماز میں سکون ضروری اور سلام پھیرتے وقت ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنا منع ہے۔ اب جو احادیث اس کے تحت امام مسلم رحمہ اللہ لائے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) عن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال: خرج علينا رسول الله ﷺ فقال: "مالى اراكم رافعى ايديكم كانها اذنان خيل شمس اسكنوا فى الصلاة....." حدیث رقم: ۱۱۹

(۲) عن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال: كنا اذا صلينا مع رسول الله ﷺ قلنا: السلام عليكم ورحمة الله - السلام عليكم ورحمة الله ، و اشار بيده الى الحانبين فقال رسول الله ﷺ: "علام تومثون بايدىكم؟ كانها اذنان خيل شمس، انما يكفى احدكم ان يضع يده على فخذه ثم يسلم على اخيه من على يمينه و شماله" حدیث رقم: ۱۲۰

(۳) وعن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال صليت مع رسول الله ﷺ فكنا اذا سلمنا "قلنا بايدينا: السلام عليكم - السلام عليكم - فنظر الينا رسول الله ﷺ فقال: ما شأنكم؟ تشيرون بايدىكم كانها اذنان خيل شمس اذا سلم احدكم فليلتفت الى صاحبه ولا يومى بيده" حدیث رقم: ۱۲۱

پہلی حدیث میں صرف اتنا کہا گیا ہے:

”یہ کیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تم لوگ اپنے ہاتھ ایسے

اٹھا رہے ہو جیسے سرکش گھوڑے کی دُمیں، نماز میں پرسکون رہو۔“

دوسری حدیث میں پوری بات فرمائی گئی، کہ صحابہ کرام ایک زمانہ میں سلام پھیرتے وقت السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اور ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ کرتے جاتے تھے دائیں بھی، بائیں بھی اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ہاتھوں سے ایسے اشارے کیوں کرتے ہو جیسے وہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہوں۔ ہر شخص کے لیے اتنا کافی

ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے اور پھر اپنے بھائی کو سلام کہے: دائیں اور بائیں۔

تیسری حدیث میں فرمایا گیا کہ رسول اکرم کے ہمراہ ہم نے نماز پڑھی، ہماری عادت تھی کہ جب ہم سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں سے السلام علیکم کہتے رسول اکرم نے ہماری اس حرکت کو ملاحظہ فرمایا تو کہا: یہ کیا ہے؟ تم اپنے ہاتھوں سے ایسے اشارہ کر رہے ہو جیسے کہ تمہارے ہاتھ سرکش گھوڑوں کی ڈیں ہوں۔ جب تم میں سے کوئی بھی سلام پھیرنے لگے تو اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہو اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

ان تینوں احادیث میں نا تو متنازع فیہ رفع الیدین کا ذکر ہے اور نہ اس کا تذکرہ اور نہ یہ رفع الیدین کا محل ہی ہے، جو رفع الیدین مختلف فیہ ہے وہ رکوع میں جاتے، رکوع سے اٹھتے اور دو رکعت سے تیسری کے لیے اٹھتے ہوئے ہے۔ سلام پھیرتے وقت رفع الیدین کا اب نہ کوئی قائل ہے اور نہ اس پر کوئی عمل کرتا ہے اس پر عامل صحابہ کرام نے ایسا کچھ دنوں کیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا تو اس سے رک گئے، اور تب سے اب تک امت میں اس پر نہ عمل ہے اور نا اس کا کوئی قائل ہی ہے۔ اسی لیے تمام محدثین کرام نے جابر بن سمرہ کی روایات کو سلام سے متعلق ہی ذکر کیا ہے جس باب میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کا ذکر ہے اس میں اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ رکوع کی رفع الیدین کا ان احادیث سے کوئی تعلق نہیں، لیکن ملتانی صاحب اپنے مذہب کی پاس داری میں سفید کو، کالا اور کالے کو سفید کئے دے رہے ہیں، ان کو اس سے قطعاً کوئی غرض نہیں کہ ان احادیث کا شان ورود کیا ہے، معنی و مطلب کیا ہے، محدثین کرام نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ حد تو یہ ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان احادیث سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا مگر فریب دہی سے باز نہیں آتے۔ اسی لیے انہوں نے ان احادیث کا عربی متن نقل نہیں کیا اور ترجمہ بھی من مانا کر دیا۔

”ہم سلام کے وقت دونوں طرف ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتے،

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: تم کیوں رفع الیدین کرتے ہو؟

”علامہ تومثون بایدیکم“ کا ترجمہ ”تم کیوں رفع الیدین کرتے ہو؟“ کر دیا، جب کہ صراحت موجود ہے کہ یہ سلام کے وقت اشارہ سے منع کرنے کا محل ہے۔ ناکہ (رفع الیدین عند الركوع والرفع منه) رکوع میں جاتے یا اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرنے کا اور رسول اکرم نے رفع الیدین کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔

مولوی ملتانی نے مسلم شریف میں جو حدیث کی ترتیب تھی وہ بھی بدل دی، امام مسلم نے پہلی حدیث جو لکھی ہے اس کو ملتانی نے دوسری حدیث بنادیا۔ اور یہ بھی بلا سبب نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر فریب دہی کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ امام مسلم نے ان تینوں احادیث کی جو ترتیب رکھی ہے وہ انتہائی دقت نظر اور ان کی فقہ الحدیث میں مہارت تامہ پر دال ہے، وہ نہ صرف مسئلہ کی وضاحت فرما رہے ہیں بلکہ حدیث اول کے اجمال کو حدیث ثانی سے اور حدیث ثانی کے بعض الفاظ کو حدیث ثالث سے واضح فرما رہے ہیں، اور جو شخص امام مسلم کے اس طریقہ کو دیکھے گا تو وہ بے ساختہ ان کی دقت نظر کا قائل ہو جائے گا اور ان کے لیے اس کی زبان سے دعا نکلے گی۔ شاید اسی لیے بخاری و مسلم میں موازنہ کے وقت محدثین کرام کی زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

”كما فاق في حسن الصناعة مسلم“

بہر حال مولوی ملتانی کو ان مسائل سے کیا لینا ہے؟ اگر ان کی چلے تو اپنی فریب دہی کو پختہ کرنے کے لیے وہ تو حدیث کی ترتیب ہی بدل دیں جیسا کہ بالفعل انہوں نے کیا۔ (فانا لله وانا اليه راجعون)

ناظرین کرام! یہ مقلدین محدثین کو یا ان کی مساعی کو کیا سمجھیں گے، ان کی تو ساری جدوجہد کا حاصل یہ ہے کہ کسی طرح امام ابو حنیفہ کا مسلک صحیح اور دیگر فقہاء کا

مذہب غلط ثابت ہو جائے، چاہے اس کے لیے قرآن میں تحریف کرنی پڑے یا حدیث میں، افسوس!

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقہان حرم بے توفیق آئیے ہم آپ کو بتائیں امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ ترتیب کیوں رکھی۔

پہلی حدیث میں ایک لفظ تھا ”مالی اراکم رافعی ابیدیکم“

ہوسکتا تھا کہ کوئی ہوا پرست اس کو لیکر غلط فہمیاں پھیلائے اور اس کو رفع الیدین سے جوڑے، اسی کی وضاحت کے لیے انہوں نے دوسری حدیث دوسری سند سے مگر اسی صحابی سے نقل فرمائی جس میں دونوں باتوں کی وضاحت موجود ہے: ایک تو اس کی کہ آپ نے یہ لفظ کب فرمایا، اور کیوں فرمایا اور دوئم یہ کہ وہ رفع الیدین نہیں بلکہ اشارہ بالید تھا، اسی لیے دوسری حدیث کے الفاظ میں ”واشار بیدہ الی الحانین“ آپ نے جو لفظ فرمایا وہ تھا ”علام تو مئون بایدیکم“ یہاں ان دونوں الفاظ سے پہلی حدیث کی وضاحت ہو گئی کہ یہ اشارہ بالید ہے ناکہ رفع الیدین۔ تیسری حدیث میں صاف صاف لفظ ہے ”ما شأنکم تشیرون بایدیکم؟“ اس سے ”علام تو مئون بایدیکم“ کی پوری وضاحت ہو گئی تینوں احادیث کے الفاظ جمع کرو۔

مالی اراکم رافعی ابیدیکم (میں تمہیں کیوں ہاتھوں کو اٹھاتے دیکھ رہا ہوں؟)

علام تو مئون بایدیکم (تم کس چیز کی طرف اشارہ کر رہے ہو؟)

ما شأنکم تشیرون بایدیکم (یہ تمہارا کیا معاملہ ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر رہے ہو؟)

امام مسلم رحمہ اللہ نے کتنی وضاحت سے حدیث کا معنی و مفہوم واضح فرمادیا ہے کہ کوئی دھوکہ نہ کھائے، اور ناکوئی کسی کو دھوکہ دے، مگر فریبی اپنے فریب سے باز نہیں آتے۔

ناظرین کرام ! چونکہ یہ احادیث مسلم شریف کی تھیں جن کی اہمیت ہمارے نزدیک بہت زیادہ ہے اس لیے ان کی بنیاد پر فریب کی عمارت جو تیار کی گئی تھی اس کا ڈھانا ضروری تھا اس لیے اس کی قدرے تفصیل کرنا پڑی۔

ہماری اس وضاحت سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ان احادیث کا تعلق :

۱۔ رکوع میں جاتے یا اٹھتے وقت رفع الیدین سے نہیں ہے۔

۲۔ سلام کرتے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنا منع ہے۔

۳۔ سرکش گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دینے اور حدیث کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ دائیں بائیں سلام کرتے وقت دائیں بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے، ایک ساتھ دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک نہیں اٹھاتے تھے جیسا کہ رفع الیدین میں کیا جاتا ہے۔ ورنہ تشبیہ درست نہ ہوگی۔ کیونکہ گھوڑے کی ایک ہی دم ہوتی ہے ناکہ دو۔ لہذا اس کو رفع الیدین سے منع کے لیے استعمال کرنا منہ زوری دھوکہ دہی اور فریب خوردگی ہے۔

اب آئیے ہم بعض مشہور محدثین و شارحین حدیث سے پوچھتے ہیں احادیث کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ

آپ نے بعض جاہلوں کے اس جاہلانہ استدلال پر فرمایا:

فاما احتجاج بعض من لا يعلم بحديث و كيع عن الاعمش
عن المسيب بن رافع عن تميم بن طرفة عن جابر بن سمرة رضى
الله عنه قال: دخل علينا النبي ﷺ ونحن رافعوا ايدينا في
الصلاة فقال: مالي اراكم رافعي ايديكم كانها اذنان خيل
شمس، اسكنوا في الصلاة۔

فانما كان هذا في التشهد لا في القيام، كان يسلم بعضهم على بعض، فنهى النبي ﷺ عن رفع الايدي في التشهد، ولا يحتج بهذا من له حظ من العلم هذا معروف مشهور لا اختلاف فيه ولو كان كما ذهب اليه لكان رفع الايدي في اول التكبير وايضا تكبيرات صلاة العيد منها عنها لانه لم يستثن رفعها دون رفع۔

(جزء رفع الیدین ص ۸، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی، باہتمام سید محمد معظم بامر سید تلطیف حسین) یعنی بعض جاہلوں کا دلیل پکڑنا اس حدیث سے جس کو روایت کیا وکیع نے اعمش سے انہوں نے مسیب بن رافع سے انہوں نے تمیم بن طرفہ سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ ایک بار ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ ہم لوگ نماز میں تھے اور ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے، آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ارے یہ کیا؟ میں تم کو ہاتھ اٹھائے دیکھ رہا ہوں جیسے سرکش گھوڑوں کی دم ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔“

عدم رفع یدین پر اس سے دلیل پکڑنا اس حدیث سے درست نہیں کیونکہ اس حدیث کا تعلق تشہد اخیر سے ہے، ناکہ قیام کی حالت میں کیونکہ اس وقت صحابہ کرام سلام پھیرنے میں ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے یہ دیکھ کر نبی ﷺ نے ان کو تشہد میں ہاتھ اٹھانے سے منع کر دیا۔

اس حدیث سے رفع الیدین کے نام شروع ہونے پر استدلال وہی کرے گا جو راہ بے علم ہو، کیوں کہ یہ بات مشہور و معروف ہے، تشہد میں ہاتھوں کو اٹھانے کا کوئی قائل نہیں اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف بھی نہیں۔

اور اگر اس حدیث کا وہ معنی مراد ہوتا جو رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کو منع کرنے والے مراد لیتے ہیں تو اول تحریمہ کے وقت بھی رفع الیدین کرنا ممنوع ہوتا اسی طرح عیدین میں بھی رفع الیدین ممنوع ہوتا کیونکہ سمرہ بن جندب کی حدیث میں مطلق ہاتھ اٹھانا منع ہے جس میں تکبیر تحریمہ اور عیدین کی تکبیرات بھی شامل ہیں۔“

اور ظاہر ہے اس کے تو ملتانی صاحب بھی قائل نہیں۔

سمرہ بن جندب کی حدیث سے رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین کو مراد لینے پر صحیح مسلم شریف کے مشہور شارح فرماتے ہیں۔

”الاستدلال به على النهى عن الرفع عند الركوع و عند الرفع عنه

جهل قبيح“ (مسلم مع شرح نووی: ۱۸۱)

یعنی سمرہ بن جندب کی روایت سے رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین کو منع کرنا بدترین قسم کی جہالت ہے۔ والعیاذ باللہ۔

اگر ہم علماء کرام کے تبصرے اس سے متعلق لکھیں تو بات طویل ہو جائے گی۔

اب تک کی بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ سمرہ بن جندب کی روایت کو ملتانی صاحب کا رفع الیدین عند الركوع کے لیے استدلال کرنا بدترین قسم کی جہالت مکاری اور فریب دہی ہے۔

اب آئیے ذرا ملتانی صاحب کا تبصرہ بھی دیکھ لیں وہ اتنے فریبوں کے بعد کیا فرماتے ہیں:

”پس جیسے قرآن نے ماں باپ کو اُف کہنے سے منع کیا ہے تو گالیاں

دینا اور جوتے مارنا بطریق اولیٰ منع ہے۔ اسی طرح جب نماز کے

بالکل اخیر میں سلام کے وقت رفع الیدین نماز کے سکون کے خلاف

ہے اور منع ہے تو نماز کے اندر رکوع کے وقت رفع الیدین بطریق اولیٰ

نماز کے سکون کے خلاف اور منع ہوگا۔“ (بارہ مسائل ص: ۵۲)

ملتانى صاحب کے اس ارشاد عالی پر ہمیں سخت تعجب ہے، اولاً اس لیے کہ وہ بار بار اپنے آپ کو مقلد محض باور کراتے ہیں اور پھر قیاس بھی لڑاتے ہیں جو ان کا منصب نہیں ہے اور پھر قیاس بھی ایسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو بھی نا سوجھا ہو، حضرت نے قیاس مع الفارق کی اچھی خاصی مثال پیش فرمادی۔

ماں باپ کو اُف نہ کہو اس سے گالی دینا اور جوتے مارنا بھی منع ہوا۔

سلام کے وقت رفع الیدین کرنا سکون کے خلاف ہے رسول نے منع کیا ہے۔

اب اس سے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع الیدین منع

ہوگا کیونکہ یہ سکون کے خلاف ہے۔

دونوں باتیں غیر مسلم ہیں، سلام کے وقت ہاتھ اٹھا اٹھا کر دائیں بائیں کے

نمازیوں کو سلام منع ہے اور سکون کا حکم ہے تو رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت بھی منع

ہو جائے یہ کیسے، ان دونوں میں کیا مطابقت ہے؟ جس بات کو شریعت منع کرے اور جس

پر نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کی اکثریت، تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت مداومت کرے

ان دونوں کو ایک بتانا یہ کون سا قیاس ہے۔ مذہب کی پاس داری میں اس قدر عقل و سمجھ کو

چھوڑ دینا کیونکر درست ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی لیے درست فرمایا کہ ”رفع الیدین“ اگر مطلقاً

منع ہے تو ابتداء صلاۃ میں تکبیر تحریمہ کے وقت نیز صلاۃ عیدین میں تکبیر زوائد کے وقت

بھی منع ہونا چاہئے، لیکن وہاں ان حضرات کو یہ قیاس نظر نہیں آتا، کیوں نہیں کہتے کہ جب

نماز کے بالکل اخیر میں سلام کے وقت رفع الیدین نماز کے سکون کے خلاف ہے تو نماز کے

بالکل شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت بھی سکون کے خلاف ہوگا۔ اگر ایسا نہیں کہتے تو

دونوں میں فرق بتلائیں جو جواب عنایت فرمائیں گے ہماری طرف سے بھی وہی قبول فرما لیا جائے۔

ایک بات

ناظرین کرام! گذشتہ صفحات میں اس حدیث کے متعلق بہت کچھ وضاحت ہو چکی ہے۔ الفاظ حدیث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں: کیا سلام کے وقت جو ہاتھ اٹھائے جاتے تھے وہ رفع الیدین میں ہاتھ اٹھائے جانے کے مثل تھے، آپ کو تعجب ہوگا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ جس طرف سلام پھیرتے تھے اسی طرف کا ہاتھ اٹھاتے تھے، الفاظ اور سیاق اسی پر دال ہے، نیز آپ ﷺ کا ان کی اس حرکت کو سرکش گھوڑوں کی دم کی طرح بتلانا یہ بھی قرینہ ہے کہ وہ لوگ ایک ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے تھے کیونکہ گھوڑے کی دم ایک ہی ہوتی ہے دونہیں اور اس سے تشبیہ تبھی درست ہوگی جب مشہ و مشہ بہ میں مطابقت ہو اور اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے، اصطلاحی رفع الیدین کو گھوڑے کی دم سے تشبیہ دینا درست نہ ہوگا۔ باتیں تو اس سے متعلق اور بھی ہیں لیکن فی الوقت اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ان عدم عدنا۔

عدم رفع الیدین کی آٹھویں دلیل

كان اصحاب عبد الله و اصحاب على لا يرفعون ايديهم الا في

افتتاح الصلاة ثم لا يعودون - مصنف ابن أبي شيبة (۲۶۷/۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے تمام شاگرد

رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کے شروع میں، پھر دوبارہ نہیں

کرتے تھے۔ (بارہ مسائل ص: ۵۲)

جواب: افسوس ہے ملتانی صاحب کو جب احادیث مرفوعہ ثابتہ نہ ملیں تو اب آثار تابعین

سے مدد لینا شروع کر دی، لیکن کیا کیا جائے بات تو یہاں بھی نہیں بنتی، کیونکہ (۱) روایت زیر بحث نزاعی مسئلہ میں مفید نہیں، کیونکہ مجہول اشخاص کا عمل اس سے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ تابعین میں سے ہیں، اولاً تو نزاعی مسئلہ ”فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ والرسول“ کے تحت عمل ضروری تھا جس کو چھوڑ کر اشخاص اور وہ بھی تابعین میں سے ان سے نزاع ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو غلط ہے۔ دوم یہ کہ تابعین کا عمل خود رسول اکرم کے عمل کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ خود ائمہ احناف کے نزدیک عمل تابعی حجت شرعیہ نہیں۔

(۲) محدثین کے نزدیک عمل تابعی لائق حجت نہیں۔ لہذا اس سے استدلال بے کار ہے۔

(۳) احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس اثر کا معنی یہی ہوگا کہ اصحاب علی و اصحاب عبداللہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے، پھر کسی رکعت کے شروع میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے، اور زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین کا حکم کیا ہے؟ اور اس سے یہ اثر خاموش ہے اس لیے اس کو پیش کرنا غیر مفید ہے۔

(۴) آپ اصحاب عبداللہ و اصحاب علی رضی اللہ عنہم کی بات کر رہے ہیں جب کہ اصحاب محمد ﷺ رفع الیدین کرتے تھے تو اگر اصحاب علی و عبداللہ نہ کریں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

عن الحسن قال کان اصحاب النبی ﷺ ”کانما ایدیدہم

المراوح یرفعونها اذا رکعوا و اذا رفعوا رؤوسہم“

دیکھئے سنن کبریٰ بیہقی کی (۷۵/۲) اور محلی ابن حزم کی (۸۹/۴)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے اور اس عمل کے سبب ان کے ہاتھ رفع

الیدین کے وقت پنکھوں کے مثل لگتے تھے۔ اصحاب النبی کا عمل اصحاب عبداللہ و علی کے مقابلہ میں یقیناً اہمیت رکھتا ہے۔

(۵) حضرت علی خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریرہ کے وقت رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت اور دو رکعت کے بعد تیسری کے لیے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے، امام احمد بن حنبل نے اس کی تصحیح فرمائی ہے، امام ترمذی اس کو حسن صحیح فرماتے ہیں، مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے، امام بخاری جزء رفع الیدین میں اس کو ذکر کرتے ہیں۔

(۶) امام بخاری رحمہ اللہ جزء رفع الیدین میں حضرت ابو قتادہ، عمر بن الخطاب، و علی مرتضیٰ سے کلمہ استمرار کے ساتھ نقل فرماتے ہیں کہ یہ لوگ رفع الیدین کیا کرتے تھے رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت، جب خود علی مرتضیٰ عامل رفع الیدین تھے تو ان کے اصحاب کا عمل اگر اس کے خلاف ہے تو ہوا کرے اس سے کیا ہوتا ہے۔

عدم رفع الیدین کی نویں دلیل

عن مجاہد قال ما رأیت ابن عمر یرفع یدیه الا فی اول ما یفتتح۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲۶۸/۱)

”یعنی مجاہد تابعی فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر کو نہیں دیکھا کہ

وہ رفع یدین کرتے ہوں مگر نماز کے شروع میں۔“

جواب: (۱) اس اثر کی سند میں دو ایسے راوی ہیں جن کا حافظ خراب ہو گیا تھا، ایک ابوبکر بن

عیاض دوسرے حصین بن عبدالرحمن، بنا بریں یہ اثر لائق حجت نہیں۔ محدثین کے بیان

سے یہ بات صاف ہے کہ سوء حفظ کے سبب ابوبکر بن عیاض نے اس اثر کو ابن عمر

سے روایت کر دیا جبکہ وہ تغیر سے پہلے عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے تھے۔

(۲) مجاہد کی بات اگر مان لی جائے تو ان لوگوں کا کیا ہوگا جو کہتے ہیں کہ ابن عمر رکوع کو جاتے اور اٹھتے رفع الیدین کرتے تھے، جب کہ وہ لوگ کسی طرح مجاہد سے درجہ و مرتبہ میں کم نہیں، جیسے: لیث، ربیع، طاؤس، نافع، محارب، سالم، ابو الزبیر وغیرہ، اتنے لوگوں کی بات مانی جائے گی یا صرف مجاہد اکیلے کی بات تسلیم کر لی جائے، جب کہ احادیث صحیحہ ثابتہ اس کے خلاف بھی ہیں، ظاہر ہے ترجیح کثرت کو ہوگی، لہذا مجاہد کی بات قابل التفات نہیں۔

(۳) مقام تعجب ہے کہ ملتانی اینڈ پارٹی حضرت مجاہد سے یہ تو نقل کر کے خوش ہوتی ہے کہ ابن عمر کو انہوں نے صرف ایک بار رفع الیدین کرتے دیکھا، لیکن خود ابن عمر رضی اللہ عنہما جو کچھ روایت کرتے ہیں جو صحیح ترین احادیث میں بالتفصیل مذکور ہے، بخاری و مسلم جس کو بیان کرتے ہیں اس کی طرف مطلق نظر نہیں کرتے، آخر کیوں؟ ابن عمر جو ایک امتی ہیں ان کا فعل جو محدثین کے نزدیک سنداً درست بھی نہیں اس کی تو اس قدر پذیرائی ہے کہ اس کو دلیل بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور خود ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بیسیوں طرق کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کرتے تھے: ابتداء میں رکوع کو جاتے، رکوع سے اٹھتے اور دو رکعتوں سے اٹھتے وقت:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه ، ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلاة واذا كبر للركوع واذا رفع رأسه من الركوع رفعها كذلك الخ۔

یعنی رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو اسی طرح کرتے..... الخ۔

یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، موطا امام مالک، موطا امام محمد، مسند ابوعوانہ، مسند حمیدی اور مستدرک حاکم وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں، بلکہ محدثین کرام اور علماء امت کا اتفاق ہے کہ یہ صحیح ہے، پھر بھی اس کو چھوڑ کر امتی کے فعل کو جب کہ وہ ثابت بھی نہیں دلیل بنانا کہاں کا انصاف ہے؟ یہ کیسی محبت رسول ہے؟ یہ کیسی فقاہت ہے؟ ظاہر ہے یہ سراسر غلط ہے اور کسی طرح بھی دلیل نہیں بن سکتا۔

(۴) فقہاء کرام خصوصا احناف کا یہ اصول ہے ”الاثبات مقدم علی النفی“ تعجب ہے ملتانی اینڈ پارٹی یہاں یہ اصول بھول جاتی ہے، جب یہ اصول آپ کو مسلم ہے اور یہاں مجاہد کے مقابلے میں دسیوں شاگرد حضرت عبداللہ بن عمر کے اس بات کو وضاحت سے بیان فرما رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رفع الیدین کے فاعل و قائل تھے تو ایسے میں ان لوگوں کے بیان کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے، جب کہ حضرت مجاہد کی روایت میں نفی ہے اور دوسرے لوگوں کے بیان میں اثبات ہے، وہ ناہونے اور یہ حضرات ہونے کا ذکر کر رہے ہیں، ایسی صورت میں رفع الیدین کا اثبات کرنے والوں کی روایت کو ترجیح ہوگی، لہذا ملتانی صاحب کے لیے یہ روایت مفید نہیں نقصان دہ ہے۔

(۵) اگر اس روایت کو اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ یہ روایت کہاں کی ہے تو صاف طور پر اس کا جواب یہی ہوگا کہ طبقہ ثالثہ کی روایت ہے یعنی مجاہد کا یہ اثر طبقہ ثالثہ کی کتب میں ملتا ہے اور حضرت ابن عمر کی روایات جن میں رفع الیدین کا اثبات اور ذکر ہے وہ طبقہ اولیٰ کی کتب میں ہے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تیسرے طبقہ کی کتابوں میں موجود روایات کے مقابلہ میں طبقہ اولیٰ مثل صحیحین کی کتابوں میں موجود حدیث قابل ترجیح ہے، لہذا یہ اثر ملتانی صاحب کے لیے

مفید مدعا نہیں بلکہ ان کا ایسی کوشش کرنا ان کی بے جا عصبيت کا شاہکار ہے۔
جان بوجھ کر عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔

(۶) حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو حنفیہ کی اس جرأت پر شدید تعجب ہے کہ وہ حضرت ابن عمرؓ پر کیا کیا الزام لگا رہے ہیں، جب کہ حضرت ابن عمرؓ سے صحیح احادیث سے مروی ہے کہ وہ رفع الیدین نہ کرنے والے کو کنکری مارا کرتے تھے، جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو رفع الیدین کرتے دیکھا ہو، جو رفع الیدین نہ کرنے والوں کو کنکری مارتا ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ رفع الیدین نہیں کرتا تھا سراسر زیادتی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے مشہور محدث و امام حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے کہ ”ابوبکر عن حصین عن مجاہد“ والی روایت محض وہم ہے۔ دیکھئے جزء القراءة۔ اور اگر مشہور حنفی عالم علامہ زیلیعی کی نصب الراية دیکھو تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ محدثین کے نزدیک زیر بحث روایت میں ابوبکر بن عیاض کو آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ ابن عمر رفع الیدین نہیں کرتے تھے محض وہم ہے اور دعویٰ نسخ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

(۷) ملتانی صاحب اگر اپنے حنفی عالم صاحب ”التعلیق الممجد“ سے ہی اس روایت کا فیصلہ کرا لیتے تب بھی ان کو یہ اثر پیش کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ وہ صاف صاف فرماتے ہیں۔ ”هذا معالاً تقوم به الحجة“ یعنی اس اثر سے دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔

پتہ چلا ملتانی صاحب کا اس اثر سے استدلال محض غلط ہے۔

ملتانی صاحب کا دسواں شبہ ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال کأنی بقوم یأتون من بعدی یرفعون أیدیہم فی الصلاۃ کأنہا أذنان خیل شمس۔“

مسند الامام الربیع (۴۵/۱)

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: گویا کہ میں ایک قوم دیکھ رہا ہوں جو میرے بعد آئے گی، نماز میں اس طرح رفع یدین کرے گی گویا کہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دھیں ہیں۔

[بارہ مسائل ص: ۵۲]

جواب: (۱) ملتانی صاحب کا اس روایت کو پیش کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ان کے ترکش کا یہ آخری تیر ہے جس کو وہ آزمانا چاہتے ہیں، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پیارے ملتانی صاحب کی یہ کوشش محض بے سود رہی۔ انہوں نے مغالطہ دہی کی کوشش تو پوری کی لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا۔ کیونکہ اس روایت کا تعلق اس تشہد والی رفع الیدین سے ہے جس کے بارے میں وضاحت سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس رفع الیدین کا تعلق رفع الیدین عند الرکوع و الرفع منہ، رکوع میں جانے اور اس سے سر اٹھانے سے ہرگز نہیں ہے اور جب اس کا تعلق اس رفع الیدین سے ہے نہیں جس میں احناف اور محدثین کے درمیان اختلاف ہے تو اس کو پیش کرنا بے سود ہے۔

(۲) اگر اس روایت کو تسلیم کیا جائے کہ اس کا تعلق رفع الیدین ہی سے ہے اور اس رفع الیدین سے نہیں جو سلام کے وقت کی جاتی تھی بلکہ مطلق رفع الیدین مراد ہے، تو

پھر افتتاح صلاۃ کے وقت تکبیر تحریمہ کے وقت عیدین میں اور صلاۃ جنازہ میں رفع الیدین ممنوع ہوئی، احناف ان مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کب چھوڑیں گے، اعلان فرمادیں۔

(۳) مولوی ملتانی صاحب کی بے چارگی بھی قابل داد ہے، حدیث تو نقل کردی اور تاثر یہ دیا کہ رفع الیدین حدیث سے منع ہے، لیکن جب خیال آیا کہ رفع الیدین تو ائمہ ثلاثہ بھی کرتے ہیں اور ہم یہ بھی کہتے ہیں چار امام برحق ہیں اور حدیث کی جو تشریح ہم نے کی ہے اس کی رو سے ائمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین وعید کے مستحق ٹھہریں گے اور اس کا جواب مشکل ہے تو حدیث کی تشریح ہی بدل دی اور من مانی بھڑادی، فرماتے ہیں:

”مراد یہ ہے کہ وہ لوگ رفع یدین کو ہی کل دین سمجھ لیں گے اور رفع یدین کی آڑ میں خود گمراہ ہونگے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے خود بد عقیدہ ہونگے اور دوسروں کو بد عقیدہ بنائیں گے“

اب ان بزرگمہر سے کوئی پوچھے: حضور والا! یہ تشریح کس نے کی ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کے شاگردوں نے، یا کسی محدث نے؟ یا یہ تشریح حضور ہی کی نواسیہ ہے۔ شاید ایسے لوگوں ہی کے لیے کہا گیا ”یکتبون بایدیدہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ“ اپنے من سے لکھ مارا اور اس کی نسبت اللہ و رسول کی طرف کردی، اس یہودیانہ روش کا وبال اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مل کر رہے گا۔ ملتانی اینڈ پارٹی بتائے کہ اہلحدیث نے ائمہ ثلاثہ سے رفع یدین کے مسئلہ میں کیا زیادہ کیا ہے، اور اہلحدیث کے کس عالم نے کہا ہے کہ یہ کل دین ہے۔ اور ان کو کہاں سے پتہ چلا کہ اہلحدیث اس کو کل دین بنا چکے ہیں؟ اگر ہم نے رفع الیدین کرنے کو کل دین بنایا ہے تو احناف نے ناکرنے کو کل دین بنایا ہے، اگر ہم رفع الیدین کر کے مجرم ہیں تو ائمہ ثلاثہ بھی مجرم ہوئے

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

اور آپ رفع الیدین نا کر کے مجرم ہوئے۔

رہی بات رفع الیدین کی آڑ میں گمراہ ہونے اور کرنے کی تو یہ آپ کا فتویٰ ہے، اس فتویٰ کا اطلاق اگر اہلحدیث پر ہوگا تو ائمہ ثلاثہ و جمیع محدثین پر بھی ہوگا، صحابہ کرام اور تابعین پر بھی ہوگا، اب آپ خود فیصلہ کر لیں کہ یہ فتویٰ گمراہی کا پتلہ اور گمراہ کن ہے یا رفع الیدین کرنے والے گمراہ اور گمراہ گر ہیں۔ اور یہ سوال بھی حل فرمائیے گا کہ بقول مقلدین احناف رفع یدین فروعی مسئلہ ہے اس کی بنیاد پر بھی بدعتیہ ہونے اور کرنے کی بات کس طرح پیدا ہوئی، کیا رفع یدین عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ اس پیراگراف کے بعد آپ کا یہ فرمانا۔

”اس کا مصداق امام شافعی و احمد نہیں کہ وہ صحیح العقیدہ لوگ ہیں“

عجیب شترگرگی ہے، جرم ایک ہی ہے، ایک کو پھانسی چڑھا دیا دوسرے کو بے قصور فرمادیا، آپ کی عدالت بھی عجیب انصاف پرور عدالت ہے، لگتا ہے یہ عدالت اسلامی نہیں چنگیزی عدالت ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ائمہ کرام کو سارٹیفکیٹ آپ دے رہے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس اپنے صحیح العقیدہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں، مقلدین احناف ہی کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو سواد اعظم بھی کہتا ہے تمام دیوبندیوں کو نہ صرف گمراہ، گمراہ گر کہتا ہے بلکہ جہنمی اور مرتد ہی نہیں بدترین مرتد قرار دیتا ہے۔ اکابر دیوبند کو نام بنام کافر قرار دیکر آخر میں یہ بھی لکھتا ہے کہ ”من شک فی کفره و عذابه فقد کفر“ اگر دیکھنا ہو تو تجانب اہل السنۃ، حسام الحرمین، فتاویٰ رضویہ فتاویٰ مصطفویہ اور فتاویٰ امجدیہ دیکھ لو، اگر تمہارے اپنے رفع یدین کے مخالف لوگ ہی تم کو مسلمان ماننے کو تیار نہیں بلکہ تمہارے پیچھے تمہیں مسلمان مان کر نماز پڑھنے والے کو بھی وہ کافر قرار دیتے ہیں ایسے میں آپ کو اہلحدیثوں کی نہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے اور اپنے ان بھائیوں کو سمجھانا چاہیئے۔

آپ نے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کو تو شکر ہے صحیح العقیدہ ہونے کی سند

دید، کاش امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی آپ حضرات صحیح العقیدہ مان لیتے۔ یہ مت کہنے کا کہ میں یہ کوئی بکواس لکھ رہا ہوں۔

یہ گزارشات اس بنیاد پر کی جا رہی ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی آپ حضرات تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اس بات کی بھی صراحت کرتے ہیں کہ ہم صرف فروع میں امام صاحب کی تقلید کرتے ہیں، یعنی اصول میں یعنی عقیدہ میں امام صاحب کی تقلید نہیں کرتے، یہ بات بہشتی زیور اور بہار شریعت جیسی آپ حضرات مقلدین احناف کی بنیادی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، عقیدہ میں آپ حضرات ماتریدی یا اشعری ہیں کچھ حنفی معتزلی بھی گزرے ہیں، امام ابوحنیفہ کے فروعی مسائل کو درست مان کر ان میں ان کی تقلید کرنا اور عقیدہ میں ان کو ٹکا سا جواب دے دینا آخر کیا معنی رکھتا ہے، عقیدہ میں امام صاحب کی تقلید کیوں نہیں؟ کوئی حنفی ماتریدی کوئی اشعری، کوئی معتزلی آخر کیوں ہے؟ ظاہر ہے، یا تو امام صاحب عقیدہ کے مسائل جانتے نہ تھے یا جانتے تو تھے، لیکن ان کے مسائل درست نہ تھے، گویا ان کا عقیدہ درست نہ تھا۔ یہ کس قدر افسوس ناک صورت حال ہے کہ علماء احناف فروعی مسائل میں مقلد اور عقیدہ میں غیر مقلد بنے پھرتے ہیں اور پھر غیروں پر فتوے بازی کرتے ہیں۔ اسی لیے عرض کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے بارے میں بھی فتویٰ جاری فرمادیں کہ وہ صحیح العقیدہ تھے تو مہربانی ہوگی۔

فائدہ یا فساد

ملتان صاحب نے اس کے بعد فائدہ لکھا ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں: ”چونکہ تکبیر تحریمہ، توات، عیدین والے رفع یدین کے ساتھ ذکر یعنی ”اللہ اکبر“ کہا جاتا ہے اس لیے وہ باقی رکھا گیا، اور جو رفع یدین ذکر سے خالی تھے ان کو سرکش گھوڑوں کی دھمکی فرما کر منع کر دیا گیا..... اور یاد رہے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ ذکر اللہ نہیں بلکہ کلام الناس ہے، اس لیے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔“

ہماری گزارش

ناظرین کرام! تکبیر تحریمہ، قنوت اور عیدین میں رفع یدین چونکہ خود احناف بھی کرتے ہیں اور یہاں جو حدیث ملتانی صاحب نے نقل فرمائی ہے۔ اس میں مطلقاً منع کی بات ہے، اس لیے ان کو ڈر ہوا کہ پھر ہمارے پاس کیا جواب ہے ان مذکورہ مقامات میں رفع یدین کا؛ تو اس کے لیے یہ بہانہ تراشا کہ چونکہ مذکورہ مقامات پر ذکر اللہ یعنی ”اللہ اکبر“ کہا جاتا ہے اس لیے وہاں درست ہے۔ اور سلام پھیرتے وقت چونکہ اللہ اکبر نہیں کہا جاتا ہے اس لیے وہاں رفع یدین منع ہے۔

بات صاف ہو گئی کہ سلام پھیرتے وقت رفع یدین منع ہے، لیکن ملتانی صاحب جس رفع یدین پر برہم ہیں یا جو لوگ رفع یدین کرتے ہیں وہ سلام پھیرتے وقت رفع یدین نہیں کرتے، بلکہ وہ تو رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہیں، اور اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں نیز رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت ذکر اللہ بھی موجود ہے کیونکہ رکوع کو جاتے وقت ”اللہ اکبر“ کہا جاتا ہے اور اٹھتے وقت ”سمح اللہ لمن حمدہ“ اور یہ دونوں ذکر اللہ ہیں۔ کلام الناس نہیں، لہذا ملتانی صاحب کے اجتہاد سے بھی یہاں رفع یدین باقی رہنا چاہیے جیسا کہ تحریمہ کے وقت اور عیدین میں انہوں نے باقی رکھا..... اور جب رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین درست ہوا تو ملتانی صاحب کا یہ حدیث نقل کرنا چہ معنی دارد..... پوری تشریح پڑھنے کے بعد کیا آپ کو نہیں لگتا کہ ملتانی صاحب نے خود ہی رفع یدین رکوع کو جاتے اور اٹھتے کو درست فرمادیا اور یہ حدیث مرفوع نقل فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ۔

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کیا نرا کلام الناس ہے؟

ناظرین کرام! ملتانی صاحب نے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کو کلام الناس فرما کر

اس کو نماز کو فاسد کرنے والا فرمادیا، ہو سکتا ہے آپ کو بھی تعجب ہو کہ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ سے کیا نماز فاسد ہو جاتی ہے، تو بات اصل یہ ہے کہ حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تحریمھا الکبیر، وتحلیلھا التسلیم، یعنی نماز میں خلاف نماز امور حرام ہو جاتے ہیں اللہ اکبر کہنے کے بعد، اور سلام کے بعد حلال ہو جاتے ہیں۔ جس طرح تکبیر نماز کا حصہ ہے اسی طرح تسلیم بھی نماز کا حصہ ہے، لیکن ہمارے احناف بھائی اس کو نہیں مانتے ان کے یہاں جس طرح نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنا ضروری نہیں، اللہ اکبر جیسے الفاظ کہنے یا فارسی میں خدا بزرگ است وغیرہ سے بھی آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح نماز کے آخر میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا ضروری نہیں کوئی بھی خلاف نماز کام کرنے سے آدمی نماز سے نکل جاتا ہے اور نماز پوری ہو جاتی ہے اس میں کوئی کمی نہیں آتی، کوئی شخص نماز کے آخر میں قہقہہ لگا دے کوئی کسی کو آواز دیدے یا گوز مار دے ہلکے سے یا زور سے نماز سے نکل جاتا ہے۔ گویا کہ پاد مار دینا اور ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہنا ان کے نزدیک برابر ہے، اسی لیے ملتان صاحب نے فرمایا کہ یہ کلام الناس ہے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ معمولی سمجھ رکھنے والا بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا محض کلام الناس نہیں ہے اور اسی طرح وہ ذکر اللہ سے بھی خالی نہیں ہے اس کو محض کلام الناس کہنا لفظاً و معناً دونوں غلط ہے اور غلط بنیادوں پر قائم ہے۔

مولوی ملتانی کا چیلنج اور ہمارا جواب

مولوی ملتانی صاحب نے بحث کے آخر میں عنوان لگایا ہے:

”غیر مقلدین کا عمل اور دعویٰ“ اور اس کے تحت عجیب انداز کی تحقیق پیش فرمائی ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، آپ نے ۵ نمبر قائم کئے ہیں، ایک اور دو نمبر میں کوئی خاص سوال نہیں، اس لیے اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ نمبر ۳ میں فرماتے ہیں:

دس جگہ رفع یدین فرض ہے اور اٹھارہ جگہ رفع یدین منع ہے۔

اس میں رفع الیدین کے فرض ہونے کی بات الہمدیث پر اتہام ہے الہمدیث اس کی مسنونیت ہی کے قائل ہیں۔ فرضیت کا قول ان کی طرف غلط طور پر منسوب کرنا افتراء پر دازی ہے۔

جماعت الہمدیث کے مشہور عالم حضرت مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ اپنی مشہور کتاب ”رسول اکرم کی نماز“ میں فرماتے ہیں۔ واضح رہے کہ امام اوزاعی، حمیدی وغیرہ ائمہ سنت رفع الیدین کو واجب جانتے تھے، امام شافعی اور جمہور فقہاء الہمدیث اسے سنت سمجھتے ہیں۔ (ص: ۶، مطبوعہ دہلی) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملتانی گروپ کا رفع الیدین کے فرض ہونے کا قول الہمدیث کی طرف منسوب کرنا محض افتراء ہے۔ اب آئیے ان کے نمبر ۴ کی طرف فرماتے ہیں۔

”غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ نبی پاک ﷺ اخیر زندگی تک ہمیشہ ہمیشہ یہ عمل کرتے رہے۔“

جواب: یقیناً جماعت الہمدیث کا یہ دعویٰ ہے، اور وہ اس پر نا قابل تردید دلائل رکھتے ہیں، جبکہ منکرین سنت کے پاس اس بارے میں سوائے شکوک و شبہات کے کچھ بھی نہیں ہے۔ خیر دلائل ہم ذکر کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

رفع الیدین کا دوام

رفع الیدین کے مسئلہ پر جن حضرات کی نظر ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ احناف زمانہ قدیم سے اس مسئلہ میں پریشان ہیں، پہلے ان کے یہاں اس بات کی کوشش کی گئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دیگر صحابہ کرام کی احادیث پر راجح قرار دیا جائے اور مسئلہ کو ترجیح کی بنیاد پر حل کر لیا جائے، لیکن محدثین کرام نے ان کے سامنے صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ سے روایات صحیحہ ثابتہ پیش فرمادیں، اور جب کسی

طرح ترجیح ثابت نہ ہو پائی تو ایک زمانہ تک نسخ کا دعویٰ کیا جاتا رہا، لیکن اس کے اندر جو کمزوری تھی وہ خود علماء احناف کو زیادہ دنوں تک مطمئن نہ کر سکی، بلکہ خود علماء احناف مثل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور علامہ سندھی وغیرہ نے بباغ و بیل اعلان کر دیا کہ رفع الیدین کا ایک لفظ بھی منسوخ نہیں ہے۔ تو اب متاخرین نے ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے کہ رفع الیدین ثابت تو ہے اور منسوخ بھی نہیں لیکن اس کا دوام ثابت نہیں اب سارا زور اسی نقطہ پر صرف کیا جا رہا ہے۔ آج کی محفل میں ہم اس نئے شوشہ پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں:

(۱) رفع الیدین کا ثبوت اس کثرت سے صحیح احادیث میں وارد ہے کہ احادیث متواترہ پر جن حضرات نے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں انہوں نے رفع الیدین کو احادیث متواترہ سے ثابت بتایا ہے، علامہ سیوطی، علامہ فیروز آبادی وغیرہ نے بھی اپنی کتابوں میں اس کو ثابت فرمایا ہے۔ پھر تواتر اسنادی ہی نہیں تواتر عملی کا ثبوت بھی علامہ بیہقی و امام بخاری کی کتب سے ثابت ہے جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اگر ایسی سنت کے لیے یہ مطالبہ کیا جائے کہ یہ ثابت کرو کہ اللہ کے رسول نے اس پر ہمیشہ عمل کیا ہے تو سوچنا چاہیے کہ نماز کی دیگر سنن پر کیا دوام ثابت کیا جاسکتا ہے اور پھر کتنی سنتیں باقی بچیں گی..... یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ یہ طرز عمل کہ رفع الیدین کا چونکہ دوام ثابت نہیں اس لیے نہیں کرنا چاہیے کیا عوام کو سنن کے ترک پر جبری اور سنتوں کو بے وقعت نہیں کر دے گا۔

(۲) اس سارے نزاع کو اگر علماء احناف ختم کرنا چاہتے ہیں تو صرف ایک کام کریں، یہ جھگڑا ہمیشہ ہمیش کے لیے ختم ہو جائے گا۔ صرف اتنا ثابت فرمادیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اتنے دنوں رفع الیدین کیا اور اس کے بعد منع فرمادیا، یقین جانیے جس دن ہمارے یہ احباب اپنی یہ تحقیق کتاب و سنت سے پیش فرمادیں

گے اہلحدیث کو اس کے ماننے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ لیکن قیامت کی صبح تک یہ کام ہو جائے؟ لگتا نہیں۔

(۳) ہمارے ان بھائیوں کا سارا زور حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت پر ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ نے رفع الیدین رکوع کو جاتے یا اٹھتے، یا دو رکعت کے بعد تشہد سے اٹھتے ہوئے نہیں کیا، اب دوام کا مطالبہ اور اس پر زور اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو ابن مسعود کی اس روایت پر بھی یقین نہیں کیونکہ ان کی حدیث میں عدم کا ذکر ہے اور وہ خود قدیم الاسلام ہیں، از ابتداء تا انتہا کبھی کسی زمانہ میں رفع الیدین کا ذکر نہیں کرتے۔ اس لیے اگر اس پر اعتماد ہے تو سرے سے رفع یدین کا انکار ہونا چاہیے تاکہ دوام کا مطالبہ۔ فافہم۔

(۴) آج دوام کا مطالبہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کسی زمانہ میں رفع یدین جاری تھا لیکن دائمی طور پر جاری نہیں رہا، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں اس کی نفی ہے، ہم عرض کریں گے کہ ہمارے یہ بھائی غور فرمائیں کہ کیا ابن مسعود کی روایت میں یہ ذکر ہے کہ رفع الیدین مسنون ہے مگر دائمی نہیں۔

(۵) ہمارے بھائی لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود کے فضائل کے ساتھ ان کی روایت کو پیش فرماتے ہیں اور ان کا قدیم الاسلام ہونا شدود سے ذکر کر کے ان کی روایت کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صغار صحابہ کو ان کے مقابلہ میں بچہ قرار دیکر ان کی روایت کو مرجوح اور ابن مسعود کی روایت کو راجح فرماتے ہیں، حالانکہ یہ ساری باتیں محض مغالطہ آمیزی پر مبنی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مقابلہ میں صرف [ابن عمر] کی روایات ہیں بلکہ ابن مسعود سے بھی قدیم الاسلام سفر و حضر کے ساتھی از ابتداء تا انتہا ساتھ رہنے والے اور آپ ﷺ کے بعد ان کے طریقہ کو جاری و ساری کرنے والے آپ کی سنتوں کو قولاً، عملاً بیان کرنے

والے صحابہ کرام بھی ہیں جن میں حضرات خلفاء راشدین کا مقام و مرتبہ محتاج بیان نہیں۔ فی الوقت ان دونوں حضرات کی حدیث نقل کی جاتی ہے، حضرت عثمان غنی و حضرت علی مرتضیٰ کی احادیث بھی کتب احادیث خصوصاً جزء بخاری و مسکٰی و تلخیص الحبیر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

عن عبد الله بن الزبير قال: صليت خلف ابى بكر فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع، وقال: صليت خلف رسول الله ﷺ فذكر مثله۔

(رواه البيهقي، وذكره ابن حجر في التلخيص، والسبكي في جزئه.)

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر الصدیق کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بھی اسی طرح نماز پڑھا کرتا تھا۔

وعن عمر بن الخطاب رضى الله عنه انه قال: رأيت رسول الله ﷺ يرفع يديه اذا كبر واذا رفع راسه من الركوع، وفي رواية: كان يرفع يديه عند الركوع واذا رفع راسه من الركوع۔

رواه الدارقطني في غرائب مالک، و البخاری و السبکی فی جزئہما و الحدیث صحیح۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ رفع یدین کرتے تھے، نماز کے شروع میں اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور ایک دوسری

روایت میں ہے آپ رفع الیدین کرتے تھے شروع نماز میں رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے۔

یہ حدیث دارقطنی، بخاری اور سبکی نے بیان کی ہے اور اس کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ یہ ان کے نزدیک بھی صحیح ہے۔

ان دونوں حضرات خلفاء راشدین کی روایات میں نہ صرف فعل رسول مذکور ہے بلکہ ان حضرات کا اس پر عمل و تواتر بھی مذکور ہے، اور ظاہر ہے یہ حضرات ابتداء سے انتہاء تک آپ کے ساتھ رہے، اور آپ کے بعد آپ کے خلیفہ ہوئے، رسول اکرم ﷺ نے ان کی پیروی کا حکم بھی دیا، اگر رفع الیدین کا دوام نہ ہوتا تو یہ حضرات کیوں کرتے؟ اگر کسی زمانہ میں رفع الیدین منسوخ ہوئی ہوتی تو بیان کرتے، اگر آخر وقت تک ان حضرات نے آپ کو رفع الیدین کرتے ہوئے نا دیکھا ہوتا تو یہ حضرات اس پر عمل کیوں کرتے؟ ظاہر ہے رفع الیدین پر دوام ثابت ہے تبھی یہ حضرات اس پر عامل تھے۔ امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عثمان غنی کی روایت اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ محدثین نے حضرت علی سے بھی احادیث نقل کی ہیں کہ وہ بھی قائل و عامل تھے۔ امام ترمذی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی روایت حسن و صحیح ہے۔

امام بیہقی و امام حاکم رحمہما اللہ اپنی اپنی کتابوں میں تصریح فرماتے ہیں کہ خلفاء اربعہ سے رفع الیدین کی احادیث مروی ہیں۔ جس کا تذکرہ صاحب التعلیق المغنی علی الدار قطنی نے بھی فرمایا ہے۔ خلفاء اربعہ کا رفع الیدین کا راوی و عامل ہونا اس سنت کے دوام پر دال ہے۔

(۶) جس طرح خلفاء راشدین کا وفات نبوی کے بعد اس پر عامل ہونا دوام پر دال ہے اسی طرح ان صحابہ کرام کا جو مدینہ میں آپ کی تشریف آوری سے لیکر وفات نبوی تک آپ کے ساتھ رہے رفع الیدین کا روایت کرنا اس کا عامل ہونا اس کے دوام

پر دال ہے، جن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ و حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر بطور خاص کیا جاسکتا ہے۔ یہ حضرات مدنی زندگی کے معمولات نبوی سے جس قدر واقف تھے دوسرا کون ہوگا، ان حضرات کا رفع الیدین کی روایت بیان کرنا اور خود عامل ہونا اس بات کی صریح دلالت ہے کہ رفع الیدین کا دوام ثابت ہے۔ اگر کسی زمانہ میں منسوخ ہوئی ہوتی تو یہ حضرات ضرور بتاتے۔

(۷) اب آئیے ایک اور صحابی رسول کی محفل میں چلتے ہیں، وہ ایک محفل میں ہیں جس محفل میں دس دیگر صحابہ کرام تشریف فرما ہیں، ان میں حضرت ابوقحادہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اور یہ محفل رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد کی ہے۔ ذکر رسول اللہ ﷺ کا چل رہا ہے، حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تفصیل جانتا ہوں، ان صحابہ کرام نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نہ تو ہم سے زیادہ آپ ﷺ کی صحبت میں رہے اور نہ ہی آپ کی پیروی میں ہم سے آگے ہو، ابو حمید بولے: کیوں نہیں؟ صحابہ کرام نے کہا، تو پھر پیش کیجئے۔ حضرت ابو حمید ساعدی نے فرمایا: جب اللہ کے رسول ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھاتے پھر اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ اچھی طرح کھڑے ہو جاتے، پھر قرأت کرتے پھر اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے، پھر رکوع کرتے اور دونوں ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر اچھی طرح رکھتے، نہ سر کو اٹھا کر رکھتے اور ناجھکاتے، پھر سر کو اٹھاتے اور کہتے ”سبح اللہ لمن حمدہ“ پھر ہاتھ اٹھاتے دونوں مونڈھوں تک اٹھتے۔

ساری نماز کی تفصیل اس حدیث میں مذکور ہے۔ صحابہ کرام نے فرمایا تم نے سچ کہا آپ ﷺ ایسے ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی حمید الساعدی فی عشرة من اصحاب رسول الله ﷺ منهم ابو قتادة قال ابو حمید: انا أعلمکم لصلاة رسول الله ﷺ - قالوا: فلم؟ فوالله ما كنت بأکثرنا، له تبعاء، ولا أقدمنا له صحبة! قال: بلی قالوا: فاعرض - قال: کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلاة یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه، ثم یکبر حتی یر کل عظم فی موضعه معتدلاً، ثم یرأ ثم یکبر فیرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه، ثم یرکع، و یضع راحتیہ علی رکتیہ ثم یعتدل، فلا یصب راسه ولا یقنع، ثم یرفع راسه، فیقول: سمع الله لمن حمده، ثم یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه معتدلاً، ثم یقول: "الله اکبر" ثم یموی الی الارض.....
..... قالوا: صدقت هکذا کان یصلی ﷺ - اخرجه

البخاری فی جزئہ و أبوداود واللفظ له وغیرهما۔

یہ حدیث اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ رفع الیدین منسوخ نہیں، اور یہ کہ رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور اس کا دوام آپ کی آخری زندگی تک ثابت ہے، ورنہ ابو حمید ساعدی کے اس دعویٰ کو یہ دس صحابہ کرام رد کر دیتے، لیکن انہوں نے نہ صرف ان کے دعویٰ کو تسلیم کیا بلکہ ان کی تصدیق کی۔ اور یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے۔ گویا ابو حمید ساعدی نے جو بیان دیا اور ان دس صحابہ کرام نے جو تصدیق فرمائی وہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل دائمی تھا۔

(۸) رفع الیدین کی احادیث کثرت وجود کے سبب اس شبہ کو دفع کر دیتی ہیں کہ رفع الیدین پر کسی زمانہ میں عمل متروک ہو گیا تھا جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ کسی خاص زمانہ میں رفع الیدین پر عمل متروک ہو گیا تھا اور کسی زمانہ میں کیا جاتا تھا کیونکہ وہ تو یہ فرماتے

ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا اگر حضرت ابن مسعود نے نہیں دیکھا اور حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ و دیگر صحابہ کرام نے دیکھا تو ان کا نادیکھنا دلیل نہیں، جن لوگوں نے دیکھا ان کا دیکھنا دلیل ہے، کیونکہ قاعدہ اصولیہ ہے مثبت ثانی پر مقدم ہے۔ یہی بات علماء احناف کے ان لوگوں نے کہی ہے جن کو حدیث سے شغف رہا ہے اور جو بطور تقلید حدیث میں خامہ فرسائی نہیں کرتے، مثلاً حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی التعلیق المجد میں فرماتے ہیں۔

”ان رولة الرفع من الصحابة حم غفیر و رواة الترك جماعة قليلة

مع عدم صحة الطرق عنهم الا ابن مسعود۔“

وہ صحابہ کرام جو رفع الیدین کی روایات بیان کرتے ہیں بہت بڑی جماعت کی صورت میں ہیں اس کے برخلاف ترک رفع کے راوی بہت کم ہیں اور ان کی اسانید بھی سوائے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے صحیح نہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اپنی کتاب ”نیل الفرقدین“ میں فرماتے ہیں:

”و لیعلم ان الرفع متواتر اسنادا و عملا لا یشک فیہ و لم ینسخ و

لا حرف منه و انما بقی الکلام فی الافضلیۃ“

جان لینا چاہئے کہ رفع الیدین اسناد اور عمل کے اعتبار سے متواتر ہے

اور اس میں شک کی گنجائش نہیں اور اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں

ہے اگر گفتگو ہو سکتی ہے تو صرف افضلیت میں۔

اگر رسول اللہ ﷺ آخر تک رفع یدین نہ کرتے رہے ہوں تو کیا یہ ممکن ہے کہ

صحابہ کرام کی اکثریت بلکہ بقول امام بخاری، حضرت حسن بصری اور حضرت حمید بن حلال

جو مشہور تابعی ہیں بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے۔ اور یہ لوگ کسی

صحابی کو متشی نہیں کرتے، جس سے کم از کم یہ تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

رفع الیدین کی راوی اور عامل ہے جس کا اعتراف علماء احناف کی مذکورہ بالا عبارات صاف طور پر کر رہی ہیں، اگر عمر کے آخری حصہ میں رفع یدین چھوڑ دیا ہوتا تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رفع یدین کا دوام ثابت ہے۔

(۹) حضرت مالک بن الحویرث اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہما دو ایسے صحابی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے مدینہ حاضر ہوئے اسلام لائے، دین سیکھا نماز سیکھی اور اپنے قبیلہ کی طرف واپس چلے گئے۔ جس میں حضرت مالک بن الحویرث کی احادیث امام بخاری و مسلم و دیگر محدثین نے نقل فرمائی ہیں۔ حضرت مالک بن الحویرث رفع الیدین کے راوی ہیں، ۹ھ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حاضر خدمت ہوئے نماز سیکھی اور بیان بھی کی، وہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کو جاتے اور اٹھتے رفع یدین کیا کرتے تھے، یہی وہ صحابی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے نماز سکھا کر فرمایا ”صلوا کما رأیتمونی اصلی“ یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ویسے ہی نماز پڑھو، اور جب آپ نے حضرت مالک سے یہ فرمایا تھا اس وقت آپ رفع الیدین کرتے تھے جس کو حضرت مالک بن الحویرث بیان فرماتے ہیں۔

اس میں تین باتیں بہت صاف طور پر ثابت ہوئیں:

(۱) (رفع الیدین عند الركوع و عند رفع الرأس منه) رکوع کو جاتے اور اٹھتے رفع الیدین کا ثبوت۔

(۲) ۹ھ میں آپ کا رفع الیدین پر عامل ہونا۔

(۳) فعلی حدیث کے ساتھ قولی حدیث کا ثبوت کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان سے یہ کہا ”صلوا کما رأیتمونی اصلی“ تو رفع الیدین کا بھی حکم دیا جس کو وہ روایت کرتے ہیں، امام بخاری و مسلم وغیرہ ائمہ ان احادیث کو بیان فرماتے ہیں۔ اس لیے

رفع الیدین کا دوام بھی ثابت اور قول رسول بھی ثابت، ہمارے حنفی بھائی اس کے بعد کی کوئی روایت ترک رفع کی پیش فرمائیں تو نسخ کی بات کی جائے اور دوام میں خلل واقع ہو ورنہ یہ آپ کے آخری زمانہ کا عمل ہے۔ جس سے دوام صاف طور پر ثابت ہے۔

(۱۰) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ یعنی شہزادے ہیں، رسول اکرم ﷺ کے پاس دوبار حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ آخری بار جب حاضر ہوئے جاڑے کا موسم تھا، صحابہ کرام رفع الیدین کر کے اپنے ہاتھ کپڑوں میں چھپالیا کرتے تھے۔ ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں پر بھاری کپڑے تھے ان کے نیچے رفع یدین کرتے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

عن وائل بن حجر قال اتيت النبي ﷺ في الشتاء فرأيت اصحابه يرفعون ايديهم في ثيابهم في الصلاة۔

سنن ابوداؤد، باب افتتاح الصلاة، (۷۲۹/۱)

مورخین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ حضرت وائل بن حجر ۹ھ غزوہ تبوک کے بعد مسلمان ہوئے، اس کے بعد وہ دوبار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ ۱۰ھ تھا اور سخت سردی کا موسم تھا، صحابہ کرام موٹی چادریں وغیرہ اوڑھے ہوئے تھے اور رفع الیدین کرتے تھے، ۱۱ھ ماہ ربیع الاول میں وفات نبوی ہے، صلوات اللہ وسلامہ علیہ، ظاہر ہے چند ماہ پیشتر حضرت وائل خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، جو کچھ انہوں نے دیکھا بیان کیا اور اس میں رفع الیدین بھی بیان فرمائی، اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہوگی دوام رفع الیدین کی، اگر ہمارے بھائیوں کے پاس اس کے بعد کی کوئی روایت موجود ہو جس میں صراحت ہو کہ آپ نے رفع الیدین نہیں کیا تو پیش فرمائیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مشہور حنفی عالم و محشی علامہ سندھی نسائی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

واما قول من قال: ان ذلك الحديث ناسخ للرفع غير تكبيره

الافتتاح فهو قول بلا دليل، بل لو فرض في الباب نسخ فيكون الامر بعكس ما قالوا اولى مما قالوا: فان مالك بن الحويرث و وائل بن حجر من رولة الرفع ممن صلى مع النبي ﷺ آخر عمره، فروايتهما الرفع عند الركوع و الرفع منه دليل على تاخير الرفع و بطلان دعوى نسخه، فان كان هناك نسخ فينبغي ان يكون المنسوخ ترك الرفع و كيف وقد روى مالك هكذا جلسة الا ستراحة فحملوها على انها كانت في آخر عمره في سن الكبير، فهي ليس مما فعلها النبي ﷺ قصدا، فلا تكون سنة و قد يقتضى ان لا يكون الرفع الذى رواه ثانيا منسوخا لكونه آخر عمره عندهم، فالقول بانه منسوخ قريب من التناقض، وقال ﷺ لمالك و اصحابه ”صلوا كما رأيتموني اصلى“ فالاقرب القول باستئنان الامرين و الرفع اقوى واكثر۔

”جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث رفع الیدین کی ناخ ہے سوائے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کے، تو یہ ان لوگوں کی بات بلا دلیل ہے، اگر رفع الیدین کے باب میں نسخ فرض کیا جائے تو معاملہ بالکل الٹا ثابت ہوگا یعنی رفع الیدین ناخ اور ترک رفع الیدین منسوخ ہوگی۔ کیونکہ مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر رفع الیدین کے ان راویوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی آخری عمر میں نماز پڑھی ہے، ان دونوں کا رفع الیدین کی روایتوں کا بیان کرنا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ رفع الیدین جبکہ متاخر امر ہے اور اس کے نسخ کا دعویٰ باطل ہے، اگر کوئی چیز

یہاں منسوخ مانی جائے تو ترک رفع الیدین منسوخ مانی جائے۔ اور ایسا کیوں نہ کہا جائے کیونکہ حضرت مالک بن الحویرث کی حدیث میں جلسہ استراحت کا بھی ذکر ہے جس کو حنفیہ نے آخری عمر کا عمل قرار دیا ہے جب آپ بوڑھے ہو گئے تھے، لہذا جلسہ استراحت قصداً نہیں عذرا کیا گیا، لہذا سنت نہ ہوگا اسی طرح رفع الیدین رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت بھی آخر عمر کا عمل ہے لہذا منسوخ نہیں ہو سکتا، اور جب حال یہ ہے تو رفع الیدین کو منسوخ بتانا متضاد بات کرنا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا: (صلوا کما رأتہمونی اصلی) نماز ایسے ہی پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ اقرب بات یہ ہے کہ دونوں امر منسوخ مانے جائیں، لیکن رفع الیدین کی احادیث قوت و کثرت دونوں میں بڑھی ہوئی ہیں۔“

ناظرین کرام! اب اس کے بعد اس بات کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ یہ کہا جائے کہ رفع الیدین کا دوام ثابت ہے اور رفع الیدین کو منسوخ بتانے والوں کے پاس کوئی ایسی روایت نہیں جو اس کے بعد ترک رفع الیدین ثابت کر سکے۔

(۱۱) رفع الیدین کی وہ احادیث جو رفع الیدین کی تائید میں ہیں یا ہمارے بھائی لوگ جو اس کے ترک کے سلسلہ میں پیش فرماتے ہیں ان میں کہیں اس بات کا تذکرہ نہیں کہ رفع الیدین کے بارے میں کوئی مرحلہ ایسا آیا ہو کہ پہلے رفع الیدین جاری تھا بعد میں منع کر دیا گیا، یا پہلے رفع الیدین منع تھا بعد میں اس کا حکم دیا گیا، تمام احادیث میں رفع الیدین کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا، ابتداء صلاۃ میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے بعض کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا اور بعض میں کانوں تک

ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ ہے، جن احادیث کو ہمارے بھائی لوگ بنیاد بناتے ہیں اُن میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ ایک دفعہ کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ رفع الیدین رکوع کو جاتے اور اٹھتے ہمیشہ سے ہے اور آخر وقت تک رہا کیونکہ اگر کوئی ایسا زمانہ آیا ہوتا تو ضرور احادیث میں مذکور ہوتا... یاد رہے علماء دیوبند کے اکابر نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ رفع الیدین مسنون ہے۔ اگر اختلاف ہے تو افضلیت کا ہے جو حضرات نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس اس بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے، نسخ کے لیے جو چیز ضروری ہے: نصوص میں بعض کا مقدم اور بعض کا موخر ہونا اور اس کی صراحت اس کا سرے سے کہیں وجود نہیں، اس ساری تفصیل سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رفع الیدین کا دوام ثابت ہے۔

(۱۲) اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ ”کان یفعل“ کا حقیقی معنی دوام کے لیے ہے۔ اس سے عدول قرینہ صارفہ کے وقت ہی کیا جاسکتا ہے، کان جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو ماضی استمراری کا معنی دیتا ہے۔ روایات میں جو الفاظ وارد ہیں وہ وہی ہیں جو استمرار و دوام پر دلالت کرتے ہیں، اس سے بھی ثابت ہوا کہ رفع الیدین دائمی سنت ہے۔

(۱۳) ہمارے خفی بھائی رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کی رفع الیدین کو جب کوئی بس نہیں چلتا تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کا دوام ثابت نہیں ہے۔ ہم پوچھتے ہیں: بھائیو! چونکہ خفی مسلک رکوع کی رفع الیدین کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے آپ ان احادیث صحیحہ ثابتہ کو باوجود کثرت کے جس کا اعتراف خود ائمہ احناف کو بھی ہے رد کرنے کے لیے یہ حیلہ نکالتے ہیں کہ اس کا دوام ثابت نہیں۔ حالانکہ آپ حضرات عیدین، قنوت اور صلاۃ جنازہ میں رفع الیدین کے قائل ہیں جب کہ وہاں

نہ صحت و ثبوت ہے اور نہ کثرت، آخر اس کو سوائے مذہبی تعصب کے اور کیا کہا جاسکتا ہے، اور احادیث صحیحہ ثابتہ کے مقابلہ میں تقلید شخصی کو معتبر ماننا کہاں کا انصاف ہے، آخر یہ کونسا ایمان ہے اور کیسی محبت رسول ہے؟ اگر مندرجہ بالا مقامات پر رفع الیدین کے لیے آپ کو ثبوت دوام کی ضرورت نہیں پڑی تو یہاں رکوع کو جاتے اور اٹھتے اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔ جو جواب آپ ان مقامات پر رفع الیدین کے دوام کا فراہم کریں ہماری طرف سے بھی دہی مان لیا جائے۔

(۱۳) بیہقی ۱۔ کی ایک روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ ”فما زالت تلك صلاته حتى لقي الله تعالى“، یعنی آپ ﷺ کی صلاة (ایسی ہی رہی یعنی رفع الیدین کے ساتھ) یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے۔ علامہ زلیعی حنفی نے نصب الراية میں اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا، آج ہمارے بعض حنفی بھائی اس کو موضوع تک فرماتے ہیں۔ حالانکہ حضرت وائل کی روایات و دیگر روایات کے ہوتے اس ٹکڑے پر بحث کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس ٹکڑے کو کسی محدث کا قول بھی مان لیں تو رفع الیدین کی احادیث کا حاصل یہی ہے جو اس ٹکڑے کا مفاد ہے۔ اہلحدیث کی دلیل یہ ٹکڑا نہیں ہے بلکہ ان کی اہل دلیل وہی روایات ہیں جن سے احناف تکبیر تحریمہ کے وقت کی رفع الیدین کو دوام پر محمول کرتے ہیں۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کی رفع الیدین کو احناف سنت دائرہ مانتے ہیں اور بیہقی کا دعویٰ کرتے ہیں چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”ویرفع يديه مع التكبير وهو سنة لان النبي ﷺ واطب عليه“ انتہی۔

یعنی ابتداء صلاة میں تکبیر کے ساتھ ہاتھ بھی اٹھائے (رفع الیدین کرے) اور یہ فعل سنت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس پر مداومت کی

ہے۔“

علامہ زیلعی نے صاحب ہدایہ کے اس دعویٰ کے تحت جو احادیث پیش فرمائی ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت اور ابو حمید ساعدی کی روایت، ان دونوں روایتوں میں جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے اسی طرح رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کا بھی ذکر ہے اگر ان احادیث سے تکبیر تحریمہ پر مواظبت اور دوام ثابت ہوتا ہے تو رکوع کو جاتے اور اٹھتے ہوئے بھی دوام ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے رفع الیدین عند الرکوع وعند رفع الرأس منہ کا دوام بھی اسی دلیل سے ثابت ہے جس دلیل سے تکبیر تحریمہ والا رفع الیدین ثابت ہے۔ **تکلفی بهذا القدر، وان عدم عدنا۔**

عودۃ الی المقصود

ایک بار پھر ہم مولوی ملتانی کے چیلنج کی طرف آتے ہیں: نمبر ۵ میں فرماتے ہیں۔ رفع الیدین کے بغیر نماز باطل ہے۔ جو با عرض ہے کہ یہ کس نے کہا ہے مولوی ملتانی اور ان کے ہم نوا کسی اہلحدیث عالم کی عبارت مع حوالہ پیش کریں ورنہ بہتان باز کہلائیں گے، ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ رفع الیدین نہ کرنے پر بطلان صلاۃ کا فتویٰ اہلحدیث کا نہیں ہے یہ محض دیوبندی مولویوں کی افتراء پردازی ہے۔ **نوٹ:** مولوی ملتانی صاحب نے اہلحدیث سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایک قولی اور ایک فعلی صحیح صریح مرفوع متصل حدیث سے ثابت کر دیں۔

ناظرین کرام! فعلی احادیث جو صحیح صریح مرفوع و متصل ہیں کئی اثنائے بحث میں پیش کی گئی ہیں، پلٹ کر ملاحظہ فرمائیں، اور اگر مزید احادیث درکار ہوں تو اثبات رفع الیدین احادیث کی روشنی میں، از مولانا عبدالرشید انصاری، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ دہلی، ملاحظہ کر لیں جس میں دوسو پینتالیس احادیث معتبر کتب احادیث سے نقل فرمائیں ہیں۔ اب رہی بات قولی حدیث کی حالانکہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ فعلی

احادیث کو اس وقت تک نہ مانے جب تک قولی احادیث بھی اس کی تائید نہ کریں۔ قرآن قول و فعل میں کوئی فرق نہیں کرتا جب وہ کہتا ہے ”اطيعوا الله واطيعوا الرسول“ یا ”لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة“

اگر دیوبندی احباب نے ایسا کوئی اصول تراشا ہے کہ جب تک فعلی کے ساتھ قولی حدیث نہ ملے ہم نہیں مانیں گے، تو الگ بات ہے لیکن ایسے وقت ہم ان کو قرآن کی یہ آیت کریمہ سنائیں گے۔ ”ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى و نصله جهنم و ساءت مصيرا“ ضرورت تو نہ تھی لیکن ملتانی صاحب کا مطالبہ ہے لہذا قولی حدیث بھی پیش کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حدثنا دعلج بن احمد، ثنا عبد الله ابن شيرويه، ثنا اسحق بن راهويه، نا النضر بن شميل، نا حماد بن سلمة، عن الازرق بن قيس، عن حطان بن عبد الله، عن ابى موسى الاشعري قال: هل اريكم صلاة رسول الله ﷺ؟ فكبر ورفع يديه ثم كبر ورفع يديه للركوع ثم قال: سمع الله لمن حمده ثم رفع يديه ثم قال: هكذا فاصنعوا ولا يرفع بين السجدين۔ دارقطني (۲۹۲/۱)

اس حدیث میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے دونوں میں رفع الیدین کا ذکر ہی نہیں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا ”وهكذا فاصنعوا“ تم بھی اسی طرح کرو۔

۲۔ ازیں قبل حضرت مالک بن الحویرث کی حدیث گزر چکی ہے اس میں صاف ہے کہ رسول اللہ سے انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے نماز سیکھی جب جانے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا ”صلوا كما رأيتوني أصلي“ نماز اسی کیفیت سے ادا کرو جیسے مجھے دیکھا ہے اور اس میں حضرت مالک بن الحویرث صراحت فرماتے ہیں آپ نے رفع الیدین رکوع کو جاتے اور اٹھتے کیا۔ یہ حدیث قولی اور فعلی دونوں پر مشتمل ہے۔

دونوں حدیثیں صحیح صریح مرفوع متصل ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث کے رجال سارے ثقہ ہیں خود مولانا انور شاہ کشمیری حنفی دیوبندی نے العرف الشذی میں اس کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

ہم نے مولوی ملتانی کا مطالبہ پورا کر دیا ہے اب باری ان کی ہے وہ بھی اپنا وعدہ پورا کریں۔

ملتانی صاحب کا ایک بیجا مطالبہ ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین اپنی اردو بخاری (۴۶۸/۱) باب ۴۷۴ حاشیہ کے مطابق عشرہ مبشرہ کے نام بنام رفع الیدین کی دس حدیثیں اور پچاس صحابہ سے نام بنام پچاس حدیثیں جو شیعوں کے قرآن کی طرح غار میں چھپی ہوئی ہیں تحریر کر دیں اور ان کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“

(بارہ مسائل ص: ۵۴)

جواب: مولوی ملتانی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ علماء حدیث حنفی ہوں یا شافعی یا اہلحدیث اس بات کو لکھتے آئے ہیں کہ رفع الیدین کی احادیث حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور یہ کہ یہ واحد سنت ہے جس کی اتنی بڑی تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ بعض علماء احناف کے اقوال ازیں قبل ہم نقل کر چکے ہیں۔ اب برسمیل تذکرہ مشہور دیوبندی عالم مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب فیض الباری کی ایک عبارت پیش خدمت ہے وہ فیض الباری (۲۵۵/۱) کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

”واعلم أن الرفع متواتر اسناداً وعملاً، ولم ينسخ منه ولا حرف

وانما بقى الكلام فى الافضلية“

یعنی یہ بات جان لینی چاہیے کہ رفع الیدین سندا و عملا متواتر ہے،
اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں، جو کچھ بحث ہے وہ افضلیت میں
ہے (کہ رفع الیدین افضل ہے یا ترک؟)

امام بخاری رحمہ اللہ علم حدیث کا جیسا پختہ علم رکھتے تھے اس کی کوئی دوسری مثال
مشکل سے ملے گی وہ تمام فرق کے درمیان متفق علیہ ہیں، فرماتے ہیں:
لم یثبت عن احد من اصحاب النبی ﷺ انه لا یرفع یدیه۔

(جزء رفع الیدین ص: ۵۴)

یعنی نبی ﷺ کے کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے رفع الیدین نہ کیا ہو۔

عشرہ مبشرہ اور رفع الیدین

مولوی ملتانی جیسے مقلد کو اس بات پر اعتراض ہے کہ عشرہ مبشرہ بالجہ نے رفع الیدین
کو روایت کیا ہے اس کا ثبوت چاہئے۔ یہ بات کہ عشرہ مبشرہ نے رفع الیدین کی
احادیث روایت کی ہیں۔ ایسی بات ہے جس کو متقدمین سے لیکر متاخرین تک کہتے چلے
آئے ہیں۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ الحاکم صاحب المستدرک نیز امام ابوالقاسم مندہ، دونوں
حضرات بیان کرتے ہیں کہ رفع الیدین کی احادیث عشرہ مبشرہ نے روایت کی ہیں۔
اسی طرح علامہ عراقی اپنی کتاب طرح التقریب (۲۵۴/۲) میں فرماتے ہیں کہ:

”واعلم انه قد روى رفع الیدین من حدیث خمسين من الصحابة

منهم العشرة“

یعنی رفع الیدین کی احادیث پچاس صحابہ سے مروی ہیں جن میں
عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔

امام بیہقی نے اپنی سنن اور خلائیات میں تیس صحابہ کرام کی روایات شمار کرائی ہیں
اور فرماتے ہیں:

”سمعت الحاكم يقول: اتفق على رواية هذه السنة العشرة

المبشرة المشهود لهم بالجنة ومن بعدهم من اكابر الصحابة“

یعنی میں نے امام حاکم کو سنا فرماتے تھے: اس سنت کے روایت کرنے میں عشرہ مبشرہ متفق ہیں اور انہی کے ساتھ اکابر صحابہ کرام بھی۔

امام حاکم کے اس قول کے تعلق سے اگر نصب الریۃ فی تخریج احادیث الھدلیۃ للریلی خفی، دیکھی جائے تو وہاں آپ کو یہ ملے گا۔

”لا نعلم سنة اتفق على روايتها عن النبي ﷺ الخلفاء الاربعة ثم

العشرة المبشرة فمن بعدهم من اكابر الصحابة على تفرقهم في

البلاد الشاسعة غير هذه السنة۔

قال الشيخ في الامام: ”وجزم الحاكم برواية العشرة ليس عندي

بجيد فان الجزم انما يكون حيث يثبت الحديث و يصح ولعله

لا يصح عن جملة العشرة۔“ انتھی۔

قال البيهقي: وهو كما قال ابو عبد الله، فقد روى هذه السنة عن

ابي بكر الصديق - و عمر ابن الخطاب - و عثمان - و علي -

وطلحة - و الزبير - و سعد - و سعيد - و عبد الرحمن بن

عوف - و ابي عبيدة ابن الجراح - و مالك بن الحويرث - و زيد

بن ثابت - و ابي بن كعب - و ابن مسعود - و ابي موسى - و ابن

عباس - و البراء بن عازب - و الحسن بن علي - و زياد بن

الحرث الصدائي - و سهل بن سعد الساعدي - و ابي سعيد

الخدري - و ابي قتادة الانصاري - و سلمان الفارسي - و

عبدالله بن عمرو بن العاص - و عقبہ بن عامر - و بریدہ ابن الحصیب - و ابی ہریرہ - و عمار بن یاسر - انتھی۔

دیکھئے نصب الراية للزيلعي (۲۱۸/۱)

امام ابو عبد اللہ الحاکم فرماتے ہیں: رفع الیدین کے علاوہ کوئی دوسری ایسی سنت ہمارے علم میں نہیں جس کے نبی ﷺ سے روایت کرنے میں خلفاء اربعہ، عشرہ مبشرہ اور ان کے بعد اکابر صحابہ (جو آپ کی وفات کے بعد مختلف بلاد میں پھیل گئے تھے) متفق ہوں۔ شیخ ابن دقیق العید اپنی کتاب الامام میں فرماتے ہیں: امام حاکم کا یقینی طور پر عشرہ مبشرہ کو رفع الیدین کا راوی بتانا اچھا نہیں کیونکہ جزم تو اس وقت ہوتا جب حدیث صحیح و ثابت ہوتی شاید سارے عشرہ مبشرہ سے روایات صحیح ہوں ایسا نہیں۔

امام بیہقی ابن دقیق العید کے اس ریمارک پر فرماتے ہیں: بات ابو عبد اللہ الحاکم ہی کی درست ہے۔ کیونکہ یہ سنت مروی ہے۔ ۱۔ ابو بکر صدیق، ۲۔ عمر بن الخطاب، ۳۔ عثمان، ۴۔ علی، ۵۔ طلحہ، ۶۔ زبیر، ۷۔ سعد، ۸۔ سعید، ۹۔ عبد الرحمن بن عوف، ۱۰۔ ابو عبیدہ ابن الجراح، ۱۱۔ مالک بن الحویرث، ۱۲۔ زید بن ثابت، ۱۳۔ ابی بن کعب، ۱۴۔ ابن مسعود، ۱۵۔ ابو موسیٰ، ۱۶۔ ابن عباس، ۱۷۔ براء بن عازب، ۱۸۔ حسن بن علی، ۱۹۔ زیاد بن الحارث الصدائی، ۲۰۔ سہل بن سعد ساعدی، ۲۱۔ ابوسعید الخدری، ۲۲۔ ابو قتادہ الانصاری، ۲۳۔ سلمان الفارسی، ۲۴۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ۲۵۔ عقبہ بن عامر، ۲۶۔ بریدہ بن الحصیب، ۲۷۔ ابو ہریرہ، ۲۸۔ عمار بن یاسر۔

ان علماء پر اکتفاء کرتے ہوئے مولوی ملتانی اور ان کے ہم نواؤں کو ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ عمل کرنے کے لیے ایک صحیح حدیث کافی ہے۔ اور اگر عمل ناکرنا ہو جیسا کہ بد قسمتی سے مقلدین کا طرز عمل ہے تو ایک دفتر بھی ناکافی ہے۔ یہ چند سطور محض اس لیے لکھ دی گئیں کہ ناظرین اندازہ لگالیں کہ اتنے بڑے اساطین فن و حفاظ حدیث غلط دعوے کر رہے ہیں، یا مولوی ملتانی عوام کی لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر اپنی الگ ہانک رہے ہیں۔

یاد رہے امام بیہقی نے عشرہ مبشرہ کی روایات اپنی سنن اور خلائیات میں نقل کی ہیں وہاں دیکھ لیں، اور رہی پچاس صحابہ کی احادیث تو اللہ کا فضل ہے وہ کسی غار میں نہیں ہیں جیسا کہ مقلدین کے وہ اقوال جن پر کوئی دلیل نہیں ہوتی کہہ دیتے ہیں، ہمارے امام کے پاس ضرور حدیث رہی ہوگی۔ اطلاعا عرض ہے کہ پچاس صحابہ کی فہرست اور ان کی احادیث کہاں کوئی کتاب میں ہیں۔ اس مسئلہ پر جدید کتاب اثبات رفع الیدین احادیث کی روشنی میں از مولانا عبدالرشید انصاری مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸، پر ملاحظہ کریں، یہاں سب کے نام اور ان کی روایات دینے کی ضرورت نہیں۔

مولوی ملتانی سے ایک سوال

نہایہ و کفایہ، شرح ہدایہ میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ عشرہ مبشرہ بالجہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ روایت یوں ہے:

”عن ابن عباس قال كان العشرة المبشرة بالحنة ماكانوا يرفعون

أيديهم الا عند افتتاح الصلاة“

(۱) اس حدیث کی سند پیش فرمادیں، مع حوالہ کتاب

(۲) یہ دعویٰ کہ عشرہ مبشرہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے سوائے تکبیر تحریمہ کے، کس کس حنفی محدث نے اس کو تسلیم کیا ہے اور اس کے مخالف جو صحیح احادیث ہیں ان کا کیا جواب ہے؟

(۳) اس اثر کی صحت اصول محدثین کے مطابق ثابت فرمادیں۔

(۴) عشرہ مبشرہ کی وہ احادیث کہاں ہیں ہر ایک صحابی سے ثبوت فراہم کریں۔

اگر ملتانی یا کوئی حنفی دیوبندی اپنی اس معتبر کتاب کو سچا ثابت کر دے اور مندرجہ بالا سوال کی چاروں شقوں کا جواب عنایت کر دے تو میں رضاء اللہ بن عبدالکریم بدایونی مولف کتاب اس کو حق الحمت کے بطور وہ بیس لاکھ روپیہ انعام دوں گا جو دیوبندیوں کے ذمہ واجب

الاداء ہے۔ فلیتنافس المتنافسون۔ امید کہ ملتانی صاحب ضرور کوشش فرمائیں گے۔

مولوی ملتانی صاحب کا ایک آخری سوال

مسئلہ رفع الیدین جس میں احناف کو، کوئی جائے فرار نہیں ملتی، اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ رفع الیدین سنت رسول ہے صحیح ہے ثابت ہے، اس کی احادیث اقویٰ، و اثبت ہیں، جم غفیر صحابہ کرام کا اس کا راوی ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی منسوخ نہیں ہے، اکابر دیوبند نے تو صرف اس مسئلہ کو افضل و مفضل کا مسئلہ مانا ہے باتیں ازیں قبل گزر چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مولوی ملتانی نے ازیں قبل اہلحدیث کے تعلق سے یہ بات لکھی ہے کہ اہلحدیث رفع الیدین کو فرض بتاتے ہیں، اور بغیر رفع الیدین کے پڑھی جانے والی نماز کو باطل کہتے ہیں، دونوں دعوے جھوٹے اور افتراء پردازی پر مبنی ہیں، اہلحدیث ان میں سے کسی بات کے قائل نہیں۔..... اب یہاں جو بات امام ترمذی کے اس بیان کو لیکر انہوں نے کہی کہ متعدد صحابہ کرام ترک رفع الیدین کے قائل تھے“ اور اس پر وہ سوالات اٹھائے جو کسی طرح اٹھانے کے لائق ہی نہیں، اولاً: اس لیے کہ اہلحدیث بلا رفع الیدین نماز کے بطلان کے قائل نہیں، ثانیاً: اس لیے کہ امام ترمذی نے بعض صحابہ کی بعض روایات کے پیش نظر یہ بات کہہ دی ہے ورنہ کسی ایک صحابی سے بھی صحیح سند سے ترک رفع الیدین درست ثابت نہیں فرمائی، تفصیل گزر چکی ہے، امام بخاری، امام بیہقی، علامہ سبکی اور سیوطی کے بیانات کی روشنی میں یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ جو روایات احناف ترک رفع کے متعلق پیش کرتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو صریح نہیں اور اگر صریح ہیں تو صحیح نہیں۔

مولوی ملتانی کے یہ سوالات اس مفروضہ پر مبنی ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں اس لیے جواب کے لائق نہیں اس لیے ان سوالات کو رد کیا جاتا ہے، اور یہ ان کی صحابہ کرام کو مطعون کرنے کی ناروا کوشش ہے جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔ فلعلہ اللہ علی الظالمین۔ اب ایک سوال ہمارا بھی ہے، ملتانی اور ان کے ہم نوا حلال فرمائیں اور جواب دیں۔

ہمارا ایک سوال

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بروایت کھول منقول ہے کہ امام نے فرمایا ”ان من رفع یدہ فی الصلاۃ فسدت صلاتہ“ اس کی بنیاد پر امیر کاتب الاقنانی مشہور حنفی فقیہ نے رفع الیدین کرنے پر فساد صلاۃ کا حکم لگایا ہے۔ اور یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ علماء حنفیہ میں جن کا شغف حدیث سے رہا ہے جن میں سے بعض کے نقول ہم نے نقل کئے ہیں۔ معترف ہیں کہ صحابہ کرام کی اکثریت رفع الیدین کی قایل ہے، امام ترمذی نے رفع الیدین عند الركوع کا باب قائم فرمایا۔ اور پھر جن صحابہ کرام سے اس بارے میں احادیث مروی ہیں۔ ان کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”وفی الباب عن: (۱) — عمر، (۲) — وعلی، (۳) — ووائل ابن حجر، (۴) — ومالك بن الحویرث، (۵) — وانس، (۶) — وابی ہریرۃ، (۷) — وابی حمید، (۸) — وابی اسید، (۹) — وسہل بن سعد، (۱۰) — ومحمد بن مسلمۃ، (۱۱) — وابی قتادۃ، (۱۲) — وابی موسیٰ الاشعری، (۱۳) — وجابر، (۱۴) — وعمیر الیثی۔ اور پھر فرمایا: وبهذا يقول اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ، منهم: (۱) — ابن عمر، (۲) — وجابر بن عبد اللہ، (۳) — وابو ہریرۃ، (۴) — وانس، (۵) — وابن عباس، (۶) — وعبد اللہ بن الزبیر وغیرہم، ومن التابعین: ۱ — الحسن البصری، ۲ — وعطاء، ۳ — وطاؤس، ۴ — ومجاہد، ۵ — ونافع، ۶ — وسالم بن عبد اللہ، ۷ — وسعید بن جبیر وغیرہم وبه يقول عبد اللہ بن المبارک، والشافعی و احمد و اسحق۔

مندرجہ بالا عبارت میں امام ترمذی نے فرمایا: صحابہ کرام میں سے ۱۴ اشخاص سے رفع الیدین مروی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے چھ حضرات کا نام لیا، اکابر تابعین میں سات حضرات کا نام لیا اور آخر میں ائمہ حدیث و فقہ میں ابن المبارک امام شافعی اور اسحاق بن راہویہ کا نام لیا اور امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے جن کے بارے میں اکابر احناف کا یہ ماننا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں یہ نقل

فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث صحیح و ثابت ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ثابت نہیں ہے۔

اس کے مقابلہ میں ترک رفع کے قائل کسی صحابی کا نام نہیں لیا صرف براء بن عازب کی ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمایا۔ ایسے میں امام ابو حنیفہ کی وہ روایت جو کھول بیان کرتے ہیں پیش نظر رکھیں اور اپنے سوالات دہرائیں۔

۱۔ امام ترمذی نے صحابہ کرام کے نام لیکر بیان فرمایا کہ یہ حضرات رفع الیدین کے قائل و عامل تھے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی نمازیں درست ہیں یا باطل؟

۲۔ وہ حضرات بے نمازی تھے یا نمازی؟

۳۔ وہ نبی پاک کے متبع ہوئے یا غیر متبع؟

۴۔ وہ اہل حق ہوئے یا اہل باطل؟

۵۔ وہ جنتی ہوئے یا دوزخی؟

یہ وہ سوالات ہیں جو آپ نے ہم سے کئے تھے ہم نے ثابت کیا ہے کہ ہم سے یہ سوال کرنا ہی درست نہیں، اب گیند آپ کے پالے میں ہے امام صاحب کی روایت بھی نقل کر دی گئی ہے اب جواب آپ کے ذمہ ہے۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

آئینہ دیکھئے گا زرا دیکھ بھال کر

سجدہ میں جانے کا طریقہ

مولوی ملتانی صاحب نے اس مسئلہ کے بارے میں حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد تان یہاں توڑی ہے کہ ان متعارض احادیث میں تطبیق امام صاحب نے آثار صحابہ کی بنیاد پر یوں دی ہے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں ہاتھ سے پہلے گھٹنے رکھنے کا ذکر ہے اور آثار صحابہ و تابعین سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لیے یہی درست ہے، ہاں اتنا کرم ضرور فرمایا ہے کہ بحالت مجبوری ہاتھ پہلے رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔

بعض علماء حدیث بھی دونوں طریقوں کو درست قرار دیتے ہیں، لیکن ان کا رجحان حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے مطابق ہاتھ پہلے رکھنے کی طرف ہے۔ لیکن اگر دلائل کی بات کی جائے تو یہی متعین ہے کہ پہلے ہاتھ رکھے اور پھر گھٹنے رکھے۔

اب ہم ملتانی صاحب کے فرمان چنگیزی کی طرف آتے ہیں، ان کا مطالبہ ہے کہ دونوں حدیثوں کے درمیان موجود تعارض کو دفع کیا جائے۔

یاد رہے مولوی ملتانی کا یہ کہنا کہ امتیوں کی تقلید شرک ہے دینی مسائل میں قیاس و رائے چلانا شیطان کا کام ہے، اس کی حقیقت ہم شروع کتاب ہی میں کھول چکے ہیں اور مولوی ملتانی کا مقصد اس سے کیا ہے وہ بھی واضح کر چکے ہیں وہاں دیکھ لیں۔ رہی بات صحیح مرفوع متصل حدیث کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ تو وہ حاضر ہے ملاحظہ کریں! ۱۔ جو دو حدیثیں مولوی ملتانی نے پیش کی ہیں ان میں بظاہر تعارض ہے ورنہ حقیقی تعارض موجود نہیں کیونکہ دونوں حدیثیں ایک درجہ کی نہیں ہیں۔ ایک ضعیف ہے

اور ایک صحیح، اور جب معاملہ ایسا ہے تو ان کے درمیان حقیقت میں تعارض ہے ہی نہیں، ضعیف حدیث صحیح حدیث کا معارضہ نہیں کر سکتی، یہ بات ہر اہل علم جانتا ہے۔
 ۲۔ حضرت وائل کی حدیث جس کا ترجمہ ملتانی صاحب نے یوں کیا ہے۔ حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے (زمین پر) ہاتھوں سے پہلے رکھتے۔ (ابوداؤد ۱۲۲۱، ترمذی ۳۶۱، نسائی ۱۶۵۱) (بارہ مسائل ص ۵۴)

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند یوں ہے "یزید بن ہارون، اخبرنا شریک عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عنہ۔"

اگرچہ اس کی سند کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے اور حاکم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا راوی شریک امام مسلم کے نزدیک قابل احتجاج ہے، لیکن دونوں حضرات متسائلین میں سے ہیں، اسی لیے امام ترمذی کی تحسین قابل بھروسہ نہیں، کیونکہ ناقدین فن اس کے خلاف ہیں اور امام حاکم کو وہم ہو گیا ہے کیونکہ امام مسلم نے شریک کو محتج بہ قرار نہیں دیا ان کی روایت صرف متابعات میں ذکر کی ہے۔

عاصم بن کلیب سے روایت کرنے میں شریک متفرد ہیں، اس کی صراحت امام دارقطنی، ترمذی اور بیہقی نے فرمائی ہے۔ یزید بن ہارون تو یہاں تک کہتے ہیں کہ عاصم سے صرف یہی ایک حدیث شریک نے روایت کی ہے۔

عاصم سے جتنے لوگ روایت کرتے ہیں سوائے شریک کے یہ حدیث ان سے کوئی روایت نہیں کرتا۔ چونکہ جمہور محدثین کے نزدیک شریک سی الحفظ ہیں اور بعض نے تو اس بات کی صراحت کی ہے کہ شریک جب متفرد ہوں تو ان کی حدیث قابل احتجاج نہیں ہوتی کیونکہ وہ آخر میں مغلط ہو گئے تھے، اور یہاں سی الحفظ اور اختلاط کے ساتھ ساتھ وہ ثقات کے مخالف بھی ہیں، کیونکہ دیگر تلامذہ عاصم وہ بات بیان نہیں کرتے جو شریک بیان کر رہے

ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد، نسائی، دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان، بیہقی اور مسند احمد میں متعدد طرق سے حضرت وائل کی روایت موجود ہے۔ سند یوں ہے ”عن زائدہ ثا عاصم بن کلیب قال: ثنی ابی: ان وائل بن حجر خبرہ قال: فذکرہ.....“

اس روایت میں وہ بات مذکور نہیں جو شریک بیان کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سند صحیح متصل و علی شرط مسلم ہے اور اس روایت کا ایک شاہد بھی حضرت سہل بن سعد سے موجود ہے، ایک مرسل روایت بھی حضرت عاصم سے ابو داؤد وغیرہ میں مذکور ہے جس کی سند یوں ہے۔

عن شقیق ابی لیث قال: ثنی عاصم بہ -

لیکن اس روایت میں ارسال کے علاوہ ایک خرابی اور بھی ہے اور وہ یہ کہ شقیق مجہول ہے جیسا کہ علامہ ذہبی وغیرہ نے صراحت کی ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ اس کا ایک اور طریق ہے ابو داؤد اور بیہقی میں عن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ مرفوعاً بمعناہ، کیونکہ یہ سند منقطع ہے، کیونکہ عبد الجبار کا سماع اپنے باپ وائل سے ثابت نہیں ہے۔

یہ حال تو اس روایت کا ہے۔ اب رہی حضرت ابو ہریرہ کی حدیث جس کا ترجمہ ملتانی صاحب یوں کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاہیے کہ سجدہ کرنے والا اپنے ہاتھ (زمین پر) اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے۔ (ابو داؤد (۱۲۲/۱)،

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ (زمین پر) اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے۔ اور اونٹ کی طرح پہلے اپنے گھٹنے (زمین پر) نہ رکھے، (نسائی (۱۶۵/۱) بارہ مسائل ص: ۵۴)

حضرت ابو ہریرہ کی یہ دو حدیثیں جو ملتانی صاحب نے پیش کی ہیں ان میں پہلی

حدیث سند ضعیف ہے، ہاں دوسری روایت جس کو امام نسائی، دارمی، امام طحاوی، دارقطنی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند یوں ہے۔

”عن عبد العزيز بن محمد الدراوردي قال: ثنا محمد بن عبد الله بن الحسن، عن أبي الزناد، عن الأعرج عنه“ نسائی اور دارقطنی نے ”فليضع يديه قبل ركبته، ولا يبرك بروك البعير“ کے لفظ اور باقی نے ”إذا سجد أحدكم، فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبته“ کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح صریح مرفوع و متصل ہے اور اس کے کل روات ثقہ ہیں۔

بنا بریں اس روایت کو ترجیح حاصل ہے، چونکہ یہ حدیث صحیح صریح مرفوع متصل ہے۔ اور حضرت واکل کی حدیث ضعیف ہے، لہذا اس کو چھوڑ کر عمل اس حدیث پر کیا جائے گا جو صحیح مرفوع متصل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کو اس بنیاد پر بھی ترجیح ہے کہ اس کی شاہد حضرت ابن عمر کی حدیث ہے جس کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

ملتان صاحب کا مطالبہ تو ہم نے پورا کر دیا، انہوں نے جو آثار پیش کئے ہیں اگر ان کی حقیقت واضح نہ کی گئی تو ان کو شکایت ہوگی کہ ان کا جواب کیوں نہیں دیا گیا، ہو سکتا ہے وہ یہ بھی کہنے لگ جائیں کہ امام صاحب نے آثار کی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا وہی صحیح ہے، لہذا آثار کا حال بھی بیان کرنا ضروری ہے۔

- (۱) اجمالی جواب تو یہ ہے کہ چونکہ یہ آثار احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں اس لیے قابل حجت نہیں، یہ اصول خود احناف کے یہاں بھی ہے۔
- (۲) یہ آثار سند ضعیف ہیں، اس لیے قابل استدلال نہیں۔

جواب تفصیلی

پہلی روایت: ابراہیم نخعی سے روایت ہے حضرت عمر اپنے گھنٹے ہاتھ سے پہلے رکھتے

تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲۹۴/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۴]

جواب: اس اثر میں دو بڑی خرابیاں ہیں: پہلی یہ کہ اعمش اور ابراہیم نخعی دونوں ہی مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں، اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ ابراہیم نخعی کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں اس لیے یہ اثر منقطع ہے۔

دوسری روایت: حضرت اسود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر اپنے گھٹنے ہاتھ سے

پہلے رکھتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲۹۴/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۵]

جواب: صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ اور اعمش کا عنعنہ موجود ہے اور وہ مدلس ہیں، لہذا قابل قبول نہیں۔

تیسری روایت: حضرت نافع سے روایت ہے ابن عمر جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲۹۵/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۵]

جواب: یہ اثر اولاً تو خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے خلاف ہے جس کو ابن خزیمہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دوم اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ابن ابی لیلیٰ ہے، اس لیے صحیح نہیں۔

چوتھی روایت: ابو اسحق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد جب سجدہ کی طرف جاتے ان کے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے گرتے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲۹۵/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۵]

جواب: ۱۔ یہ اثر کئی وجوہ سے ناقابل استدلال ہے۔ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

۲۔ اس کے ایک راوی حجاج بن ارطاة کثیر الخطاء والد لیس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں۔

۳۔ اصحاب عبداللہ مجہول ہیں نیز تابعی کی بات صحیح حدیث کے خلاف ہے ان کی

بات کیونکر مقبول ہو۔

پانچویں روایت: حضرت ابراہیم نخعی سے پوچھا گیا اس آدمی کے متعلق جو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتا ہے تو فرمایا، ایسا وہی کرتا ہے جو پاگل ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۲۹۵/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۵]

جواب: ۱۔ صحیح حدیث کے خلاف فتویٰ دینے والا کوئی بھی ہو اس کا فتویٰ مردود ہے۔

۲۔ خود آپ نے تسلیم کیا ہے کہ گھٹنے سے پہلے ہاتھ رکھنے کی احادیث ہیں اور خود آپ تسلیم کرتے ہیں کہ مجبوری کے وقت جائز ہے اب احادیث کے ہوتے ہوئے ابراہیم نخعی کا فتویٰ کیا قابل التفات رہ جاتا ہے؟

۳۔ ابراہیم نخعی حدیث کا علم کم ہونے کی وجہ سے اکثر صحیح احادیث کا انکار کر جاتے تھے۔ چنانچہ فتح الباری (۳۳۴/۲) میں حماد بن زید کا یہ قول صحیح سند سے موجود ہے کہ کوفہ میں ابراہیم نخعی سے زیادہ صحیح احادیث کو رد کرنے والا کوئی نہیں تھا، ایسے میں ان کے فتویٰ کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جب کہ وہ صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے۔

۴۔ تابعی کا قول حجت شرعیہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس بحث سے صاف ظاہر ہے کہ احادیث کی صحت سے بے پرواہ ہو کر آثار سے مسئلہ کا حل تلاش کرنا درست طریقہ نہیں ہے، متعارض احادیث میں دفعیہ تعارض کے لیے جو اصول متعین ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ امام صاحب کی طرف بلا ثبوت کوئی بات منسوب کر دینا کہ انہوں نے ایسا فتویٰ اس بنیاد پر دیا ہے درست نہیں ہے، ہو سکتا ہے امام صاحب کو صحیح حدیث نامہ پہنچی ہو۔

سجدہ سے اٹھنے کا طریقہ

جلسہ استراحت کا مسئلہ بھی ملتانی صاحب کے لیے ایسا مسئلہ ہے جس میں بحث و نزاع ضروری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث متضاد ہیں اس تضاد کو دور کیجیے اور ایک حدیث صحیح صریح مرفوع متصل پیش کریں جس سے ان متضاد روایات میں فیصلہ ہو سکے۔ ان شاء اللہ ہم موصوف کی تمنا پوری کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

پہلی اور تیسری رکعت کے بعد قیام سے قبل قدرے بیٹھ کر اٹھنا جلسہ استراحت کہلاتا ہے۔ حضرت امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک سنت طریقت یہی ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے جیسا کہ خلال وغیرہ نے تصریح کی ہے، لہذا ائمہ ثلاثہ اس جلسہ استراحت کو سنت ثابتہ مانتے ہیں اور بنا بیٹھے اٹھنے کو خلاف سنت قرار دیتے ہیں۔ حضرات محدثین کرام کا رائج مسلک بھی یہی ہے کیونکہ یہی طریقہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ثابتہ سے ثابت ہے اور اس کے مقابلہ میں پنجوں کے بل کھڑے ہو جانے کا طریقہ حضرات احناف کا ہے جس کے لیے ان کے پاس جو حدیث و آثار ہیں قوت میں اس معیار کے نہیں بلکہ وہ از قبیل ضعاف ہیں۔

جس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ ایک طرف ہوں، علماء حدیث و فقہ جس کی تائید کریں، محض شبہات اور بلا دلیل دعوؤں کے بل بوتے اس کے خلاف مسئلہ کو صحیح و درست قرار دینا کسی متعصب کے لیے تو زیب دیتا ہے متبع سنت کے لیے نہیں، شاید یہی وجہ ہے جن حضرات علماء احناف کی نظر حدیث پر ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں، چنانچہ علامہ ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی اپنی کتاب ”الآثار المرفوعہ“ میں صلاۃ التسبیح کے مسئلہ پر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں۔

اعلم ان اكثر اصحابنا الحنفية و كثير من المشايخ الصوفية قد
ذكروا فى كيفية صلاة التسبيح الكيفية التى حكاها الترمذى
والحاكم عن عبد الله بن المبارك الخالية عن جلسة الاستراحة،
والشافعية و المحدثون اكثرهم اختاروا الكيفية المشتملة على
جلسة الاستراحة۔ وقد علم مما اسلفنا ان الاصح ثبوتاً هو هذه
الكيفية۔ فليأخذ بها من يصلحها حنفياً كان او شافعيًا۔ انتهى۔

(تحفة الاحوزى (۱۴۴۱))

ہمارے اکثر اصحاب احناف، اور بہت سارے مشائخ صوفیہ نے
صلاة التسبیح کی کیفیت میں وہی کیفیت بیان کی ہے جو امام ترمذی و
حاکم نے حضرت عبداللہ بن المبارک سے بیان کی ہے یعنی جلسہ
استراحت سے خالی، اس کے برخلاف شوافع اور محدثین نے اس
کیفیت کو اختیار کیا ہے جو جلسہ استراحت پر مشتمل ہے۔ ہماری بیان
کردہ تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے کہ باعتبار
ثبوت صحیح ترین کیفیت یہی ہے۔ لہذا جو کوئی صلاۃ التسبیح پڑھے اس
کو جلسہ استراحت کے ساتھ ہی پڑھنا چاہئے حنفی ہو یا شافعی۔

علامہ فرنگی محلی نے اتنی بڑی بات یونہی نہیں کہہ دی ہے، ان کے سامنے وہ
احادیث صحیحہ ہیں جن میں جلسہ استراحت کی مسنونیت واضح ہے اور اس کے مقابلہ میں
محض ضعیف احادیث و آثار ہیں۔

اب آئیے ہم پہلے جلسہ استراحت کی مسنونیت پر دال صحیح صریح مرفوع احادیث
پیش کرتے ہیں اور پھر ملتانی صاحب کی پیش کردہ روایات کی طرف متوجہ ہونگے۔

(۱) حضرت مالک بن الحویرث :

انه كان يقول: ألا أحدثكم عن صلاة رسول الله ﷺ؟ فيصلى في غير وقت الصلاة، فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية في أول ركعة، استوى قاعدا، ثم قام فاعتمد على الأرض - أخرجه النسائي، و البيهقي، و الامام الشافعي في الام، عن عبد الوهاب بن عبد المجيد الثقفي عن خالد الحذاء عن ابي قلابة قال كان مالك بن الحويرث ياتينا فيقول به۔

یہ حدیث امام نسائی، بیہقی اور امام شافعی نے مذکورہ بالا سند کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت مالک بن الحویرث نماز کے اوقات کے علاوہ میں لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ کیا میں تمہیں اللہ کے رسول کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں وہ کہتے: ہاں ہاں ضرور بتلائیے پھر وہ تفصیل ذکر کرتے اس میں مذکور ہے کہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ سے جب سر اٹھاتے تو اچھی طرح بیٹھ جاتے اور پھر ہاتھ زمین پر ٹیک کر کھڑے ہوتے۔

یہ حدیث صحیح ترین حدیث ہے مرفوع متصل ہے اور صریح ہے۔ صحت کے لیے اتنا کہنا کافی ہے کہ اس کی سند علی شرط شیخین ہے، باقی رہا مرفوع متصل اور صریح ہونا وہ سند و متن کو ملاحظہ فرمائیں ظاہر و باہر ہے۔

پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد پہلے بیٹھنے اور پھر اٹھنے کی دو احادیث خود ملتانی نے (ص: ۵۷) پر ذکر کی ہیں جس میں ایک کے حوالہ میں بخاری کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور جب یہ کیفیت بخاری میں موجود ہے تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں تو شبہ باقی نہیں رہا۔ صرف ضد اور تعصب باقی ہے جس دن یہ دونوں دور ہو جائیں مسئلہ صاف ہو جائے گا۔

۲۔ حضرت مالک بن الحویرث کی حدیث مذکورہ بالا کا ایک متابع بخاری، ابو داؤد،

نسائی، دارقطنی اور بیہقی کے یہاں ہے ترمذی نے بھی اسے تصحیح کے ساتھ نقل کیا ہے: عن ہشیم عن خالد، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

”انہ رای النبی ﷺ یصلی، فاذا کان فی وتر من صلاتہ: لم

ینھض حتی یتوی قاعدا“

یعنی حضرت مالک بن الحویرث بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ

کو دیکھا آپ نماز پڑھتے اور جب پہلی اور تیسری رکعت کا دوسرا سجدہ

کر لیتے تو بیٹھنے سے پہلے نہیں اٹھتے تھے۔

۳۔ مالک بن الحویرث کی حدیث وہیب عن ابیہ عن ابی قلابہ کے طریق سے بھی

مروی ہے۔ جس میں ہے کہ دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے جب فارغ ہوتے بیٹھتے

زمین پر اور ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔ یہ روایت صحیح بخاری اور بیہقی میں موجود ہے۔ الفاظ

یہ ہیں:

”جاءنا مالک بن الحویرث، فصلی بنا فی مسجدنا هذا، فقال:

”انسی لاصلی لکم وما ارید الصلاة، ولكن ارید ان اریکم کیف

رایت النبی ﷺ یصلی قال ایوب: فقلت لابی قلابہ: وکیف

كانت صلاته؟ قال مثل صلاة شيخنا هذا، یعنی عمرو بن سلمہ،

قال ایوب: وكان ذلك الشيخ يتم التكبير، واذا رفع رأسه من

السجدة الثانية جلس، واعتمد على الارض، ثم قال۔“

اس روایت میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرت مالک بن الحویرث

نے جو نماز پڑھ کر بتلائی اور دعویٰ کیا کہ یہ نماز رسول اللہ ﷺ کی ہے ویسی ہی نماز

مشہور صحابی حضرت عمرو بن سلمہ بھی پڑھتے تھے۔ اور یہ کہ وہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے

کے بعد قدرے بیٹھتے تھے پھر اٹھتے تھے۔

اس روایت کا ایک متابع اور بھی ہے اور وہ ہے حماد بن زید عن ایوب نحوہ، الفاظ اس کے یہ ہیں:

”كان اذا رفع راسه من السجدة الاولى و الثالثة التي لا يقعد فيها

، استوى قاعدا، ثم قام۔“

یہ روایت بھی علی شرط الشیخین صحیح ہے، اس کو امام طحاوی و امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔

اس روایت میں بھی جلسہ استراحت کی صراحت موجود ہے اور یہ روایت صحیح مرفوع متصل اور صریح ہے۔

جلسہ استراحت کی صراحت حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت میں بھی ہے جس میں انہوں نے دس صحابہ کے سامنے اس بات کا دعویٰ کیا کہ میں تم سے زیادہ بہتر طور پر رسول اللہ ﷺ کی نماز جانتا ہوں، انہوں نے اس پر اعتراض بھی کیا، لیکن جب حضرت ابو حمید ساعدی نے نماز پڑھ کر بتلائی تو سب نے تصدیق کی کہ بے شک اللہ کے رسول ایسے ہی نماز پڑھتے تھے۔ یاد رہے یہ واقعہ رسول اکرم کی وفات کے بعد کا ہے اور اس میں جلسہ استراحت کی وضاحت موجود ہے۔ جس کا سیدھا سا مطلب ہے کہ جلسہ استراحت رسول اللہ ﷺ کے ان اعمال میں سے ہے جس پر عمل کرتے ہوئے آپ دنیا سے رخصت ہوئے۔ حدیث کا پورا ذکر رفع الیدین کی بحث میں ازیں قبل گزر چکا ہے تفصیل کی ضرورت نہیں۔ جلسہ استراحت کی بحث کے لیے نیل الاوطار اور ارواء الغلیل دیکھئے۔

اب آئیے ہم ان احادیث کی طرف آتے ہیں جو ملتانی صاحب نے پیش کی ہیں اور پھر ہم آپ کو یہ بتلائیں گے کہ ملتانی صاحب کا یہ دعویٰ کہ دو طرح کی احادیث اس بارے میں مروی ہیں اور باہم متعارض ہیں اور یہ کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے ذرا سا انتظار کریں۔

ملتانی صاحب کے دلائل

پہلی روایت:

”حضرت ابو حمید الساعدی کی حدیث میں ہے، پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی، پھر سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے، اور بیٹھے نہیں۔“ (ابوداؤد: ۱۰۷/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۵]

جواب: (۱) ابوداؤد کی یہ حدیث جس کی سند یوں ہے: ”عیسیٰ بن عبد اللہ بن مالک عن محمد بن عمرو بن عطاء عن عیاش بن سہل“ اور حدیث کا وہ ٹکڑا جس سے استدلال کیا یہ ہے۔ ”انہ لما رفع راسہ من السجدة الثانية من الركعة الاولى، قام ولم يتورك۔“

لیکن افسوس ہے ملتانی صاحب کا مقصد اس سے حل نہیں ہوتا کیونکہ اس کی سند میں عیسیٰ بن عبد اللہ بن مالک، راوی ہے جو ”ولم يتورك“ کو روایت کرتا ہے اس زیادتی کو روایت کرنے میں متفرد ہے، اور وہ خود مجہول ہے، مجہول راوی کا کسی زیادتی کو بیان کرنے میں متفرد ہونا اور اس زیادتی کا احادیث صحیحہ کے خلاف ہونا دونوں اس روایت کو ناقابل قبول ثابت کرتے ہیں۔

(۲) اگر اس حدیث کو ثابت بھی مانا جائے تب بھی جلسہ استراحت کی صراحت جن احادیث میں ہے ان پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا کیونکہ اس روایت میں انکار ہے اور دیگر روایات میں اس کا اثبات ہے اور نانی پر مثبت مقدم ہے، جیسا کہ اصول فقہ میں یہ بات بصراحت مذکور ہے۔

(۳) اگر روایت کو ثابت مان بھی لیا جائے تب بھی اس پر عمل نہیں ہوگا کیونکہ دونوں کو صحت کے ایک درجہ میں رکھا جائے تو دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت ممکن

ہے اور وہ یہ کہ اس روایت میں تورک کی نفی ہے افتراش کی نہیں۔ اور وہ پہلی روایت میں ثابت ہے۔ لہذا تعارض باقی نہیں رہا۔

دوسری روایت:

”حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں نبی پاک ﷺ نماز میں (سجدہ سے) اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اہل علم کا عمل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث پر ہے وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی (سجدہ سے دوسری اور تیسری رکعت کی طرف) اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو۔“

(ترمذی: ۶۵/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۶]

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جو ترمذی کے حوالے سے ملتانی صاحب نے نقل فرمائی ہے کاش ملتانی صاحب علمی خیانت سے بچتے ہوئے حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ کا تبصرہ بھی اس حدیث کے متعلق نقل فرمادیتے تو ساری قلعی کھل جاتی، اور یقین ہے کہ اس صورت میں ملتانی صاحب کیا کوئی دیوبندی بھی اس روایت کو اپنے مذہب کی تائید کے لیے نقل نہ کرتا، لیکن عوام کو دھوکہ دینے کے لیے امام ترمذی کا تبصرہ حذف کر دیا۔ آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں امام ترمذی کا اس حدیث کے متعلق تبصرہ کیا ہے اور اس حدیث کی حقیقت کیا ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں:

وخالد بن ایاس ضعیف عند اهل الحديث و يقال: خالد بن

الیاس، و صالح مولی التوامۃ هو صالح بن ابی صالح و ابو صالح

اسمہ نبهان مدنی۔

جب اس حدیث کی سند میں خالد بن ایاس جو ضعیف و متروک ہیں اور نقاد حدیث

کے نزدیک صالح مولی التوامہ ، باوجود صدوق ہونے کے مغلط ہو گئے تھے اس لیے محدثین نے ان کی ان ہی روایات کو قابل قبول گردانا ہے جو انہوں نے ان سے اختلاط سے قبل روایت کی ہیں جیسے ابن ابی ذئب اور ابن جریج وغیرہ، رہے خالد تو انہوں نے اختلاط کے بعد روایت لی ہے اس لیے یہ روایت قابل قبول نہیں۔

محدثین کرام اور خود امام ترمذی کے اس ریمارک کے بعد اس روایت کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ تعجب تو ملتانی صاحب پر ہے کہ اس ضعیف حدیث سے قبل امام ترمذی نے حضرت مالک بن الحویرث کی حدیث نقل فرمائی ہے جس میں جلسہ استراحت کا ثبوت ہے اور خود امام ترمذی فرماتے ہیں: حدیث مالک بن الحویرث حدیث حسن صحیح۔ والعمل علیہ عند بعض اهل العلم وبہ یقول اصحابنا۔

یعنی مالک بن الحویرث کی حدیث حسن، صحیح ہے اور بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے اور ہمارے اصحاب کا قول بھی یہی ہے۔

علامہ عبد الرحمن محدث مبارک پوری نے صراحت کی ہے کہ امام ترمذی جہاں کہتے ہیں ”وبہ یقول اصحابنا“ تو اس سے مراد ان کی اصحاب الحدیث ہوتے ہیں۔ تیسری روایت:

”حضرت ابو مالک الاشعری نے اپنی قوم کو نماز سکھائی اس میں ہے کہ آپ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔“

(مسند احمد: ۳۴۳/۵)

جواب: ابو مالک اشعری کی یہ روایت اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے، کیونکہ اس کی سند میں شہر بن حوشب ہیں جو محدثین کے نزدیک کثیر الارسال و الاوہام ہیں۔ اگر اس کو صحیح مان لیں تو یہ حصول مراد میں صریح نہیں ہے کیونکہ جلسہ استراحت کی نفی اس میں نہیں ہے اور اگر اس کو بھی نظر انداز کر دیں تو بھی

اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ جلسہ استراحت واجب نہیں ہے، اس کے سنت ہونے کی نفی ہرگز نہیں ہوتی جو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ مسنون ہے۔ پھر مالک الاشعری کی اس روایت سے مالک بن الحویرث کی حدیث ہر اعتبار سے اقویٰ صحیح اور اثبت ہے۔ لہذا اس پر عمل کیا جائے گا اس کے ہوتے اس روایت پر عمل نہ ہوگا۔

چوتھی روایت:

”حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو

نماز سکھائی اس میں فرمایا: پھر تو اطمینان سے سجدہ کر پھر سجدہ سے اٹھ

کر سیدھا کھڑا ہو جا۔“ (بخاری: ۹۸۶/۲) [بارہ مسائل ص: ۵۶]

جواب: یہ حدیث مسیٰ صلاۃ کی حدیث سے مشہور ہے ملتانی صاحب نے یہ حدیث کتاب الایمان والذکر سے نقل فرمائی ہے جب کہ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الصلاۃ و کتاب الاذان وغیرہ میں بھی نقل فرمایا ہے۔ ظاہر ہے حدیث ایک ہی ہے ایسا تو ممکن نہیں کہ ایک جگہ اس سے جلسہ استراحت کی نفی ہو رہی ہو اور دوسری جگہ اس کی تاکید حالانکہ اس روایت کے تمام طرق جمع کیے جائیں تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس روایت سے جلسہ استراحت کا اثبات ہوتا ہے نا کہ نفی۔ ملتانی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے وہ غلط ہے اور آہنی پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔

یہ لیجئے! ہم آپ کو بخاری شریف ہی سے دکھاتے ہیں کہ ابو ہریرہ کی اس حدیث سے جلسہ استراحت کا ثبوت ملتا ہے نا کہ اس کی نفی چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاستئذان میں باب من رد فقال علیک السلام میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے اس کے آخر میں ہے:

ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم
اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم افعل
ذلك في صلاتك كلها

یعنی پھر تم اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور
اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ پھر سجدہ کرو اطمینان کے ساتھ پھر سجدہ
سے سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ، بیٹھ جاؤ اور ساری نماز ایسے ہی
پڑھو۔

دیکھئے اس روایت میں صاف ہے کہ سجدہ سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ
جاؤ۔ اور اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ملتان صاحب کا حتی تستوی قائما سے
جلسہ استراحت کی نفی پر استدلال درست نہیں اور یہ روایت جلسہ استراحت کو صاف طور پر
ثابت کر رہی ہے
پانچویں روایت:

”جلیل القدر تابعی حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت
علی اور دیگر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نماز میں (سجدہ سے) اپنے
قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے۔“

مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۴/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۶]

جواب:

(۱) یہ اثر صحیح احادیث کے خلاف ہے لہذا قابل عمل نہیں۔

(۲) اس اثر کی سند میں دو راوی ایسے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے یہ قابل حجت
نہیں ہو سکتا۔ ایک ”عیسیٰ بن عیسیٰ الحیاط اسم ابیہ میسرۃ“ اور دوسرے ”ابو خالد الاحمر“ پہلا

راوی محدثین کے نزدیک متروک ہے دوسرا سی الحفظ۔ بنا بریں استدلال کے لائق نہیں۔
چھٹی روایت:

”عبداللہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو بغور دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ پہلی اور تیسری رکعت میں اپنے قدموں کے پنچوں کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں اور بیٹھتے نہیں۔“

معجم طبرانی کبیر (۲۶۶/۹)، سنن کبریٰ بیہقی (۱۲۵/۲) [بارہ مسائل ص: ۵۶]

جواب:

(۱) اگر اس اثر کی صحت تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ حدیث صحیح کے مقابل آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(۲) صحابی کے فعل کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کا فعل بہر حال زیادہ اولیٰ و افضل ہے، سنت رسول کے مقابلہ میں سنت صحابہ پر عمل نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود کا ترک جلسہ استراحت اگر دلالت کرتا ہے تو صرف عدم وجوب پر، ناکہ عدم سنت پر۔

ساتویں روایت:

”حضرت عبداللہ بن زبیر جب دوسرا سجدہ کر لیتے تو اپنے پاؤں کے پنچوں کے بل جیسے ہوتے ویسے ہی کھڑے ہو جاتے۔“

مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۴/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۶]

جواب:

(۱) سنت کا اتباع اتباع صحابی سے افضل ہے۔

(۲) عدم وجوب پر دال ہے، سنت وہی ہے جو مالک بن الحویرث وغیرہ کی روایت

میں ہے۔

آٹھویں روایت:

”حضرت عبداللہ بن عمر نماز میں (سجدہ سے) اپنے قدموں کے

پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔“

منصف ابن ابی شیبہ (۳۹۴/۱) [بارہ مسائل ص: ۵۶]

جواب: حضرت عبداللہ بن عمر سے مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ دونوں میں یہ

بھی مروی ہے کہ وہ سجدہ سے اٹھتے تو زمین پر ٹیک لگا کر اٹھتے، ایسے میں دونوں

باتیں ان سے کیسے درست ہو سکتی ہیں، الا یہ کہ کہا جائے کہ وہ اس کو واجب نہ

جانتے تھے اس لیے کبھی ایسا اور کبھی ویسا کر لیا کرتے، پھر بھی فعل صحابی جب فعل

رسول سے ٹکرائے تو عمل فعل رسول پر ہوگا۔ اور یہی متعین ہے۔

نویں حدیث:

”امام اعمش کہتے ہیں کہ میں نے غمارہ بن عمیر کو ابواب کندہ کی

جانب نماز پڑھتے دیکھا.....

امام اعمش کہتے ہیں میں نے یہ حدیث عطیہ عوفی سے بیان کی تو

انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس

حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابو-مید خدری کو دیکھا ہے کہ وہ نماز

میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔“

سنن کبریٰ بیہقی (۱۲۶/۲) [بارہ مسائل ص: ۵۶، ۵۷]

جواب: یہ روایت عطیہ بن سعد العوفی الکوفی کی قابل استدلال نہیں، اولاً اس لیے کہ

عطیہ ضعیف ہیں حالانکہ وہ مشہور تابعی ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ اس میں محض

چند صحابہ کے فعل کا ذکر ہے اور ہم ازیں قبل رسول اللہ ﷺ سے بسند صحیح اس

امر کا مسنون ہونا ثابت کر آئے ہیں۔ آپ کے فعل کے مقابلہ میں کسی کے فعل

کی مشروعیت ثابت نہیں ہوتی۔

دسویں حدیث:

”حضرت نعمان بن ابی عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اپنا سر اٹھاتے تھے تو سیدھے کھڑے ہو جائے تھے اور بیٹھتے نہیں تھے۔“

جواب: ملتانی صاحب نے اس اثر کے لفظ ”ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ“

کا ترجمہ مبالغہ آرائی کے لیے نبی پاک ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا“ سے کر دیا۔ حالانکہ ترجمہ تھا: ایک سے زائد، یا یوں کر سکتے تھے: متعدد صحابہ کرام کو پایا۔ لیکن مبالغہ آرائی کے لیے بے شمار کر دیا، اللہ ان کا بھلا کرے، لیکن افسوس یہ ہے کہ موصوف کا مطلب پھر بھی ثابت نہیں ہوا کیونکہ اس اثر میں تین تین خرابیاں ہیں:

اول: اس کی سند میں محمد بن عجلان ہیں جو مشہور مدلس ہیں اور وہ نعمان بن عیاش سے عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مدلس کا عنعنہ قابل قبول نہیں۔

دوم: محمد بن عجلان مدلس کے باوجود سی الحفظ ہیں اور منفرد بھی ہیں۔

سوم: محمد بن عجلان سے روایت کرنے والے ابو خالد الاحمر ہیں، وہ بھی سی الحفظ ہیں۔ ایسا اثر احادیث صحیحہ کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

گیارہویں حدیث:

”احادیث کے جامع اول امام زہری فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتا تو ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا اور بیٹھتا نہ تھا۔“

مصنف ابن ابی شیبہ (۳۹۴/۱) [بارہ مسائل، ص: ۵۷]

جواب: امام زہری کو حدیث کا جامع اول کہنا محل نظر ہے، تدوین حدیث کی تاریخ دیکھیں۔ امام زہری کے مشائخ تابعین ہی ہیں جن کا قول و فعل شرعی دلیل نہیں ہوتا۔ حدیث رسول کے مقابل کسی کی بات درست نہیں۔

احادیث میں تعارض کی بحث

اہل علم جانتے ہیں کہ احادیث میں تعارض کے معنی کیا ہوتے ہیں، ملتانی صاحب کو تعارض فی الحدیث کی بحث پھر سے پڑھنی چاہئے۔

ناظرین کرام! اس بحث سے آپ یقیناً یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ جلسہ استراحت کے اثبات میں جو احادیث وارد ہیں وہ صحیحین و سنن کی ہیں اور اس کے مقابل کی احادیث ضعیف ہیں، صحیح و ضعیف میں کبھی تعارض متصور نہیں ہوتا، لہذا اس کو ملتانی صاحب کا تعارض کہنا غلط ہے۔ اور پھر اس غلط مفروضہ پر وہ یہ محل بھی تیار کر رہے ہیں کہ تعارض ہونے کے سبب مسئلہ اجتہادی ہو گیا۔ یہ بات پہلے دعویٰ سے بھی غلط تر ہے۔ کیونکہ مسئلہ اجتہادی وہ ہوتا ہے جس میں کتاب و سنت سے کوئی نص موجود نہ ہو، جبکہ یہاں نص صریح صحیح مرفوع متصل موجود ہے، یہ مسئلہ کیسے اجتہادی ہو سکتا ہے، کیا نص صریح کے ہوتے کسی کو اجتہاد کی اجازت ہے؟ ملتانی صاحب اس بارے میں ائمہ احناف ہی کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں ان کو اور ان کے ہم نواؤں کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا، یہ مسئلہ ہرگز اجتہادی نہیں ہے، نص کے مقابلہ میں اجتہاد یا قیاس نامقبول و مردود ہے، احناف کی اسی طرح کی حرکتوں پر اہلحدیث کے بعض حضرات نے سخت جملے استعمال کیئے ہیں جس سے یہ حضرات بدکتے پھرتے ہیں۔

ملتانی صاحب کا یہ کہنا کہ مسئلہ اجتہادی ہے اس لیے امام صاحب کے اجتہاد پر عمل کیا، تو یہ مردود ہے، کیونکہ یہ اجتہاد کا محل ہی نہیں ہے۔ ممکن ہے امام صاحب کو کوئی صحیح حدیث نہ ملی ہو، ان کے لیے عذر موجود ہے آج کل کے حنفیوں کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔

ملتانی صاحب نے ایک دعویٰ اور بھی کیا ہے کہ بیٹھ کر اٹھنے یا ٹیک لگا کر اٹھنے کا جن حدیثوں میں ذکر ہے وہ اس زمانہ کی بات ہے جب آپ متبذّن ہو گئے تھے یعنی آپ کا بدن بھاری ہو گیا تھا۔ یہ دعویٰ بھی باطل ہے، خود علماء احناف نے اس کو رد کر دیا ہے کیونکہ یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور دلیل اس پر کوئی ہے نہیں، صاحب بحر الرائق کہتے ہیں: اس تاویل پر دلیل چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن الحویرث کو اپنی زندگی کے آخری سالوں میں جب وہ بیس دن آپ کے ساتھ رہے نماز اور دین کی تعلیم لیتے رہے اور اس کے بعد جب گھر جانے لگے تو فرمایا۔

”اذہبوا الی اہلیکم ومروہم وعلموہم، وصلوا کما رایتُمونی اصلی“۔

مالک بن الحویرث اور ان کے ساتھیوں کو آپ نے فرمایا:

”اب تم لوگ اپنے گھر جاؤ، گھر والوں کو دین کی تعلیم دو اور جو سیکھا

وہ ان کو بھی سکھاؤ، اور نماز ویسے پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا

ہے۔“

یہ حدیث بخاری شریف میں متعدد طرق سے مروی ہے۔

اگر مالک بن الحویرث نے جو کچھ دیکھا اور نماز کی جو کیفیت انہوں نے دیکھی اور بیان کی اگر وہ سب مسنون نہ ہوتی تو آپ ہرگز یہ نہ فرماتے:

”صلوا کما رایتُمونی اصلی“

جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ویسے ہی نماز پڑھو۔

حضرت مالک بن الحویرث نے جلسہ استراحت کو بھی دیکھا اور اس کو کسی عذر پر محمول نہیں کیا، تو دوسروں کو کیا حق ہے کہ محض مذہبی تعصب میں سنت رسول کو مٹا دیں اور اس کو عذر کی لاشی سے دبا دیں۔

جلسہ استراحت میں اکثر لوگوں کو اگر قساہل دیکھو تو اس کو درست خیال نہ کرلو

کیونکہ ہمیں نبی ﷺ کی اتباع کا حکم ہے ناکہ کسی اور کی۔ ”وما آتاکم الرسول فخذوه“، اور ”قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی يحببکم الله و یغفر لکم ذنوبکم“ کو یاد رکھو۔

ملتانى صاحب نے اپنی بات رکھنے کے لیے حدیث کے الفاظ: ”مثل شیخنا عمرو بن سلمہ“ کا ترجمہ ہمارے بوڑھے عمرو بن سلمہ سے کر دیا، جو محض فریب دہی ہے۔ یہ کہنا کہ پہلے والے مسنون طریقہ سے بعد میں آپ کا عمل مختلف ہو گیا تھا متبدل ہونے کے سبب، درست نہیں، کیونکہ جس کو آپ پہلے والا مسنون عمل فرماتے ہیں وہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ثابت کیجئے تب دعویٰ کیجئے۔

ملتانى صاحب نے نوٹ میں جو کچھ کہا ہے اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں، ابتداء بحث میں دیکھ لیں۔ ہم نے صحیح مرفوع متصل حدیث بھی پیش کی اور بغیر تقلید آپ کے مفروضوں کو رد بھی کیا پلٹ کر دیکھ لیں۔

خالد گھر جا کھی اور ملتانى صاحب

مولوی ملتانى صاحب - خالد گھر جا کھی صاحب پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین کے عالم جناب خالد گھر جا کھی صاحب نے لکھا ہے:
بعض لوگ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں حالانکہ یہ سنت ثابت ہے فقہ حنفی میں اس کا سنت ہونا موجود ہے۔“

(ہدایہ ۳۸۳/۱، صلاة النبی ص: ۱۷۴)

”اگر غیر مقلدین ہدایہ میں جلسہ استراحت کا سنت ثابت ہونا دکھا دیں اور ہدایہ کی عربی عبارت تحریر کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ لوگو! کب تک قرآن و حدیث کے نام پر دھوکہ کھاتے رہو گے۔“

جواب: اہل حدیث کے نزدیک شخصی اقوال کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی، جلسہ استراحت

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

جب حدیث صحیح سے ثابت ہے تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہدایہ کو دیکھیں، لیکن اگر خالد گھر جا چکی صاحب نے ایسا لکھا ہے تو ان کے بارے میں حسن ظن تو یہی ہے کہ انہوں نے صحیح لکھا ہوگا، ہمارے پاس خالد صاحب کی کتاب موجود نہیں اس لیے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے کیا لکھا ہے۔ ملتانی صاحب کے لکھے پر یقین نہیں آتا کہ جب وہ احادیث کو تحتہ مشق بنا ڈالتے ہیں تو خالد صاحب کی حیثیت ہی کیا ہے۔ کتاب کی تلاش جاری ہے اگر مل گئی تو کچھ عرض کیا جائے گا۔

فقہ حنفی اور جلسہ استراحت

فقہ حنفی کا عام رجحان جلسہ استراحت کے خلاف ہی ہے، لیکن فقہ حنفی میں کچھ فقیہ ایسے بھی گزرے ہیں جو اس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ، ترجمہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول کا ص: ۱۲۸، مطبوعہ نول کشور پیش نظر ہے۔ ملاحظہ کریں:

”پھر جب سجدہ سے فارغ ہو پنجوں کے بل اٹھے دونوں ہاتھ ٹیک کر نہ کھڑا ہو، گھٹنوں پر سہارا دے یہ محیط میں لکھا ہے، اور جس کو کوئی عذر ہو اس کو سہارا دینا ہمارے نزدیک مستحب ہے، بہت سی کتابوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے، یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور اگر بیٹھا اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے جیسے کہ مذہب شافعی کا ہے، تو مضائقہ نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔“

ہم نے یہ عبارت فتاویٰ ہندیہ یعنی عالمگیری مترجم اردو از سید امیر علی مطبوعہ تچ کمار واقع لکھنؤ سے نقل کی ہے، کہیں کل کو ملتانی صاحب یہ مطالبہ نہ کر دیں اس کی عربی عبارت پیش کرو ورنہ نہیں مانیں گے۔

ہدایہ میں دکھانے کے ساتھ عربی عبارت پیش کرنے کا مطالبہ بلا سبب نہیں ہے۔

وہ جانتے ہیں کہ یہ چیز ہدایہ کی اردو شروحات میں موجود ہے اور ظاہر ہے یہ شروحات بھی حنفی علماء کی ہیں، علماء احناف نے انصاف کرتے ہوئے کبھی کبھی صحیح بات کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ ایسے میں ملتانی صاحب جیسے حضرات ہدایہ کی عربی عبارت کا مطالبہ کر دیتے ہیں اور عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ حنفی کتب یا علماء سے دیا گیا حوالہ غلط ہے اور الٰہ حدیث علماء غلط حوالے دیتے ہیں، تبھی تو ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

”لوگو! کب تک قرآن و حدیث کے نام پر دھوکہ کھاتے رہو گے۔“

حالانکہ خالد صاحب کی بات اگر ان کے نزدیک غلط تھی تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ کب تک فقہ اور ہدایہ کے نام پر دھوکہ کھاتے رہو گے، کیونکہ خالد صاحب کے جس حوالے پر وہ ناراض ہیں وہ حوالہ قرآن و حدیث کا نہیں فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا تھا، لیکن وہ پچارے مجبور ہیں انہیں بہر حال عوام کو قرآن و حدیث سے بدظن کرنا ہے۔

سجدہ سے زمین پر ٹیک لگائے بغیر اٹھنا سنت ہے

ملتانى صاحب نے جو سوال و جواب نقل فرمایا ہے جس میں وہ خود ہی مستفتی اور خود ہی مفتی ہیں اس میں فرماتے ہیں کہ ”ٹیک لگا کر اٹھنا خلاف سنت ہے“۔

اگر وہ اس کے علاوہ کچھ اور کہتے جیسے یہ کہ بغیر ٹیک لگائے اٹھنا بھی جائز ہے تو شاید ہم ان کی تائید کرتے، لیکن موجودہ صورت میں ان کی تائید نہیں کی جاسکتی، کیونکہ انہوں نے سنت رسول کو خلاف سنت قرار دیدیا۔ اور اس پر ان کو اصرار ہے ہاں اتنی رعایت تو ضرور فرمائی ہے کہ بوڑھے اور بھاری بدن والے کے لیے ٹیک لگا کر اٹھنے کی اجازت دیدی ہے۔

اب آئیے موصوف کے دلائل کو دیکھتے ہیں، آخر میں ان کے مطالبہ کے ساتھ سنت رسول کیا ہے؟ اس کی وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

پہلی دلیل:

حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر اٹھنے سے منع فرمایا۔
ابوداؤد (۱۴۲۱)

جواب: ناظرین کرام! ملتانى صاحب کی اس حرکت پر تعجب کیا جائے یا افسوس سمجھ میں نہیں آتا، انہوں نے ابوداؤد شریف کی اس حدیث کو اولاً تو آدھا ادھورا نقل کیا پھر ترجمہ اپنے من سے اور غلط لکھا۔ انہوں نے ہر جگہ حدیث کے اصلی عربی الفاظ

نقل نہیں کئے صرف ترجمہ کر دیا، شاید اس کے پیچھے یہی راز ہو کہ عربی کے ساتھ من مانا ترجمہ کرنا دشوار ہوگا اور علماء اس کو فوراً پکڑ لیں گے۔ اور من مانی کرنے کا موقعہ نہیں مل سکے گا۔ وہ خالد گھر جا چکی سے تو مطالبہ کرتے ہیں عربی عبارت کا اور خود حدیث کے عربی الفاظ نقل نہیں کرتے۔ بہر حال لیجیے ہم آپ کو عربی کے الفاظ دکھاتے ہیں اور پھر گزارش کرتے ہیں کہ ملتانی صاحب کی اس دھاندلی پر غور کریں۔

حضرت امام ابو داؤد باب قائم کرتے ہیں۔ ”باب کراہۃ الاعتماد علی الید فی الصلاۃ“ جس کا سیدھا سامعنی ہے ”باب ہے اس بارے میں کہ نماز میں ہاتھ پر ٹیک لگانا مکروہ ہے“۔ حدیث یہ ہے۔

”حدثنا احمد بن حنبل و احمد بن محمد بن شیبہ، و محمد بن رافع و محمد بن عبد الملك الغزالی قالوا: حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن اسماعيل بن امية عن نافع عن ابن عمر قال: نهى رسول الله ﷺ،

وقال احمد بن حنبل: ان يجلس الرجل في الصلاة وهو معتمد على يده۔

وقال ابن شبيبہ: نهى ان يعتمد الرجل على يده في الصلاة۔

وقال ابن رافع: نهى ان يصلي الرجل وهو معتمد على يده، (وذكر في باب الرفع من السجود)

وقال ابن عبد الملك: نهى ان يعتمد الرجل على يديه اذا نهض في الصلاة۔

اس روایت کے الفاظ پر غور کر لیجیے، کیا جو ترجمہ ملتانی صاحب نے نقل کیا ہے وہ اس روایت کا ترجمہ ہے، ظاہر ہے نہیں انہوں نے حدیث کا ترجمہ ہی نہیں کیا اور حوالہ ابو داؤد کا دیدیا۔ انہوں نے صرف ایک وجہ کا ترجمہ کیا ہے جو ان کے موافق تھی، باقی تین وجوہ اس روایت کی جو ان کے خلاف تھیں یا جو ان کے موافق نا تھیں ان کا ترجمہ ہی چھوڑ دیا، ایسا کیوں کیا؟ پتا نہیں یا تو حدیث ہی نہیں سمجھی یا جان بوجھ کر دھوکہ دیا۔ اگر حدیث نہیں

سمجھی تھی تو ایک قصور تھا اور اگر جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے تو یہ دانستہ دھوکہ دہی ہے۔
وہو کما قال الشاعر:

ان كنت لا تدري فتلک مصیبة

وان كنت تدري فالمصیبة اعظم

ہمیں ملتانى صاحب سے زيادہ ان فاضلان دارالعلوم ديوبند سے شکایت ہے۔
جو اس کتاب کو چھاپ کر بنگلیں بجا رہے ہیں اور اس کتاب کو لا جواب سمجھ رہے ہیں اور
برابر اس کو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں چھاپ رہے ہیں، بہر حال حقیقت کیا ہے:
ناظرین کرام! آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں ماجرا کیا ہے۔

مندرجہ بالا حدیث امام ابو داؤد نے چار اساتذہ سے لی ہے

۱۔ احمد بن حنبل ۲۔ احمد بن محمد بن شہویہ

۳۔ محمد بن رافع ۴۔ محمد بن عبد الملک الغزال

یہ چاروں حضرات یہ روایت لیتے ہیں عبد الرزاق سے گویا کہ یہ چاروں حضرات
امام عبد الرزاق کے شاگرد ہیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حدیث ایک ہے حدیث سنانے والا
بھی ایک ہے لہذا اس کا معنی مطلب بھی ایک ہوتا لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔
ابتدا میں مذکور تینوں حضرات کی حدیث کے الفاظ تو الگ ہیں لیکن معنی متحد ہیں
مفہوم اس کا یہ ہے کہ حالت نماز میں ہاتھوں پر ٹیک لگائے رکھنا منع ہے۔

لیکن چوتھے شاگرد امام عبد الرزاق کے یعنی محمد بن عبد الملک الغزال جو حدیث
بیان کرتے ہیں وہ لفظ کے اختلاف کے ساتھ معنی میں بھی الگ ہے۔ ان کی روایت کا
معنی یہ ہے کہ نمازی نماز میں اٹھتے ہوئے ہاتھوں پر ٹیک لگائے یہ ممنوع ہے۔

عبد الرزاق کے تین شاگرد جو بات بیان کر رہے ہیں وہ اور ہے اور جو ایک شاگرد
بیان کر رہا ہے وہ اور ہے۔ حفظ و اتقان میں جو درجہ حضرت امام احمد بن حنبل کا ہے

وہ کسی سے مخفی نہیں پھر ان کے دوست بھی ان سے متفق ہیں۔ اس کے برخلاف عبد الملک الغزال۔ حالانکہ ثقہ ہیں لیکن کثیر الخطاء ہیں ایسی صورت میں ثقہ اوثق منہ کی مخالفت کر رہا ہے، لہذا ثقہ کی روایت منکر اور اوثق کی محفوظ ہوگی۔ ویسے بھی عبدالرزاق کے چار شاگردوں میں تین کی روایت کا مفہوم ایک ہے اور ایک سب سے الگ ہی بات روایت کر رہا ہے، ایسے میں بھی تین کی روایت کو راجح قرار دیا جائے گا اور ایک کی روایت مرجوح کہلائے گی، راجح کے ہوتے مرجوح پر عمل نہ ہوگا۔

مولوی ملتانی صاحب نے اس روایت کو یا تو اصل کتاب میں دیکھا ہی نہ تھا، یا دیکھا تھا مگر جان بوجھ کر فریب دہی کی، دونوں صورتوں میں وہ لائق اعتماد نہ رہے، اور ان کی جو چالاکی تھی وہ نہ چلی، اور جب چالاکی نہ چلی تو ان کا مدعا بھی حاصل نہ ہوا، لہذا یہ سب سے بڑی دلیل تھی ان کی جس کا یہ حال نکلا آگے آگے دیکھئے وہ کیا گل کھلاتے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود نماز میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کا ثبوت آیا ہے (ہم آگے ان احادیث کا تذکرہ کریں گے) اگر ان کے نزدیک اعتماد علی الارض جس کو بخاری نے روایت کیا ہے ممنوع ہوتا تو خود ہرگز اس پر عمل نہ کرتے۔ ایسی صورت میں جن احادیث و آثار میں ابن عمر کا اعتماد سے منع منقول ہے اس سے مراد وہ اعتماد نہیں جس پر وہ خود عامل تھے اور جو بخاری میں موجود ہے بلکہ زمین پر ٹیک وہ منع ہے جس کا ذکر ان کی متعدد روایات میں ہے۔ خود امام ابو داؤد نے اس باب کے تحت ان کی دو روایات نقل فرمائی ہیں۔ جس میں ایک کا ذکر ہم کرتے ہیں۔

”عن نافع، عن ابن عمر انه رأى رجلا يتكى على يده اليسرى وهو

قاعد فى الصلاة، قال هارون بن زيد: ساقطاً على شقه اليسرى، ثم اتفقا:

فقال: له لا تجلس هكذا فان هكذا يجلس الذين يعذبون“

ابوداؤد باب: ۱۸۷، ۴۷۸، جلد اول۔

امام ابو داؤد حسن سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کی حالت میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے ہے۔ ہارون بن زید کی روایت میں ہے کہ بائیں کروٹ پر مائل دیکھا۔ پھر دونوں راوی باتفاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے اس سے کہا: اس طرح نہ بیٹھ کیونکہ اس طرح وہ لوگ بیٹھتے ہیں جو عذاب دیئے جائیں گے۔

اس روایت سے صاف ہے کہ حالت نماز میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اور ابن عمر نے اس کو منع کیا ہے، ملتانی صاحب نے مسنون طریقہ قیام کی طرف اٹھتے ہوئے ہاتھوں سے ٹیک لگا کر اٹھنا مراد لیکر ان کی مراد کی غلط ترجمانی کی ہے۔ (۳) مولوی ملتانی صاحب نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ روایتیں باہم متعارض اور متضاد ہیں اس لیے امام صاحب کے اجتہاد سے فیصلہ ہوگا اور وہ آثار کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں اور آثار جو نقل فرمائے ان میں زمین پر ٹیک لگا کر اٹھنا منع ہے۔

ہم کہتے ہیں: آپ کا یہ دعویٰ کہ احادیث متعارض و متضاد ہیں باطل ہے کیونکہ یہ تعارض صوری ہے ناکہ حقیقی کیونکہ صحیح و ضعیف میں باہم تعارض حقیقی نہیں ہوتا۔ پھر اس تعارض کو اصول دفع تعارض کو نظر انداز کر کے من مانے طریقے سے تعارض دفع کرنا باطل ہے، یہ مسئلہ اجتہادی نہیں ہے۔ آثار جو نقل فرمائے وہ اولاً تو صحیح نہیں، دوم اگر ان کو صحیح تسلیم بھی کریں تو صحیح صریح مرفوع متصل حدیث کے مقابل آنے کی ان کو ہمت نہیں، طریقہ مصطفیٰ کے ہوتے تابعین کے آثار قابل عمل نہیں ہوتے۔

(۴) اس روایت میں قیام کے لیے اٹھتے ہوئے ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگانے کی نفی ثابت ہوتی ہے اور احادیث صحیحہ میں اثبات ہے اور اثبات نفی پر مقدم ہے، لہذا اثبات پر عمل زیادہ مناسب ہے۔

(۵) احتاف کے یہاں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ راوی اگر اپنی روایت کے خلاف عمل

کرتا ہے تو یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ وہ حدیث منسوخ ہے اور یہاں حضرت ابن عمر کی اس روایت کے مقابلہ میں ان کا عمل اور ہی ہے۔ ابن ابی شیبہ میں ازرق بن قیس سے مروی ہے، کہتے ہیں: ”رايت ابن عمر ”نهض في الصلاة يعتمد على يديه“ یعنی ابن عمر کو دیکھا نماز میں دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے۔

ملتانی صاحب کی دوسری دلیل

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ سجدہ سے کھڑے ہوتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے۔

(ابوداؤد (۱۲۲/۱)، ترمذی: ۳۶، نسائی: ۱۶۵/۱) [بارہ مسائل، ص: ۵۹]

جواب: ”سجدہ میں جانے کا طریقہ“ ملتانی صاحب نے جب لکھا جو اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ تو اس حدیث کو بطور دلیل ذکر کیا وہیں ہم نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے وہاں دیکھ لیں۔ مختصر یوں کہ اس روایت کا راوی شریک، منفرد ہے، سنی الحفظ، ردی الضبط اور کثیر الغلط ہے۔ ایسے راوی کی روایت علی الانفراد قابل قبول نہیں ہوتی۔

ملتانی صاحب کی تیسری دلیل

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ جب اٹھے تو اٹھے اپنے گھٹنوں کے بل اور اپنی رانوں پر سہارا لیا۔

ابوداؤد (۱۲۲/۱) بارہ مسائل، ص: ۵۹

جواب: یہ حدیث بھی ناقابل قبول ہے۔ عبد الجبار اس کے ایک راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن ارسال کی عادت ہے اپنے والد سے مرسل روایات بیان کرتے ہیں جب کہ ان سے ان کا سماع ثابت نہیں، لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔

ملتانی صاحب کے پیش کردہ آثار

پہلا اثر:

”حضرت علی فرماتے ہیں: فرض نماز میں سنت یہ ہے کہ جب آدمی پہلی دو رکعتوں میں کھڑا ہو تو اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک نہ لگائے مگر یہ کہ کوئی بہت بوڑھا ہو جو طاقت نہیں رکھتا۔“

مصنف ابن ابی شیبہ، ص: ۴۳۲، [بارہ مسائل، ص: ۶۰]

جواب: یہ اثر اس لائق نہیں کہ اس کو بنیاد بنا کر فیصل بات کہی جائے کیونکہ اس میں دو خرابیاں ہیں۔ اس کے دو راوی متکلم فیہ ہیں۔ زید بن زید جو الاعصم الکوفی، ہے مجہول راوی ہے، ابو حاتم نے کہا: وہ مجہول ہے۔ دوسرے عبدالرحمن بن اسحاق ہیں وہ بھی ضعیف ہیں، لہذا یہ قابل قبول نہیں۔

دوسرا اثر: محمد بن سیرین (سجدہ سے اٹھتے وقت) ٹیک لگانے کو ناپسند کرتے۔
تیسرا اثر: ابراہیم نخعی اس کو مکروہ سمجھتے مگر یہ کہ بہت بوڑھا یا مریض ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ، ص: ۴۳۲، [بارہ مسائل، ص: ۶۰]

جواب: (۱) یہ آثار تابعین ہیں صحیح حدیث کے خلاف ان کی کوئی حیثیت نہیں
(۲) اقوال تابعین بذاتہ قابل حجت نہیں۔

(۳) جس فعل کو رسول اللہ کریں صحابہ کرام کریں اگر کسی کو ناپسند ہیں تو وہ اپنی پسند کا علاج کرائے، ممکن ہے صحیح حدیث ان کو ناپسندی ہو، یا پہنچی ہو مگر انہوں نے اس کی تاویل کر لی ہو جیسا کہ نخعی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف کمزور، بدین اور بوڑھے کے لیے وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ان کا ایسا سمجھنا بلا دلیل ہے کیونکہ مالک الحویرث کی حدیث جس کو دس اور صحابہ کی مجلس میں وہ بیان کرتے ہیں جس کا ذکر آگے آتا ہے

اس میں رسول اللہ ﷺ کا نماز میں ٹیک لگا کر اٹھنے کا ذکر ہے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ صحابہ کرام بعد میں ایسے ہی نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسی نماز کی تلقین فرمائی اور ”صلوا کما راہتمونی اصلی“ بھی فرمایا، لہذا بوڑھے کمزور یا بدین ہونے کی تاویل تاویل باطل ہے۔

جو بات رسول کو پسند ہے وہ ہمیں پسند ہے، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ فلاں فلاں کو کیا کیا پسند ہے۔ یاد رہے نخعی کی روایت میں ہشیم ہے ”وہو مدلس ویرویہ بعن فلا یقبل“

ملتانى صاحب کا نوٹ

ملتانى صاحب فرماتے ہیں: ”دونوں قسم کی روایات میں تعارض و تضاد ہے۔“
جواباً عرض ہے: تعارض و تضاد ملتانى صاحب کی عقل میں ہے، حقیقت میں نہ تعارض ہے اور نہ تضاد، کیونکہ صحیح و ضعیف میں تعارض ہوتا ہی نہیں، اور یہ بات صاف ہو چکی ہے، مالک بن الحویرث کی حدیث بخاری کی ہے باقی جو احادیث نقل فرمائی ہیں اگر ان میں کوئی علت نہ ہوتی تو بھی بخاری کی روایت مقدم ہوتی با اتفاق امت۔ اور جب کہ آپ دیکھ چکے کہ کوئی روایت بھی ملتانى صاحب کی نقل کردہ صحیح نہیں کوئی مرسل ہے کوئی منقطع، اور کسی میں زبردستی کا معنی پہنایا گیا ہے، لہذا تعارض و تضاد کی بات کہنا درست نہیں۔

فرماتے ہیں:

”چونکہ غیر مقلدین کے نزدیک امتی کی تقلید شرک اور بغیر وحی کے پیغمبر کی بات بھی ان کے نزدیک حجت نہیں تو کسی امتی کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے اس لیے وہ ان متضاد روایات کا فیصلہ اور اس مسئلہ کا حل حدیث صحیح صریح مرفوع متصل میں دکھا دیں۔ اور اس حدیث

کی صحت اور ہماری پیش کردہ روایت کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کر دیں.... تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔“

جواب: امتی کی تقلید شرک جیسی باتوں کا جواب کتاب کے شروع میں دیا جا چکا ہے، ایک بار پھر دیکھ لیں۔ تضاد کے دعوے کی دہی بھی بکھیری جا چکی ہے۔ ہم صحیح صریح مرفوع متصل حدیث پیش کرتے ہیں غور کریں:

باب کیف يعتمد علی الارض اذا قام من الركعة۔

حدثنا معلى بن اسد قال: حدثنا وهيب عن ايوب عن ابي قلابه قال: ”جاءنا مالك بن الحويرث فصلى بنا في مسجدنا هذا فقال: اني لاصلى بكم وما اريد الصلاة ولكن اريد ان اريكم كيف رأيت النبي ﷺ يصلي، قال ايوب: فقلت لابي قلابه: وكيف كانت صلاته؟ قال: مثل صلاة شيخنا هذا - يعني عمرو بن سلمة - قال ايوب: وكان ذلك الشيخ يتم التكبير، واذ رفع راسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض، ثم قام۔“ بخاری مع فتح الباری (۳۸۵/۲)، مکتبہ اشرفیہ دیوبند، الہند۔ اس کا ترجمہ ملتان صاحب نے یوں فرمایا ہے:

”اس بات کا بیان کہ جب نمازی رکعت سے کھڑا ہوگا تو کیسے زمین پر ٹیک لگائے گا۔“

حضرت ابو قلابہ کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن الحویرث ہماری اس مسجد میں آئے، پس ہمیں نماز پڑھائی پھر فرمایا: میں نے تمہیں نماز پڑھائی ہے لیکن میرا مقصود نماز نہیں بلکہ یہ مقصود تھا کہ میں نے جیسے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ویسے تمہیں دکھاؤں۔ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو قلابہ سے پوچھا ان کی نماز کیسے تھی؟ ابو قلابہ نے کہا: ہمارے اس بوڑھے ۱۔ عمرو بن سلمہ کی نماز کی مانند حضرت ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ یہ شیخ جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر سہارا لگا کر

پھر کھڑے ہوتے۔

یہ روایت صحیح مرفوع و متصل ہے۔ اس کی تخریج ازیں قبل گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیں۔

جب یہ حدیث بخاری شریف کی باتفاق امت صحیح ترین ہے، مسئلہ مابہ النزاع کی تصریح بھی اس میں موجود ہے، مرفوع ہے متصل ہے، اس کے ہوتے دیگر ضعاف و آثار تابعین کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ان کی حقیقت بھی ہم کھول چکے ہیں، رہی ملتانی صاحب کی یہ بات کہ حدیث کی صحت و ہماری پیش کردہ احادیث کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کیے بغیر ثابت کریں۔

تو ہم ازیں قبل بار بار خصوصاً ابتداء میں نقل کر چکے ہیں کہ محدثین کرام کا احادیث پر حسن و صحت و ضعف کا حکم یا رجال پر حکم نا تقلید ہے اور نا اس کا کوئی تعلق تقلید سے ہے۔ لہذا بار بار اس کی دہائی ملتانی اینڈ پارٹی کی انتہائی کمزوری کی دلیل ہے، اور مغالطہ دہی ہے جس کا ہم پردہ چاک کر چکے ہیں۔ ہم نے ان کی پیش کردہ روایات پر طریقہ محدثین کے مطابق کلام کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ قابل استناد نہیں۔

التحیات میں بیٹھنے کا سنت طریقہ

ملتانى صاحب نے اس آخرى مسئلہ میں عجيب خلط بحث كيا ہے۔ تشہد اول، و تشہد اخير۔ جس كو علماء و فقہاء دونوں استعمال كرتے رہے ہیں آپ نے اس كو التحیات كا نام دیدیا۔ اور جو احادیث تشہد اول كے لیے تھیں ان كو اخير كے لیے بھی مان كر زبردستى تعارض پیدا كرنے كى سعى فرمائی، ایسا وہ صرف مذہبى تعصب میں كرتے ہیں ورنہ بظاہر اس كا كوئى داعیہ نظر نہیں آتا۔

حالت تشہد میں كیسے بیٹھے؟ یہ مسئلہ ائمہ كے درمیان مختلف فیہ ہے چنانچہ امام مالك اور بعض علماء كا مذہب یہ ہے كہ تشہد اول ہو یا اخير دونوں میں تورك افضل ہے۔ امام ابوحنیفہ اور بعض علماء كا مذہب یہ ہے كہ دونوں تشہد میں افتراش افضل ہے۔ امام شافعى رحمہ اللہ اور محدثین كا مذہب یہ ہے كہ تشہد اول میں افتراش اور ثانی میں تورك افضل و متعین ہے۔

چونكہ ان تمام ائمہ كرام كے پاس كچھ نہ كچھ احادیث و آثار ہیں جن كى بنیاد پر وہ ایسا كہتے ہیں، لیكن جو بات انصاف كى ہے وہ یہی ہے كہ حضرت امام شافعى و محدثین كا مسلک اس بارے میں صحیح احادیث پر مبنی ہے اور احادیث صحیحہ صریحہ اس كى تائید كرتی ہیں، البتہ حدیث نے بھی اسی موقف كو پسند كیا ہے كیونكہ افتراش یا تورك كے بارے میں موجود احادیث مطلق ہیں ان میں اس بات كى صراحت نہیں كہ افتراش تشہد اول میں كیا جائے گا یا اخير میں، دونوں میں یا ایک میں، یہی حال تورك والى احادیث كا ہے۔ لیكن ابو حمید ساعدى كى روایت جو بخارى شریف و دیگر كتب حدیث میں صحیح سند كے ساتھ مروى

ہے اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ تشہد اول میں افتراش اور تشہد اخیر میں تورک کیا جائے گا۔ انہوں نے اس کو بیان کیا اور دس صحابہ کرام نے اس کی تائید کی اس روایت میں اس اجمال کی تفصیل موجود ہے جو دیگر روایات میں موجود نہیں تھی، لہذا تمام احادیث کو اس پر محمول کیا جائے گا اور اسی کی روشنی میں ان کو حل کیا جائے گا۔

علماء احناف میں سے علامہ ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی نے تمام دلائل پر بحث کرنے کے بعد آخر میں فرمایا۔

”والانصاف انه لم يوجد حديث يدل صريحا على استئذان

الخلوس على الرجل اليسرى في القعدة الاخيرة، وحديث ابی

حمید مفصل، فليحمل المبهم على المفصل، انتهى۔“

تحفہ (۱۵۶/۲) بحوالہ التعلیق المحمد

یعنی انصاف کی بات یہ ہے کہ کوئی ایک حدیث بھی ایسی موجود نہیں جو

صرحتاً اس بات پر دلالت کرے کہ قعدہ اخیرہ میں بائیں پیر پر بیٹھنا

مسنون ہے۔ اور حدیث ابوجمید ساعدی کی اس بارے میں مفصل ہے،

لہذا تمام مبہم احادیث کو اس مفصل حدیث پر محمول کرنا چاہئے۔

اصل مسئلہ تو اتنا ہی تھا، لیکن ہمارے ملتان صاحب نے اس کو زیب داستاں کے

لیے طول دیدیا ہے، اب آئیے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو دیکھیں۔

یہ بات یاد رہے کہ الحمدیث کا مسلک یہی ہے کہ تشہد اول میں افتراش اور تشہد

اخیر میں تورک کرنا مسنون ہے اور اس کی تفصیل صحیح صریح مرفوع متصل حدیث ابوجمید میں

مذکور ہے جو ازیں قبل مباحث میں زیر بحث آچکی ہے۔

ملتانی صاحب کے دلائل پہلی دلیل:

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو میں نے (جی میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز ضرور دیکھوں گا۔ سو جب آپ تشہد کے لیے بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور دایاں پاؤں کھڑا رکھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔

ترمذی (۶۵۱) [بارہ مسائل، ص: ۶۱]

جواب (۱) یہ حدیث تشہد اول پر محمول ہے تشہد اخیر کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ تشہد اخیر کی تفصیل حدیث ابو حمید ساعدی میں مذکور ہے، لہذا مجمل کو مفصل کی ضرورت ہے۔ عمل مفصل پر ہوگا۔

(۲) یہ حدیث صحیح ہے مگر صریح نہیں اور مسئلہ ما بہ النزاع کے لیے نص صریح کی ضرورت ہے اور وہ حدیث ابو حمید ساعدی میں مذکور ہے۔

ملتانی صاحب کی دوسری دلیل:

”حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے ہے کہ (تشہد میں) دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھی جائیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے۔“

سنن نسائی (۱۳۰۱) [بارہ مسائل، ص: ۶۱]

جواب: یہ حدیث تشہد اول پر محمول ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ہی

سے ایک روایت موطا امام مالک میں موجود ہے جس میں تورک کا تذکرہ ہے۔ ایک ہی صحابی دو الگ الگ روایتوں میں الگ الگ طریقہ بتلا رہا ہے۔ تطبیق کی صورت یہی ہے کہ یہ روایت تشہد اول کے لیے اور موطا کی روایت تشہد ثانی سے متعلق ہے۔ اس طرح دونوں احادیث پر عمل ممکن ہے۔

ملتانی صاحب کی تیسری دلیل:

”حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا پایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔“

مسلم (۱۹۴/۱) [بارہ مسائل، ص: ۶۱]

جواب: اس کے جواب کے لیے پہلی دلیل کا جواب ملاحظہ کریں۔

ملتانی صاحب کی چوتھی دلیل:

”حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (التحیات میں) اکڑوں بیٹھنے سے اور تورک (یعنی دونوں پاؤں یا ایک پاؤں بائیں طرف نکال کر کولہے پر بیٹھنے) سے منع فرمایا۔“

سنن کبریٰ بیہقی (۱۲۰/۲) [بارہ مسائل، ص: ۶۱]

جواب: اس کی سند میں حضرت قتادہ مدلس ہیں اور حضرت انس سے عن سے روایت کرتے ہیں، اور مدلس کا عنعنہ سے روایت کرنا قابل قبول نہیں لہذا اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

ملتانی صاحب کی پانچویں دلیل:

”حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (التحیات) میں

اکڑوں بیٹھنے سے اور تورک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

مجمع الزوائد (۸۶/۲) [بارہ مسائل، ص: ۶۱]

جواب: اس کی سند میں ہارون بن سفیان مجہول ہیں۔ مجہول کی روایت قابل استدلال نہیں۔

ملتانی صاحب کی چھٹی دلیل:

”حضرت سرہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اکڑوں بیٹھنے اور تورک کرنے سے منع فرمایا۔“

مجمع الزوائد (۸۶/۲) [بارہ مسائل، ص: ۶۱]

جواب: حدیث صحیح کے خلاف ہے خود اس کی سند میں سعید بن بشیر متکلم فیہ راوی ہے، لہذا صحیح حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی۔

ملتانی صاحب کا فائدہ یا فساد

ملتانی صاحب نے ان چھ احادیث کو ذکر کرنے کے بعد ایک فائدہ لکھا ہے، فرماتے ہیں:

”بخاری - ابوداؤد - ترمذی - ابن ماجہ میں حضرت ابو حمید ساعدی کی

روایت ہے، اس میں التحیات کے اندر بحالت تورک بیٹھنا ثابت ہے

جس پر دس صحابہ کرام نے شہادت دی کہ یہ نبی ﷺ کی نماز ہے۔“

(بارہ مسائل، ص: ۶۱)

جواب: ملتانی صاحب نے بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا

ہے۔ یعنی حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ

تشہد اخیر میں آپ نے تورک کیا اور تشہد اول میں افتراش۔ لیکن ملتانی صاحب

اپنی دھوکہ دہی کی عادت سے مجبور ہیں، لہذا یوں لکھتے ہیں کہ ابو حمید ساعدی کی روایت میں التحيات کے اندر بحالت تورک بیٹھنا ثابت ہے۔“ جو ان کی دھوکہ دہی کی پرانی عادت لازمہ ہے، ابو حمید ساعدی کی روایت میں صاف و صریح طور پر اس بات کا بیان ہے کہ دو رکعت کے بعد بیٹھے تو افتراش کیا، ”ثم نثی رجله و قعد واعتدل“ اور جب آخری رکعت میں بیٹھے تو تورک گیا۔ ”حتی کانت الركعة التي تقضى فيها صلاته اخر رجله اليسرى و قعد على شقه متوركا“ دیکھئے تحفہ (۱۸۲، ۱۸۱/۲) اس تصریح کے ہوتے ہوئے التحيات کے پردے میں تشہد اول و اخیر کو چھپالینا ملتانی صاحب کی بے بسی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

اس مختصر وضاحت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ ملتانی صاحب کو معلوم ہے کہ بخاری وغیرہ میں ابو حمید کی حدیث میں تفصیل موجود ہے مگر مذہب کی پاسداری مجبور کرتی ہے کہ کوئی نہ کوئی تاویل گھڑ لیں، فالی اللہ المشتکی۔

ملتانی صاحب کا یہ کہنا کہ التحيات میں بیٹھنے کی کیفیت کے بارے میں احادیث متعارض ہیں اس لیے ان احادیث کو اور اس مسئلہ کو آثار صحابہ و تابعین کی رہنمائی میں حل کیا جائے گا۔ ان کی پرانی عادت کے موافق ہے، جن احادیث میں افتراش کا ذکر ہے۔ وہ صریح نہیں ہیں اور حضرت ابو حمید کی حدیث میں صراحت موجود ہے، لہذا غیر صریح احادیث کو صریح کی روشنی میں حل کیا جائے گا۔

چند آثار صحابہ

(۱) ”حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز کی

سنت یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بچھائے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۸) [بارہ مسائل، ص: ۶۱]

جواب: (الف) اسی سند سے موطا میں امام مالک نے ان سے تورک نقل فرمایا ہے۔

(ب) ملتانی صاحب کی پیش کردہ روایت کا تعلق تشہد اول سے ہے۔

(۲) ”حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ

آپ نماز میں اپنی دونوں سرینوں کو اپنی ایڑیوں پر رکھ لیں۔“

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۹] بارہ مسائل، ص: ۶۱

جواب: اس حدیث کا مسئلہ ماہ النزاع سے کوئی تعلق نہیں، آپ کے موافق نہیں ہمارے

مخالف نہیں، یہ ایک الگ ہی طریقہ ہے، اس کی سند بھی درست نہیں، ابن ابی سلیم

اس کا راوی محدثین کے نزدیک متروک راوی ہے۔

(۳) ”حضرت کعب فرماتے ہیں: التحیات میں اپنے بائیں پاؤں

کو بچھا کہ اس سے تیری نماز درست اور کمر سیدھی رہے گی۔“

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۶/۱] بارہ مسائل، ص: ۶۲

جواب: یہ اثر تشہد اول پر محمول ہے، مسئلہ ماہ النزاع میں صریح نہیں۔

ملتانی صاحب کا فرمان

”سنت طریقہ افتراش ہی کا ہے، تورک والا طریقہ حالت عذر پر

محمول ہے۔ ممکن ہے حالت عذر میں آپ نے ایسا کیا ہو۔“

[خلاصہ بارہ مسائل، ص: ۶۲]

جواب: عذر کا عذر عذر بارد ہے، اور صحیح احادیث سے پیچھا چھڑانے کی سعی مذموم ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ عذر میں حکم بدل جاتا ہے، لیکن عذر کا امکان اور عذر کا

ثبوت دو الگ الگ چیزیں ہیں، امکان سے ثبوت ثابت نہیں ہوتا، جس طرح

سے آپ کو عذر کا امکان نظر آتا ہے دوسرے کو عدم عذر کا امکان نظر آتا ہے،

امکان سے تو مسئلہ حل ہوگا نہیں اس کے لیے تو ثبوت چاہئے۔ حضرت عبداللہ والی روایت بھی مسئلہ کو حل نہیں کرتی کیونکہ وہ بھی تشہد اولیٰ پر محمول ہے۔ صرف حضرت ابو حمید ساعدی کی حدیث اس مسئلہ کو حل کرتی ہے جس میں تشہد اول و تشہد اخیر کی تفصیل ہے، وہی اختلاف کو ختم کرنے والی اور احتمال کے لیے جگہ نہ چھوڑنے والی ہے، لہذا اسی کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔ اور ہم نقل کر چکے ہیں کہ اس میں تصریح موجود ہے۔

ملتانى صاحب کا آخرى چيلنج

نوٹ: ہم غیر مقلدین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہر سہ اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے صرف اور صرف ایک صحیح صریح مرفوع متصل حدیث ان متعارض احادیث اور اس مسئلہ کے بارے میں صراحتاً نبی پاک ﷺ کا فیصلہ دکھائیں اور ایک لاکھ روپیہ کا انعام پائیں۔ ورنہ حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی سب مقلدین کو مشرک اور دوزخی کہنے کی بدزبانی سے باز آجائیں۔ (بارہ مسائل، ص: ۶۲)

جواب: صحیح صریح مرفوع متصل حدیث:

”عن محمد بن عمرو بن عطاء: انه كان جالسا مع نفر من اصحاب النبي ﷺ فذكرنا صلاة النبي ﷺ فقال ابو حميد الساعدي: انا كنت احفظكم لصلاة رسول الله ﷺ، رأيته اذا كبر جعل يديه فاذا جلس فى الركعتين جلس على رجله اليسرى و نصب اليمنى، و اذا جلس فى الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى و نصب الاخرى و قعد على مقعدته۔“ دیکھئے بخاری باب سۃ الجلس فی التشہد، کتاب الاذان، بخاری مع فتح الباری (۳۸۷/۲) مطبوعہ دیوبند۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ پہلے تشہد میں افتراش کیا اور دوسرے میں تورک۔
ابن حبان کی روایت کے الفاظ ہیں:

”التي تكون خاتمة الصلاة اخرج رجله اليسرى وقعد متوركا
على شقه الايسر“

یعنی آخری تشہد میں بائیں پیر کو نکال کر سرین پر بیٹھے۔
ابوداؤد کی روایت کے الفاظ ہیں:

”حتى اذا كانت السجدة التي فيها التسليم اخر رجله اليسرى
وقعد متوركا على شقه الايسر، قالوا: صدقت هكذا كان يصلي
ﷺ“

ابوداؤد کی اس روایت میں بھی تشریح ہے کہ پہلے تشہد میں افتراش اور اخیر میں
تورک کرنا چاہئے۔

یہ تو تھا ملتانی صاحب کے پہلے چیخ کا جواب۔ یہ حدیث باتفاق محدثین صحیح
صریح مرفوع ہے۔ اور اس حدیث سے تمام احادیث کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور
تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے۔ رہی بات فیصلہ نبوی کی تو یہ دربار رسول کا فیصلہ قول و فعل
رسول دونوں ہی ہمارے لیے اسوہ ہیں جس کے اپنانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، قرآن کہتا
ہے ”لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة“ اور فرماتا ہے:

”وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا“ اور آپ فرماتے ہیں، ”صلوا
كما رايتموني اصلي“۔

حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی سب مقلدین کو مشرک اور دوزخی کہنے کا الزام
ناظرین کرام! جس طرح بعض دشمنان اسلام آج قرآن اور مسلمانوں کو بدنام
کرنے کے لیے جھوٹا پروپیگنڈا کر رہے ہیں ایسے ہی ملتانی جیسے حاسدین الحمدیث پر بے

بنیاد الزام تراشیاں کرتے رہتے ہیں۔ اہلحدیث نے پہلے بھی اس بات سے اپنی براءت کا اظہار کیا ہے کہ وہ مقلدین ائمہ کو مشرک و دوزخی کہتے ہیں اور آج بھی اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اگر ملتان اور ان کے ہم نوا اپنے اس پروپیگنڈے میں سچے ہیں تو کہیں ”آمین“۔

تعب ہے جو مقلدین ایک دوسرے کے پیچھے نماز درست نا جاننے ہوں خانہ کعبہ کو چار حصوں میں بانٹے بغیر راضی نہ ہوں، جن کے علماء شافعی لڑکی سے نکاح کی اجازت صرف اس صورت میں دیتے ہوں کہ اس کو اہل کتاب یعنی یہودی، یا نصرانی مان لیا جائے۔ جو ائمہ کرام کی تنقیص میں حدیثیں گھڑتے ہوں۔ ائمہ کرام کو شیطان بتاتے ہوں، اپنے علاوہ دوسرے سے جزیہ لینے کی باتیں کرتے ہوں، فروعی مسائل میں مناظرے بازی کی ضرورت کے تحت رمضان کے فرض روزے چھوڑ دیتے ہوں تاکہ مناظرہ کے وقت قوت باقی رہے۔ وہ اہلحدیث پر بہتان باندھیں، شرم کی بات ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی پر بھی ایسے ہی جھوٹے الزام لگائے گئے کہ وہ اپنے مخالفین کو کافر مشرک کہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے، حالانکہ ان الزامات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان مقلدوں کو شرم نہیں آتی جو اہلحدیث پر ہر وقت الزام تراشی کرتے رہتے ہیں کہ یہ غیر مقلد ہیں مقلدوں کو یوں کہتے ہیں یوں کہتے ہیں، حالانکہ ان کے بڑے بھائی مقلد ہوتے ہوئے ان کو نہ صرف کافر کہتے ہیں بلکہ مرتد کہتے ہیں دیوبندیوں کی مسجدوں کو مسجد نہیں مانتے گھر بتاتے ہیں، ان کی اذان کو اذان اور ان کی نماز کو نماز ماننے کو تیار نہیں، اکابر دیوبند کے کفر و عذاب میں شک کرنے والے کی بھی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ ساری باتیں تجانب اہل السنۃ، حسام الحرمین، فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ مصطفویہ اور فتاویٰ امجدیہ میں ہزار بار لکھی ہوئی ہیں۔ کبھی شکوہ کیا کہ مقلدین ایسا لکھتے ہیں ویسا لکھتے ہیں۔ اپنی کھال بچانے کے لیے ائمہ اربعہ کا نفرنس کرتے ہیں،

تقلید ایک امام کی اور اہلحدیث کے خلاف محاذ آرائی کے لیے دھائی چار امام کی۔ کیا یہ انصاف کی بات ہے۔

اہلحدیث کو مطعون کرنے کے لیے اپنے طور پر ان کے اصول تراش لیے اور پھر لگے ڈینگیں مارنے اس کا ثبوت دو، اس کا ثبوت دو، اس کو ثابت کرو اس کو ثابت کرو اس کو قوی حدیث سے اس کو فعلی حدیث سے صحیح صریح مرفوع متصل حدیث ہونی چاہئے۔ یہ ہونا چاہئے، وہ ہونا چاہئے اور خود کا یہ عالم ہے کہ ضعیف موضوع منکر منقطع معضل اور مرسل روایات اور بے سند آثار کے سوا کچھ نقل نہیں کرتے۔ نہ صحیح نہ صریح نہ مرفوع نہ متصل، صرف فضائل امام سے دلائل کی کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور برابر الزام تراشیاں کرتے رہتے ہیں۔

اگر ہمارے بھائیوں کو بعض اہلحدیث حضرات سے شکایت ہے تو ان کو اپنے اور اپنے ہم مسلک علماء کے عمل و کردار کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے تاکہ یہ سلسلہ سب و شتم دونوں طرف سے بند ہو، ورنہ ہم حق بجانب ہونگے کہ کہیں۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یا بقول غالب :

وہ اپنی خونہ بدلیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر ہو کے کیوں پچھیں کہ ہم سے سرگرم کیوں ہو؟

۳ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

16-09-2007 م

غیر مقلدین کی صحبت کا انجام

یہ عنوان مولوی منیر احمد ملتانی کی کتاب ”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کے آخری صفحہ پر لگا ہوا ہے، کیونکہ ملتانی صاحب نے اس سے قبل کے صفحہ پر کتاب ختم کر کے اپنا نام اور تاریخ لکھی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب ختم ہو گئی پھر یہ عنوان کس کا لگایا ہوا ہے؟ کیا ناشرین نے یہ اضافہ کیا ہے یا خود ملتانی صاحب ہی کی یہ آخری ہچکی ہے؟ بہر حال، اہلحدیث سے ان کی نفرت و عداوت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن اب اگر ہمارے آئینہ دکھانے سے ان کو اعتراض ہو تو ہمیں شکایت ضرور ہوگی اور ہم اس کے لیے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ۔

اے باد صبا میں ہمہ آوردہ تست

نقل کیا گیا ہے کہ مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی سفر حج میں دوبارہ غیر مقلدوں کے ساتھ نماز ادا کر لیتے ہیں جس کے سبب دل پر سخت اثر ہوتا ہے قساوت قلبی اور قلبی غفلت سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ آخر جذب القلوب کا مطالعہ کرتے ہیں تو قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے، پھر وہ غیر مقلدوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ ”

بارہ مسائل، ص: ۶۳

اور اس کے بعد غیر مقلدوں کی صحبت سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

ہماری گزارش

مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی نا تو اللہ ہیں اور نا رسول نہ صحابی ہی ہیں اور نہ تابعی، امامان دین و مجتہدین کی صف میں بھی ان کو کوئی درجہ و مقام حاصل نہیں پتہ نہیں، ہمارے ان دیوبندی بھائیوں کو مذکورہ بالا تمام طبقوں کو چھوڑ کر لے دیکے حبیب

الرحمن خاں شیروانی ہی ملے، میں پوچھتا ہوں دین میں ان کی حقیقت و درجہ کیا ہے؟ بات بات پر حدیث صحیح مرفوع و متصل کا مطالبہ کرنے والوں کو یہ کیا سوچھی؟ چودھویں صدی کے مولویوں کو دلیل و حجت بنا لیا۔ فیا للجب۔

مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب کی زندگی کا اکثر حصہ سرسید احمد علی گڑھی اور مولانا آزاد جیسے غیر مقلدوں کی یاری میں گزرا، ہم نوالہ و ہم پیالہ رہے، تب ان کو نہ انقباض ہوا اور نہ قساوت قلبی کا دھیان آیا، آخر وقت میں عام دیوبندیوں کی طرح ہندی تصوف کی زلف گرہ گیر کے شیدائی ہوئے تو انقباض و قساوت قلبی ہونے لگی، وہ بھی نماز جیسی عبادت سے، لگتا ہے اہلحدیث حضرات نے ان کو نہ امام بنایا اور نہ ان کی پذیرائی کی، جس سے نماز میں آمین و رفع یدین اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کا خیال ساری نماز میں رہا، جس سے نماز کیا ہونا تھی، اہلحدیث کے ان اعمال سے نکلتے تو نماز میں کچھ لطف آتا، ان سنتوں سے ہندوستانی خفیوں کو خصوصاً جو حدیث و علوم حدیث سے نابلد ہوں جو انقباض ہوتا ہے وہ بارہا کا تجربہ ہے، ان سنتوں سے وحشت ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور اسی کو انہوں نے انقباض سے تعبیر کر دیا، اور ایسا ہونا مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی سے بعید نہیں تھا، لیکن اس انقباض کے لیے جو نسخہ انہوں نے تجویز فرمایا وہ ان کی افتاد طبع کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔..... دل قساوت قلبی کی طرف مائل ہو گیا قرآن و سنت میں ان کو اس کی کوئی دوا نظر نہ آئی، نہ ذکر و فکر تسبیحات و تہلیلات سے ان کو سکون ملنے کی امید رہی نہ تلاوت قرآن نے ”الا بذكر الله تطمئن القلوب“ جیسے فرامین سے ان کی رہنمائی کی، نہ کوئی شرعی و طیفی، نہ کتاب دعا ان کو اس کیفیت سے نکال سکی۔ گویا، ۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہا ملی

نخاعہ تصوف کی وادیوں میں ”جذب القلوب“ کی تلاوت میں۔ یا بقول بعض چنیا بیگم کے آغوش میں۔

جن لوگوں کا کل سرمایہ جذب القلوب جیسی کتابیں ہوں ان کو اہلحدیث کی صحبت سے نہ صرف انقباض ہوگا عجب نہیں موت ہی ہو جائے۔

بہر حال یہ ان کی اپنی پسند ہے، ہمیں اس میں کیا شکایت ہو سکتی ہے؟ اگر کسی کو کتاب و سنت کی وادیوں میں چین نہیں ملتا اور ہندی تصوف کی وادیوں میں چین ملتا ہے۔ تو ملا کرے، ے۔

پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کی فقہ کی علماء متقدمین بلکہ خود حضرت امام ابو حنیفہ کی نظر میں کیا حیثیت تھی اس کا ایک نظارہ دیکھ لیں، اہلحدیث کے متعلق اگر مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی کا تبصرہ لائق التفات ہے تو امام صاحب کے ہم عصر علماء اور خود امام صاحب کا تبصرہ یقیناً قابل اعتنا ہوگا۔

امام حفص بن غیاث مشہور فقیہ اور محدث ہیں اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں:

”كنت اجلس الى ابى حنيفة فاسمعه يسأل عن مسئلة فى اليوم

الواحد فيفتى فيها بخمسة أقاويل فلما رايت ذلك تركته و

أقبلت على الحديث۔“ (تاریخ بغداد، ص: ۴۰۲/۱۳)

امام ابو حنیفہ کی مجلس میں میرا اکثر آنا جانا تھا، میں نے بارہا سنا کہ امام صاحب ایک ہی مسئلہ میں ایک دن میں پانچ مختلف و متضاد فتوے دیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے ان کی صحبت ترک کر دی اور حدیث کی جانب متوجہ ہو گیا۔

یہ ایک مشہور فقیہ و محدث کا بیان ہے ان کا شمار امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں کیا جاتا ہے، ان کے اس تبصرہ کو ہم بلا تبصرہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ے۔

تاندہ رنجیدہ شوی ورنہ سخن بسیار است

امام صاحب کے ایک دوسرے شاگرد کا بیان ملاحظہ ہو۔ امام مزاحم بن زفر کہتے ہیں:

”قلت لابی حنیفة: هذا الذی تفتی و الذی وضعت فی کتبتک
هو الحق الذی لا شک فیہ، قال: فقال: واللہ ما ادری لعلہ الباطل
الذی لا شک فیہ۔“ تاریخ بغداد (۴۰۲/۱۳)

یعنی میں نے ایک بار امام صاحب سے پوچھا: یہ آپ کے فتوے اور
یہ اقوال جو آپ نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں کیا یہ سب بلاشبہ حق
ہیں؟ مزاحم کہتے ہیں: کہنے لگے: واللہ مجھے اس کا علم نہیں، ہو سکتا
ہے یہ باطل ہوں جس کے باطل ہونے میں شک نہ ہو۔

یہ خود امام صاحب کا فرمان عالی شان ہے جس فقہ پر آج ساری دنیا کو چلانے کی
فکر میں افترا و بہتان بازی سے بھی ان بھائیوں کو احتراز نہیں، خود امام صاحب کو ان
مسائل پر کتنا یقین ہے وہ اس روایت سے ظاہر ہے۔

ہم کوئی اور تبصرہ نہیں کریں گے، ناظرین پر اس کو چھوڑتے ہیں، مولوی حبیب
الرحمن خاں شیروانی کو اگر تغلیط الہدایت کے لیے پیش نہ کیا گیا ہوتا تو ہمیں بھی ان
گزارشات کی ضرورت نہ ہوتی۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے

نہ کھلتے رازِ سر بستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

رضاء اللہ عبدالکریم بدایونی

۳ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

۱۶/۰۹/۲۰۰۶ء

رابطہ عالم اسلامی کی ایک قرارداد اور

مقلدین دیوبند کی دیدہ دلیری

اس کتاب کا جواب مدت ہوئی لکھ کر کمپیوٹر آپریٹر کے حوالے کیا جا چکا ہے آج اس کتاب ”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا ایک نیا نسخہ، مطبوعہ لجنۃ العلماء کرناٹک، دستیاب ہوا۔ اس کے آخر میں رابطہ عالم اسلامی کی ایک قرارداد کا متن اور اس کا ترجمہ دیا ہوا ہے اور اس قرارداد سے یہ پیرا گراف نمایا کر کے چھاپا گیا ہے:

”بعض گمراہ کن لوگ نئی نسل کے ذہن میں یہ ڈالتے ہیں کہ

جب شریعت ایک ہے اور اس کے اصول قرآن کریم و سنت

نبوی ایک ہیں تو یہ فقہی مذاہب کہاں سے آگئے؟

وہ فرقہ جو مذاہب فقہیہ کو چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے اور چاہتا

ہے کہ ہر شخص اپنی حسب منشاء اجتہاد کرے..... ایسے لوگ اپنے

اس شرارتی انداز سے باز آجائیں جو انہوں نے اپنایا ہے اور

جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور ان کی صفوں میں

دراڑ پیدا کرتے ہیں اور ان میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔“

جو علماء رابطہ عالم اسلامی کے مقاصد اور اس کی خدمات سے واقف ہیں اور جو

عربی زبان سے واقف ہیں وہ تو اس قرارداد کے عربی متن سے اچھی طرح قرارداد کا

مقصد سمجھ لیں گے اور جو پیرا گراف لجنۃ العلماء کے جعل سازوں نے نمایاں کیا ہے اس پر
 لاحول پڑھیں گے۔ ناواقف اور غیر عربی داں حضرات ان کے جعل کا شکار ہو سکتے ہیں۔
 اس لیے ضروری ہے کہ اس کی مختصر ہی سہی قلعی کھول دی جائے
 قرارداد کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

وقد نظر فی موضوع الخلاف الفقہی بین المذاهب المتبعة و فی
 تعصب المقلود من بعض اتباع المذاهب لمذهبهم تعصبا یخرج عن حدود
 الاعتدال و یصل باصحابہ الی الطعن فی المذاهب الاخری و علمائہا
 رابطہ عالم اسلامی کی مجلس ”فقہ اکیڈمی“ کے مشترکین کے درمیان جو مسئلہ زیر غور
 اور پریشانی کا باعث ہے وہ ہے ”مذاهب اربعہ کے ماننے والوں کے درمیان بعض فقہی
 مسائل میں اختلاف۔ دوسرے ان مقلدین مذہب اربعہ کے درمیان موجود نا پسندیدہ
 تعصب شدید جو اکثر ان کو حد اعتدال سے باہر لے جاتا ہے اور نتیجتاً دوسرے مذہب کے
 علماء و ائمہ پر طعن و تشنیع پر ابھارتا ہے۔

پوری قرارداد میں نہ کہیں اہلحدیث مذہب کا ذکر ہے اور نہ اس کے منہج اور
 طریقہ سے اس قرار داد کو کچھ لینا دینا ہے۔ یہ ساری قرار داد مقلدین کی غلط روش اور
 تعصب بیجا پر تکبر کے لیے لکھی اور پاس کی گئی ہے۔ اس کے باوجود اپنا جرم جماعت
 اہلحدیث کے سر لگانے کے لیے ان نام نہاد مجلس علماء کرنا ٹک کے معصوموں نے اس
 قرارداد سے نصیحت لینے کے بجائے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانا شروع کر دیا۔ اور پوری
 قرار داد کا من مانا ترجمہ کر کے عام مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا۔ حد تو یہ ہے کہ قرار داد کا
 عنوان ”موضوع الخلاف الفقہی بین المذاهب و التعصب المذہبی من بعض اتباعہا“ کا
 ترجمہ ہی غلط کر دیا۔

اس کا جو ترجمہ سیدھا سادا ہونا چاہیے وہ یوں ہو سکتا تھا:

”مذہب اربعہ کے درمیان فقہی اختلاف اور بعض مقلدین کے مذہبی تعصب کے بارے میں۔“ جس کو ان چالاک لوگوں نے فقہی اختلاف اور بعض متبعین کی طرف سے مذہبی تعصب کے بارے میں کر دیا

جب کہ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ ”الخلافا المذہبی بین المذہب“ اور ”الخلافا الفقہی“ میں بڑا فرق ہے۔ ایسے ہی ”بعض اتباعہا“ کا ترجمہ بعض مقلدین مذاہب کرنے کے بجائے بعض متبعین کرنا بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ متبعین مذاہب سے مراد مقلدین مذاہب ہی ہیں لیکن یہ صاف صریح لفظ اگر لکھا گیا تو وہ جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ تاثر پیدا نہ ہوگا بلکہ اس کے برخلاف تاثر جائے گا۔

اور اگر ان حضرات کو قرار داد کے ان الفاظ سے شبہ ہوا ہے

”كما استعرض المجلس ايضا امر العصبية المذهبية و المشكلات التي تنشأ عنها و لا سيما بين اتباع بعض الاتحاهاف الحديثة اليوم في عصرنا هذا حيث يدعوا اصحابها الى خط اجتهادى جديد و يطعنون فى المذاهب القائمة التي تلتقتها الامة بالقبول من اقدم العصور الاسلامية“

تو یہ ان حضرات کی اپنی غلطی اور سادہ لوحی ہے کیونکہ جماعت اہلحدیث نہ تو کسی نئی اجتہادی راہ کی داعی ہے اور ناہی وہ کوئی نیا فکری مذہب ہے کیونکہ وہ ان مذاہب اربعہ سے بھی قدیم ہے اور مسلک محدثین اور راہ قدیم کے پیرو ہیں مذاہب اربعہ سے اس کے اختلاف کی نوعیت صرف اتنی ہے کہ بعض مقلدین نے اپنے ائمہ کو معصوم عن الخطاء اور مفروض الطاعة و جوبامان رکھا ہے اور وہ نصوص صریحہ صحیحہ کو ائمہ کے اقوال کے ہوتے بڑی بے نیازی سے رد کر دیتے ہیں اور کسی بھی فروعی مسئلہ میں دوسری رائے کو گوارہ کرنے کے

لیے تیار نہیں چاہے اس کے پیچھے کتنی ہی واضح دلیلیں کیوں نہ ہوں۔ یہاں تک کہ بعض مقلدوں نے ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں جانا قابل تعذیر جرم مان رکھا ہے۔ اس بارے میں تعصب یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ بعض علماء حنفیہ نے شافعی لڑکی سے نکاح اس کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی لڑکی مان کر کرنا درست بتایا ہے لیکن کسی حنفی لڑکی کا نکاح شافعی لڑکے سے منع لکھا ہے۔ ظاہر ہے اس تعصب نے امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ فکر الہدایت اس کے خلاف ہے اور اس کو امت مسلمہ کے لیے نقصان دہ سمجھتی ہے۔ ائمہ اربعہ کی تصریحات اور ان کی مساعی جمیلہ سے استفادہ نہ اس کے نزدیک منع ہے اور ان ائمہ کو وہ طعن و لعن کرتی ہے۔ بلکہ ان کا احترام کرتی ہے اور ان کے اجتہادات سے مسائل جدیدہ میں استفادہ کرنا مستحسن سمجھتی ہے۔ لیکن نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے ان کی بات کو نہیں مانتی۔

رابطہ کی قرارداد جماعت الہدایت کے موقف کی تائید میں ہے۔ اس قرار داد میں دو طرح کا اختلاف دکھایا گیا ہے ایک اعتقادی جس میں اختلاف کو وہ قابل افسوس قرار دیتے ہیں اور امر اول عہد رسول اور صحابہ کے اعتقاد کی پیروی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ دوسرا اختلاف فقہی و فروعی ہے جس کے بارے میں ان کی رائے بہت واضح ہے ان کے نزدیک فقہی اختلاف کے پیچھے علمی اسباب اور بالغ حکمت الہی کا رفرما ہے۔ اور اس کا فائدہ امت کو اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب کسی وقت کوئی مسئلہ حل طلب ہو اور کسی خاص مذہب میں اس کا حل نہ ملے تو دوسرے مذہب میں اس کا حل مل جائے جس سے رفق، کشادگی، آسانی میسر ہو چاہے وہ مسئلہ عبادات سے متعلق ہو یا معاملات سے معاشرتی زندگی سے متعلق ہو یا حدود و تعزیرات سے۔

اسی کے ساتھ انہوں نے یہ لکھ کر

”فلا تنحصر فی تطبیق شرعی واحد حصراً لا مناص لها منه الا غیرہ“
 موجودہ مقلدین کے رویہ کی سخت تردید فرمادی کہ ہر حال میں ایک فقہی مذہب سے چپے
 رہنے کو واجب جاننا غلط ہے۔

اس لیے یہ ساری قرار داد متعصب مقلدیں کے خلاف علماء وقت کا فیصلہ ہے۔
 بحجۃ العلماء کرنا تک کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور اس قرار داد کا گہرائی سے جائزہ
 لینا چاہیے۔

یہ روش اختیار کرنا کہ قرار داد کا سہارا لے کر قرار داد کے مشمولات کی مخالفت
 کرنا بدترین منافقت ہے۔

جماعت اہلحدیث عقیدے میں سلف صالحین کے نقش قدم پر اور فردعی مسائل
 میں مجتہدین امت کے اجتہادات سے بلا قید و تعصب استفادے کے حق میں ہے اور یہی
 طریقہ نقل صحیح و عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔

مدعیان جدید یا عالم عرب میں مستشرقین کے شاگردوں کی فکری گمراہی جس کی
 طرف قرار داد میں اشارہ کیا گیا ہے اس سے جماعت اہلحدیث کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔
 نصوص کتاب و سنت و علماء سلف کے طریقہ کی پیروی جماعت کا سرمایہ افتخار ہے۔

بحجۃ العلماء کرنا تک نے جو پیرا گراف اجاگر کیا ہے اس میں نہ صرف فکری کجی
 اور اہلحدیث دشمنی کی کرشمہ کاری ہے بلکہ سرے سے ترجمہ ہی غلط کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرار
 داد کی عربی عبارت ہم نقل کر چکے ہیں کہ اس کا یہ ترجمہ کہ ”وہ فرقہ جو مذاہب فقیہہ کو
 چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہر شخص اپنی حسب منشا اجتہاد کرے“ یہ اس
 عبارت کا ترجمہ نہیں سراسر تحریف ہے بلکہ رابطہ کی مجلس کو لقمہ دینے کی کوشش ہے۔

”بعض الاتجاهات الحديثية اليوم في عصرنا هذا“ کا ترجمہ وہ فرقہ جو مذاہب فقیہہ کو

چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے سراسر دھاندلی اور کذب بیانی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔
 اور حیث ید عوا بہا الی خط اجتہادی جدید کا ترجمہ یہ کرنا کہ ہر شخص اپنی
 حسب منشا اجتہاد کرے تحریف ہی نہیں فراڈ اور کذب بیانی کی زندہ مثال ہے۔
 ان لوگوں کے ذہن میں جو افکار گردش کرتے رہتے ہیں اس کو سامنے رکھ کر من
 مانا ترجمہ کر دیا نہ یہ دیکھا کہ الفاظ کیا کہہ رہے ہیں اور نہ یہ دیکھا کہ کہنے والا کیا کہہ رہا
 ہے۔

اس کتاب ”بارہ مسائل“ کے مصنف کی طرح فریب کاری میں لجمۃ العلماء
 کرنا تک کے چلمن کے پیچھے بیٹھے فریب کاروں نے پوری قرار داد کو ہی بدل دیا اور اس کی
 من مانی تشریح کر دی۔

رابطہ کے سامنے پورا عالم اسلام تھا اسی لیے اس نے قرار داد میں عالم اسلام اور
 اس میں پنپنے والی تحریکات کو سامنے رکھ کر قرار داد کو پاس کیا اور ان دیوبندی سوراؤں
 کے پیش نظر صرف جماعت اہلحدیث تھی اس لیے ان لوگوں نے ترجمہ میں اس کو جماعت
 کی طرف بلا جواز موڑ دیا اور یہ تعصب کی بدترین مثال ہے۔

ناہینا کو ہینا لکھ گئے ہینا کو ناہینا
 ایسے اندھے بنے مقلد مشکل ہو گیا جینا



مؤلف کتاب ایک نظر میں

- نام : رضا اللہ عبدالکریم مدنی
- پیدائش : سید پور ضلع بدایوں، یوپی ۱۵/۱۱/۱۹۵۷ء (۱۹۵۷ء)
- تعلیم ابتدائی : مدرسہ دارالحدیث محمدیہ، جلال پور گوڑ گانوں، ہریانہ (۱۹۶۹ء)
- درجات مولوی : مدرسہ سبل السلام، پھانک جیش خاں، دہلی-۶، (۱۹۷۳-۷۰ء)
- عالمیت : جامعہ سلفیہ بنارس (مرکزی دارالعلوم) (۱۹۷۸-۷۳ء)
- عالم : الہ آباد بورڈ (۱۹۷۸ء)
- فضیلت : جامعہ سلفیہ، بنارس ۱۹۸۰ء مطابق ۱۳۹۹ھ (۱۹۸۰ء)
- اللیسانس : کلیۃ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (مدینہ یونیورسٹی سعودیہ) (۱۹۸۴ء)
- دبلوم فی الدعوة: من المركز الدائم لاعداد الاثمة والدعاة للرباطہ بمكة المكرمة ۱۹۸۵ء مطابق ۱۴۰۵ھ
- ادیب ماہر : جامعہ اردو علی گڑھ (۱۹۹۴ء)
- ادیب کامل : جامعہ اردو علی گڑھ (۱۹۹۵ء)
- معلم (اردو) : جامعہ اردو علی گڑھ (۱۹۹۶ء)
- تدریس : ۱۔ دارالعلوم یوسفیہ تلسی باغ ناگ پور، (۱۹۸۱-۸۰ء)
- ۲۔ المعبد الاسلامی السلفی رچھا، بریلی (۱۴ سال) (۲۰۰۰-۸۵ء)
- ۳۔ جامعہ سید نذیر حسین محدث دہلوی پھانک جیش خاں دہلی ۶ (جاری)
- صحافت : مدیر ترجمان السنۃ، ریشا بریلی، یوپی (۴ سال)
- مدیر ماہنامہ دعوت سلفیہ، علی گڑھ (۲ سال)
- پندرہ روزہ جریدہ ترجمان مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند (۷ سال)
- تالیف وتصنیف : ۱۔ فتوں کی سرزمین نجد یا عراق (مطبوع)

- ۲۔ غیبت ایک نظر میں (غیر مطبوع)
- ۳۔ فضائل عشرہ مبشرہ بالحبیہ (عربی، غیر مطبوع)
- ۴۔ تہلیل شخصی کے کچھ نئے دلائل اور ان کا جائزہ (مطبوع)
- ۵۔ معاندین اہل بدعت کے الزامات کی حقیقت: تحقیق و تسہیل (مطبوع)
- ۶۔ مقبول دعائیں (مطبوع)
- ۷۔ جماعت الہدیت پر احباب دیوبند کی تازہ کرم فرمائیاں (مطبوع)
- ۸۔ جاء الحق (مطبوع)
- ۹۔ ضرب حق (مطبوع)
- ۱۰۔ مفید الاحناف (تسہیل و تقدیم) (مطبوع)
- ۱۱۔ فاتحہ مرجعہ شریعت کی کسوٹی پر (غیر مطبوع)
- ۱۲۔ بیس رکعت تراویح کے کچھ نئے دلائل اور ان کا جائزہ (غیر مطبوع)
- ۱۳۔ طلاق ثلاثہ پر عبدالحجید نعمانی و مفتی عبدالقدوس رومی کے دلائل کا جائزہ (مطبوع)
- ۱۴۔ فتنوں کی سرزمین، عراق (مطبوع)
- ۱۵۔ فتنوں کی سرزمین عراق ماضی و حال کے آئینہ میں (مطبوع)
- ۱۶۔ کیا مکہ مکرمہ کی رویت سارے عالم کے لیے شرعی رویت ہے (مطبوع)
- ۱۷۔ جماعت الہدیت کیا ہے کیا نہیں ہے مع الزامات کا جائزہ (مطبوع)
- ۱۸۔ مسئلہ مصاہرت عقل و نقل کی کسوٹی پر (مطبوع)
- ۱۹۔ عید میلاد النبی ایک حقیقت پسندانہ جائزہ (غیر مطبوع)
- ۲۰۔ قبروں پر پھول چڑھانے کا مسئلہ (غیر مطبوع)
- ۲۱۔ حج و عمرہ کا آسان طریقہ (مطبوع)
- ۲۲۔ فضائل اعمال (ترجمہ: از عربی) (مطبوع)
- ۲۳۔ دعاء مومن کا ہتھیار (ترجمہ: از عربی) (مطبوع)
- ۲۴۔ گناہ کبیرہ (ترجمہ: از عربی) (مطبوع)
- ۲۵۔ تقویۃ الایمان (تعلیق و تخریج) (مطبوع)

فہرست

50	سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا		مقدمہ
52	قیاس اور شیطان	3	حرف دعا
56	فائدہ یا فساد قلب و نظر		تاثرات:
57	فساد مزید	4	۱۔ جناب ڈاکٹر محمد یونس ارشد صاحب
58	مولوی ملتانی کی بے ضابطگیاں	14	حضرت مولانا محمد اشفاق سلفی صاحب
58	پہلی بے ضابطگی	15	اپنی بات
59	دوسری بے ضابطگی	22	مقدمہ
59	تیسری بے ضابطگی	26	بارہ مسائل میں لاکھ انعام کے مقدمہ پر ایک نظر
60	چوتھی بے ضابطگی		مولوی منیر احمد ملتانی کی اصول پسندی
61	پانچویں بے ضابطگی	26	حقیقت کے آئینہ میں
62	مولوی ملتانی کی ایک اور جہالت	31	الہجدیث کے اصول
65	کیا ”من“ عام نہیں ہے؟	33	الہجدیث اولہ اربعہ کو مانتے ہیں
67	مقلدوں کے اصول		ملتانی صاحب کا پروپیگنڈا جہالت یا
68	دیوبندی مقلدوں کا سفید جھوٹ	36	شرارت پر مبنی ہے
69	مقلدین کے اصول		طریق محمدی کا متعلقہ پیرا گراف
72	بات صاف ہوگئی	42	اظہر المسبین کی عبارت اور ملتانی کی شرارت
73	مسائل قیاسیہ حنفیہ	44	تقلید کی چار قسمیں ہیں
74	پہلا مسئلہ.....		حضرت مولانا محمد صاحب جو ناگڑھی کی ایک
74	حدیث کو رد کرنے کے چند ملتانی اصول	47	دوسری عبارت اور ملتانی صاحب کی خیانت
76	ایک سوال کی کئی شکلیں	47	مولوی ملتانی کی شرارت
	کیا رفع الیدین کی حدیث غیر معمول بہ اور	48	سراج محمدی کی پوری عبارت
77	ضعیف ہے؟	49	مولوی ملتانی صاحب کا ایک اور جھوٹ

- 110 ملتان کی محدثین و مجتہدین کی شان میں گستاخی
- 111 ایک اور بات
- 113 تحفیف حدیث و محدثین
- فقہاء احناف کی کتابوں کا حال خود
- 114 علماء احناف سے
- 117 ایک لطیفہ
- 118 کیا مشہور ائمہ حدیث مقلد تھے؟
- 119 ایک لطیفہ
- 122 احناف کے نزدیک صحیح حدیث کونسی ہے؟
- مجتہدین کے فیصلہ کو ترجیح کی چوتھی وجہ اور
- 125 اس کا جواب
- پانچویں وجہ امام کے وقت تک احادیث سب صحیح تھیں ضعف بعد میں طاری ہوا
- 127 مولوی ملتان کا نادر شاہی فرمان
- 129 فائدہ یا فساد زدہ
- 131 غیر مقلدین سے گفتگو کے آداب
- 132 الحمد للہ پر امام ابو حنیفہ کی شان میں
- گستاخی کا الزام
- 136 کیا محدثین کے اقوال ماننا ان کی تقلید اور شرک ہے؟
- 139 مولوی ملتان اینڈ پارٹی یاد رکھے
- 141 مولوی ملتان علم مناظرہ سے ناواقف ہیں
- 142 مولوی ملتان کی بعض مغالطہ آمیز مثالیں اور
- 145 ان کا جائزہ

- 78 مناظر اور اجماع کی حقیقت
- ایک فرضی داستان مناظرہ جس پر دیوبندیوں کو ناز ہے
- 80 کیا امام مالک رحمہ اللہ نے روایات رفع الیدین کو ضعیف کہا ہے
- 80 رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں علماء و سنداً
- 81 احادیث کو رد کرنے کے چند اور حیلے
- 83 علامہ شبلی کا اعتراف امام صاحب مجتہد تھے، پیغمبر نہ تھے
- 87 مقلدین کا اجماعی عقیدہ۔ مذہبنا صواب و تحمل الخطاء و مذہب غیر ناخطاء تحمل الصواب
- 90 فقہ حنفی اقوال متعارضہ کا معجون مرکب ہے
- 91 مشہور کتب فقہ کا زمانہ تالیف
- 93 فقہ حنفی کی معتبر کتب میں موضوعات کی بھرمار
- 94 فقہ حنفی ائمہ متبوعین کی نظر میں
- 95 راز کی بات برملا کہہ دی
- 97 ایک خاص بات
- 99 حدیث کے ساتھ احناف کا طرز عمل
- 99 احناف کے نزدیک صرف وہ حدیثیں صحیح ہیں جو کتب احناف میں ہیں اور احناف کی معمول بہا ہیں، باقی سب ضعیف ہیں
- 104 مولوی ملتان سے دس سوال
- 105 مولوی ملتان کی تضاد بیانی
- 108 ہماری گزارشات
- 109

186	ایک مغالطہ کا ازالہ
187	حماد بن زید اور ابن مبارک کا مصافحہ
187	بخاری سے دو ہاتھ کا مصافحہ
189	دیوبندی یا شیعہ
190	کیا قول صحابی حجت ہے
	کیا امام بخاری کے نزدیک اقوال
191	تابعین حجت ہیں؟
192	مولوی ملتانی کے دھوکے
193	اس دھوکہ کا ازالہ
196	دھوکہ نمبر ۲
196	دھوکہ نمبر ۳
198	بائے تقلید تیرے چاہنے والے اندھے
198	ملتانی کی دوسری جہالت
199	تیسری جہالت
200	چوتھی جہالت
201	شرم تم کو مگر نہیں آتی
201	پانچویں جہالت
202	چھٹی جہالت
204	مولوی ملتانی کے تین سوال
	حماد بن زید عبد اللہ بن مبارک دو ہاتھ کا
205	مصافحہ کر کے کیا بدعتی ہوئے اس کا جواب
	کیا امام بخاری امتی کے فعلی اثر کی تقلید کر کے
206	مشرک ہوئے؟
208	ننگے سر نماز کا مسئلہ

149	مثال نمبر 2 کا مغالطہ
151	سنت کی تعریف کریں
154	رضاعت کبیر کا مسئلہ
154	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ
155	وضو کے بعد بوسہ لینے کا مسئلہ
156	بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا
159	کلمہ طیبہ کا ثبوت
165	مغالطہ
167	حدیث ضعیف کیوں ہو جاتی ہے
	کیا محدثین کی بات صحت و حسن وضعف کے
168	باب میں ماننا ان کی تقلید ہے؟
169	سجدہ کی رفع الیدین
171	دو ہاتھ سے مصافحہ
	دیوبندی مولوی کی جناب رسالت مآب ﷺ
172	وصحابہ کرامؓ میں گستاخی
	علماء دیوبند کے نزدیک انگریزی دور دور عافیت اور
173	برٹش گورنمنٹ رحمہ دل گورنمنٹ تھی
174	علماء دیوبند برطانیہ کے خیر خواہ رہے
176	مولوی ملتانی کا مطالبہ اور اس کا جواب
	دو ہاتھ کا مصافحہ ثابت کرنے کے لیے
180	مولوی ملتانی کے شبہات اور اس کا جواب
	عبد اللہ بن مسعود کی حدیث س استدلال اور
182	اس کا جواب
185	مولوی ملتانی اور امام بخاری کی ڈھائی

239	مولوی ملتانی کی حق پوشی	210	نگئے سر نماز اور فقہ دیوبند
239	امام ابوحنیفہ کی تطبیق کی حقیقت	212	غیر مقلد علماء کی تحقیق
240	ایک اور بات	214	ایک اور بات
241	حضرت واکل بن حجر کی روایت اور مولوی ملتانی	215	کیا نگئے سر نماز پڑھنا قرآن سے منع ہے؟
242	مولوی ملتانی کا مطالبہ بیجا ہے اور جہالت پر مبنی	217	نگئے کا سہارا اور مولوی ملتانی
	کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی صحیح صریح مرفوع	219	نگئے سر نماز پڑھنے کا ثبوت متعدد احادیث سے
244	روایات	224	حضرت عمر بن الخطاب کا فیصلہ
245	کون دھوکے باز ہے؟	225	فقہ احناف اور نگئے سر نماز
246	نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں	226	احناف کے یہاں عورت کی نماز نگئے سر جائز ہے
	اللہ کے سامنے ناف کے نیچے ہاتھ پکڑ کر کھڑا		خشوع و خضوع کے لیے نگئے سر نماز پڑھنا احناف
246	ہونا بے ادبی ہے		کے نزدیک بھی افضل ہے
247	عمل کس پر ہے		کھلے کندھے نماز درست جب کہ نبی صلی اللہ
247	ایک عبرت انگیز واقعہ		علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے
248	حضرت مولانا ابوالکلام آزاد	228	نماز میں ٹانگیں چوڑی کرنا
249	آپ کس مذہب پر ہیں	229	اصل سوال کیا ہے؟
250	ملتانی صاحب کی روش	230	ایسا کیوں؟
251	ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث یوں ہے	230	مولوی ملتانی کا مطالبہ
252	حضرت علی کی روایت تحت السرة	232	پیر ملانے کی چند احادیث
253	حجاج بن حسان کی حدیث	234	صحابی رسول نے صفوں کی درستی میں کوتاہی پر تنبیہ کی
254	ابراہیم نخعی کا اثر	235	کیا ٹخنہ سے مراد قدم ہے
254	ابو ہریرہ کی حدیث	236	غیر مقلدین اپنی نماز درست کریں
254	حضرت انس کی حدیث	237	غیر مقلد علماء کے فتاویٰ
255	حضرت علی کی دوسری حدیث		نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا
255	ملتانی صاحب کی بے انصافی	238	مولوی ملتانی کی غلط بیانی

- 278 من کان له امام فقرأه الامام له قرأه
279 عبد اللہ بن شداد کی حدیث
280 حضرت ابو الدرداء کی حدیث
282 حضرت ابو ہریرہ کی حدیث
283 عبد اللہ بن عمر کی حدیث
283 حضرت عبد اللہ بن عباس کی حدیث
283 حضرت انس کی حدیث
285 نواس بن سمان کی حدیث
285 یحییٰ بن عبد بن یزید بن عیاض کی حدیث
286 مولوی ملتانی کا چیلنج
286 اثبات قرأت فاتحہ
286 عبادہ بن صامت کی حدیث
قسم دوم
288 امام کی قرأت کے وقت مقتدی خاموش رہیں
288 آیت قرآنی سے استدلال اور اس کا جواب
290 ایک اور بات
291 کیا بہرہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے
292 فاقروا ما تیر من القرآن سے معارضہ
292 امام کے پیچھے صراحۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم
292 حضرت عمر بن خطاب اور فاتحہ خلف الامام
292 آخری بات
294 ملتانی کا چیلنج
قسم سوم
296 مدرک رکوع مدرک رکعت ہے

- 256 گستاخ کون
256 مولوی ملتانی کا چیلنج اور اس کا جواب
سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صحیح و صریح مرفوع حدیث
258 ایک شبہ کازالہ
259 حضرت سہل بن سعد الساعدی کی حدیث
259 حضرت وائل بن حجر کی حدیث
260 حضرت طاؤس تابعی کی حدیث
261 اکابر علماء احناف کے اقوال
261 حضرت علی اور سینہ پر ہاتھ باندھنا
261 حضرت ابن عباس اور سینہ پر ہاتھ باندھنا
262 مولوی ملتانی کے چیلنج کا مسکت جواب
بخاری مسلم میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر
دوام قرأت خلف الامام
264 یا ترک القرأت خلف الامام
مولوی ملتانی ائمہ اعلام و صحابہ کرام کو کسی نہیں مانتے
مولوی ملتانی کے دو مغالطے
265 فاتحہ قرأت ہے
266 امام بخاری اور مولوی ملتانی
269 ایک مزید بات
271 قرأت فاتحہ کا نام نہیں ہے
272 ملتانی صاحب کا فائدہ یا فساد
275 حضرت جابر کی احادیث علماء احناف کا اعتراف
276 کسی صحیح مرفوع حدیث میں فاتحہ خلف الامام
276 کی ممانعت ثابت نہیں

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

حضرت سعد... منھ میں انگارے ہوں 317

اسد بن یزید تابعی... منھ مٹی سے بھرا جائے 317

عالمہ... گرم پتھروں سے بھرا جائے 318

مولوی ملتانی کا نوٹ 319

رسول اکرم اور خلفاء کا تاکید حکم پیش کرو 319

جو نماز میں فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی 321

حنفی فقہیہ شیخ التسلیم فاتحہ پڑھتے تھے 321

خواجہ نظام الدین ولی فاتحہ پڑھتے تھے 321

مولوی ملتانی کا ایک عجیب سوال اور اس کا منھ

توڑ جواب 322

آمین کا مسئلہ 325

کیا آمین آہستہ کہنا مسنون ہے 325

جہر دوسرا آہستہ اور زور سے کہنا کسی چیز ہے 326

کیا آہستہ آمین کہنا اصل سنت کی علامت ہے 326

بریلوی، دیوبندیوں کو اہل سنت تو کیا

مسلمان بھی نہیں مانتے 326

دیوبندیوں کا پہلا شبہ آمین دعا ہے دعا

آہستہ ہونی چاہیے، اس کی حقیقت 327

آمین مستقل دعا نہیں بلکہ دعا کے لیے

بطور طابع و خاتم کے ہے 327

دیوبندیوں کی مساجد میں بعد نماز آمین،

اس وقت کیا یہ دعائیں رہتی 328

دیوبندیوں کے قول و فعل کا تضاد

فرشتوں کی آمین سے موافقت کا کیا مطلب ہے 329

حضرت ابوبکرؓ کی حدیث پر بحث 298

صاحب بیل السلام کا موقف وہ نہیں

جو ملتانی بتاتے ہیں 299

مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں 300

قسم چہارم

ملتانی کا چیلنج 305

۱۔ لاصلاۃ لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا 306

۲۔ لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب

۳۔ فلا تقر واثبی من القرآن اذا جہرت الخ

۴۔ فاتحی الناس عن القراءة مع رسول اللہ

۵۔ انما جعل الامام لیوتر بہ... فاذا قرأ فاصعوا

ان احادیث کا حال

مولوی ملتانی کی نقاب کشائی 308

قسم پنجم

ملتانی صاحب کی پیش کردہ روایات کی حقیقت 311

نہی عن القراءة خلف الامام 311

موسیٰ بن عقبہ کا اثر 312

حضرت علیؓ منع کرتے تھے 312

ابن عمرؓ منع کرتے تھے 313

حضرت عمرؓ منھ میں پتھر ہو 314

حضرت علیؓ... اس کی فطرت خراب ہے 315

حضرت علیؓ... اس کی نماز نہیں ہوتی 316

زید بن ثابتؓ... اس کی نماز نہیں ہوتی 316

عبداللہ بن مسعودؓ منھ مٹی سے بھرا جائے 317

- 343 ان روایات کی حقیقت و حیثیت
345 اکابر علماء احناف کے اعتراضات
345 رفع الیدین کی احادیث صحیح بصرہ اور کثیر ہیں
347 عدم رفع پردال پانچویں روایت
347 براء بن عازب کی حدیث
348 محدثین کرام کے فیصلے
350 عدم رفع کی چھٹی وساتویں دلیل
352 جابر بن سمرہ کی روایت
353 اس کا محل اور محدثین کرام کا فیصلہ
353 مالی اراکم رافعی ایدیکم کی وضاحت
امام مسلم کی ترتیب کی روشنی میں
356 امام بخاری کی نظر میں
358 امام نووی کا تبصرہ
360 عدم رفع کی آٹھویں دلیل
اصحاب عبداللہ و علی رفع الیدین نہیں کرتے
361 تھے۔ اس کا جواب
362 عدم رفع الیدین کی نویں دلیل
حضرت عبداللہ بن عمر صرف افتتاح صلاۃ
میں رفع الیدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے
364 اس کا جواب
366 ملتانی صاحب کا دسواں شبہ اور اس کا جواب
369 ابن عباس کی حدیث
369 فائدہ یا فساد
370 ہماری گزارش

- تولوا اور قال اصل وضع میں جبر کے لیے
مستعمل ہیں
329 اذا امن الامام فامنوا سے جبر ثابت ہے
329 مولوی ملتانی منکرین حدیث کی روش پر
فرشتوں کی موافقت کا صحیح مطلب
330 رسول اللہ کے سکتے
332 امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام آئین نہ کہے
333 حضرت وائل بن حجر کی روایت آہستہ
آئین کے بارے میں اور اس کا جواب
333 حضرت وائل کی دوسری حدیث جس میں
آئین بالجبر کا ذکر ہے اور وہ صحیح ہے
336 بعض علماء احناف کے فیصلے آئین بالجبر کے حق میں
336 حضرت عمرو علی کا فرمان اور اس کی حقیقت
337 حضرت ابو وائل حضرت علی و ابن مسعود کے آثار اور
ان کی حقیقت
338 ابراہیم نخعی کا فتویٰ
338 کیا بلند آواز سے آئین کہنا متروک ہو گیا
339 اصلی اختلاف در مسئلہ آئین کیا ہے
340 آئین بالجبر پر دوام کا ثبوت
340 مولوی ملتانی کے مطالبہ کا جواب
رفع یدین کا دوام ہے یا ترک
342 رفع الیدین کرنے والے کیا سنی نہیں ہیں
342 عدم رفع الیدین کی دلیلیں
343 حضرت عبداللہ بن مسعود کی تین روایات
343

اکثریت بلکہ بقول امام بخاری وحسن بصری کل صحابہ اس

کیا نرا کلام الناس ہے؟

378 کے قائل و عامل ہیں اور یہ دوام کو لازم ہے

حضرت مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر نے آخر

میں آپ کو دیکھا نماز یکمی آپ رفع الیدین کرتے تھے۔

صلوا کما راستونی اصلی سے قولاً رفع الیدین کا ثبوت و

380 دوام ثابت ہے

وائل بن حجر رفع یدین کے راوی ۱۰ھ میں آپ کے

پاس آئے آپ رفع الیدین کرتے تھے یہ دوام کو لازم ہے

381 علامہ سندھی کی حق گوئی

اگر نسخ فرض کیا جائے تو رفع الیدین کا نہیں عدم رفع کا

383 نسخ ماننا پڑے گا

”کان یفعل“ کا حقیقی معنی اگر کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو

384 دوام ہی ہے

اگر رکوع کو جاتے اور اٹھتے رفع الیدین کا دوام ثابت

نہیں تو کیا عیدین وقت و صلاۃ جنازہ میں رفع یدین کا

دوام ثابت ہے

اگر ابتداء صلاۃ کی رفع یدین کا دوام ثابت ہے تو رکوع کو

جاتے اور اٹھتے کی رفع یدین کا دوام بھی ثابت ہے 385

رفع یدین نہ کرنے پر بطلان صلاۃ کا فتویٰ الہجدیث

386 کا نہیں یہ دیوبندی افتراء ہے

رفع یدین کی قولی حدیث کا مطالبہ اور جواب 386

388 ملتانی صاحب کا ایک بیجا مطالبہ

389 عشرہ مبشرہ اور رفع الیدین

389 علامہ عراقی کا دعویٰ

370

371

372

373

373

373

373

373

373

373

373

373

373

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

374

مولوی ملتانی کا چیلنج اور ہمارا جواب

رفع الیدین کا دوام

رفع الیدین کے فرض ہونے کی بات الہجدیث پر

اتہام ہے۔ الہجدیث مسنونیت ہی کے قائل ہیں

علماء احناف کا اعتراف رفع الیدین منسوخ نہیں

محدثین کے نزدیک رفع الیدین کی

احادیث احادیث متواترہ سے ہیں

علماء احناف منع کی روایت کیوں پیش نہیں کرتے

عبداللہ بن مسعود کی روایت پر بھی احناف کو

یقین نہیں

دوام کا مطالبہ رفع الیدین کو ثابت کرتا ہے ابن مسعود

کی روایت میں کبھی اس کے وجود کا ذکر نہیں

عودۃ الی المقصود

اثبات رفع کی احادیث صرف صفار صحابہ سے نہیں

قدیم الاسلام اور آپ کے خلفاء سے ثابت ہیں

خلفاء راشدین کا وفات نبوی کے بعد رفع الیدین

کرنا دوام پر دال ہے۔

دس صحابہ کرام کی محفل میں ابو حمید ساعدی کا رفع

الیدین کو ثابت بتانا اور ان صحابہ کرام کا اس کی تائید کرنا

ثبوت دوام کو لازم ہے

رفع کا ثبوت صحابہ کرام کے جم غفیر سے ہے اور ابن

مسعود مطلقاً عدم روایت کے قائل ہیں جب صحابہ کرام کی

”بارہ مسائل میں لاکھ انعام“ کا حقیقت پسندانہ جائزہ

- 405 حضرت مالک بن الحویرث کی حدیث
- 406 مالک بن الحویرث کا ایک صحیح صریح متابع
- مالک بن الحویرث کی حدیث کا دوسرا طریق
- 406 جس میں جلسہ استراحت ثابت ہے
- اس روایت کا ایک اور متابع ابو حمید ساعدی کی
- 406 روایت میں جلسہ استراحت ثابت
- ملتانى صاحب کے دلائل
- 407 ابو حمید ساعدی کی روایت اس کا جواب
- 408 حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اس کا جواب
- 409 ابو مالک اشعری کی روایت اور اس کا جواب
- 410 ابو ہریرہ کی روایت بخاری کی اس کا جواب
- حضرت شعبی کا بیان عمر علی استراحت نہیں کرتے
- 411 تھے اس کا جواب
- 412 عبد اللہ بن زبیر کی حدیث اور اس کا جواب
- 412 عبد اللہ بن زبیر بنحوں کے مل کھڑے ہوتے تھے
- عبد اللہ بن عمر بنحوں کے مل کھڑے ہوتے تھے
- 413 اس کا جواب
- 413 امام اعش کا بیان اور اس کا جواب
- حضرت نعمان بن ابی عیاش کا بیان
- 414 اور اس کا جواب
- امام زہری کا بیان ہمارے مشائخ مائل نہیں
- 414 ہوتے تھے، اور اس کا جواب
- 415 احادیث میں تعارض کی بحث
- 417 خالد گھر جا کھی اور ملتانی صاحب

- رفیع یدین پچاس صحابہ کرام سے مروی ہے جن میں
- 391 عشرہ مبشرہ بھی ہیں سے مروی ہے
- 392 دیگر محدثین کرام کا فیصلہ
- 392 مولوی ملتانی سے ایک سوال
- اس سوال کے حل پر میں لاکھ روپیہ کا انعام
- 393 مولوی ملتانی کا ایک آخری سوال اور ہمارا جواب
- 394 ہمارا ایک سوال
- 396 سجدہ میں جانے کا طریقہ
- حضرت وائل کی حدیث جس میں کھٹنے پہلے رکھنے
- کی بات ہے، ضعیف ہے
- 397 حضرت ابو ہریرہ کی حدیث جو پہلے ہاتھ رکھنے کے
- اثبات میں ہے صریح اور صحیح ہے
- 398 ابراہیم نخعی، ابن عمر کھٹنے پہلے رکھتے تھے۔ اس کا
- جواب
- 399 حضرت نافع کی روایت، اس کا جواب
- 400 عبد اللہ بن مسعود کے شاگردوں کا عمل
- اس کا جواب
- 400 ابراہیم نخعی نے ہاتھ پہلے رکھنے والے کو پاگل
- بتایا اس کا جواب
- 401 سجدہ سے اٹھنے کا طریقہ
- 402 جلسہ استراحت سنت طریقہ ہے
- علامہ فرنگی بخلی کا فیصلہ جلسہ استراحت سنت ہے
- 403 ہر شخص کو اختیار کرنا چاہیے
- 403 جلسہ استراحت کا ثبوت

- 434 حضرت انس کی دوسری روایت
- 434 حضرت سمرہ کی روایت
- 435 ابو حمید ساعدی کی روایت اور اس کی تحقیق
- 435 چند آثار صحابہ
- 435 حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت
- 436 اور اس کا جواب
- 436 حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت
- 436 حضرت کعب کا اثر اس کا جواب
- 436 تورک عذر پر محمول اس کا جواب
- 436 صحیح صریح و مرفوع متصل حدیث اثبات
- 437 تورک میں
- 438 حنفی شافعی مقلدین کو مشرک کہنے کا الزام
- 441 غیر مقلدین کی صحبت کا انجام
- 441 ہماری گزارش
- 445 رابطہ عالم اسلامی کی ایک قرارداد اور
- 445 مقلدین دیوبند کی دیدہ دلیری
- 451 مؤلف کتاب ایک نظر میں
- 418 فقہ حنفی اور جلسہ استراحت
- سجدہ سے زمین پر ٹیک لگائے بغیر اٹھنا
- حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث اللہ کے رسول نے
- زمین پر ٹیک کراٹھنے سے منع فرمایا اور اس کا جواب
- 420 حقیقت کیا ہے
- 421
- 423 کیا یہ روایتیں آپس میں متعارض ہیں
- 425 حضرت وائل کی دوسری روایت اس کا جواب
- حضرت وائل کی دوسری روایت گھٹنوں کا اور
- 425 اپنی رانوں کا سہارا لیا اور اس کا جواب
- ملتان صائب کے پیش کردہ آثار
- علی... دونوں ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک
- 426 نہ لگائے۔ اس کا جواب
- محمد بن سیرین و ابراہیم نخعی کے آثار
- 426 اور اس کا جواب
- 427 ملتان صائب کا نوٹ اور اس کی حقیقت
- 428 ٹیک لگا کر اٹھنے کا ثبوت
- التحیات میں بیٹھنے کا سنت طریقہ
- 430 تورک یا افتراش کی بحث
- حضرت وائل کی حدیث افتراش کا اثبات
- 432 اور اس کا جواب
- حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث اور
- 432 اس کا جواب
- 433 حضرت عائشہ کی حدیث اور اس کا جواب
- 433 حضرت انس کی روایت اور اس کا جواب

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۱۳	کندھا کو کندھے سے	کندھے کو کندھے سے
۱۵	۸	دلیلیوں سے	دلیلوں سے
۱۹	۱۲	الابریویوں	الابیریوں
۲۲	۹	قالب	قابل
۲۸	۵	ک	کہ
۳۸	۱	عنه باليمن	منه باليمن الحاقہ ۴۴-۷۰
۴۳	۶	آنگ	آنگ
۴۹	۵	محمد	محمدی
۶۸	۱۰	رکھتا	رکھتے
۷۴	۲	ہزرات	حضرات
۷۸	۱۲	اماسفیان	امام سفیان
۸۹	۸	اورران	اور ان
۹۵	۹	عبر-ة	عبرۃ
۱۱۵	۲۲	یہی وجہ یہ ہے	یہی وجہ ہے
۱۳۳	۱۷	حاشہ	حاشیہ
۱۳۴	۸	نکما	نکما
۱۳۴	۱۸	مغالطوں	مغالطوں
۱۵۸	۷	طر آخر جاہل ہے۔ نکالا	جاہل ہے۔ نکالا۔
۱۶۰	۶	کلمہ طیبہ	کلمہ طیبہ
۱۶۱	۱۴	ک	کہ
۱۶۶	۵	مغالطوں	مغالطوں
۱۷۹	۱۷	مغالطوں	مغالطوں
۲۰۴	۳	موسیٰ	موسیٰ علیہ السلام
۲۰۴	۲	المائدہ ۴:۲۹	المائدہ ۵:۲۸
۲۰۴	۵	النمل ۲۲:	النمل ۱۲:

ولا تحنت	ولا تحنت	۷	۲۰۴
ایک داؤز اندھے	صلی اللہ علیہ وسلم	۲	۲۲۰
بمنکب صاحبہ	بمنکب صاحب	۸	۲۳۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ علیہ وسلم	۱۰	۲۳۲
وسددوا	وسددوا	۳	۲۳۳
حضرات	حضرات	۵	۲۴۵
دایاں	دایاں	۳	۲۵۴
والہیقی	والہیقی	۸	۲۵۵
بیہقی	بیہقی	۱۱	۲۵۸
بیہقی	بیہقی	۱۱	۲۵۸
اللہ کے نبی	اللہ کے نبی	۱۴	۲۵۹
بیسیوں	بیسیوں	۳	۲۷۴
ضرورت	ضرور	۱۱	۲۷۵
شافعیہ	شافعیہ	۱۲	۳۰۱
اپنا وعدہ	اپنا وعدہ	۱۲	۳۰۲
صحیحہما	صحیحہما	۷	۳۲۰
صلی اللہ علیہ	صلی اللہ علیہم	۷	۳۳۳
پڑھائی	پڑھائی	۸	۳۳۳
کان رسول اللہ	کار رسول اللہ	۴	۳۴۰
رحمہما	رحمہما	۱۵	۳۷۶
وائل بن حجر	وائل بن حجر	۳	۳۸۲
ابو ہریرہ	ابو ہریرہ	۱۷	۴۱۰
جاتے تھے	جائے تھے	۳	۴۱۴
مالک بن الحویرث	مالک الحویرث	۱۷	۴۲۶
تورک کیا	تورک گیا	۵	۴۳۵
حدیث صریح کی	صریح کی	۱۶	۴۳۵
کہاں ملی	کہاں ملی	۱۹	۴۴۲
فقہیہ	فقہیہ	۱۹	۴۴۹



یہ کتاب

ایک شدت پسند متعصب دیوبندی عالم کی مغالطہ آمیز کتاب

”بارہ مسائل بیس لاکھ انعام“

کے جواب میں لکھی گئی ہے اس کتاب میں ان کے اس شرارت آمیز الزام کی قلعی کھولی گئی ہے کہ اہلحدیث اجماع و قیاس کے منکر ہیں، ادلہ اربعہ میں سے وہ صرف دو اصول (کتاب و سنت) کے قائل ہیں اور مقلدین چار اصول (کتاب، سنت، اجماع و قیاس) کے قائل ہیں۔ ان کی یہ کتاب اسی مغالطہ کے ارد گرد گھومتی ہے۔

ہماری اس کتاب میں اس طرح کے بہت سے دیوبندی مغالطوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے اور کتاب و سنت کی واضح، صریح اور صحیح ہدایات کی روشنی میں اختلافی مسائل میں حق کو واضح کیا گیا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب آپ کو بیجا شدت، تعصب اور عداوت اہلحدیث سے چھٹکارہ اور بہت سی غلط فہمیوں سے نجات دلانے میں مددگار ثابت ہوگی۔ ”ان شاء اللہ“

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : faheem.books@gmail.com
WWW.faheembooks.com

₹ 250/-

